ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
افادات
شیخ الحدیث والتفسیر
رحمہ اللہ علیہ
مولانا محمد سرفراز خان صفدر
www.besturdubooks.net
ناشر
میر محمد لقمان برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
خادر بٹ
افادات
امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ
نظر ثانی
جمع وترتیب
www.besturdubooks.net
مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن ۔ گوجرانوالہ

بسم الله الرحمن الرحيم
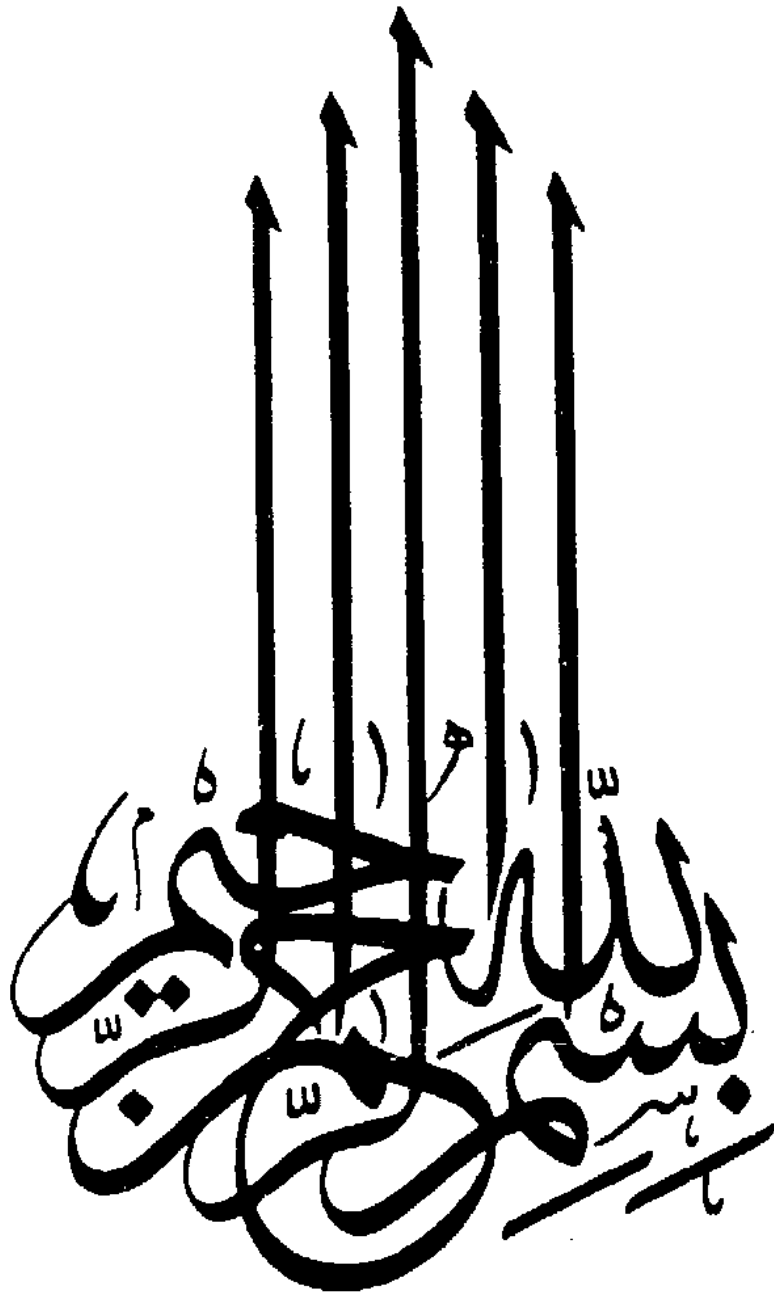
نام کتاب .... ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

ازافادات .... شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم

مرتب .... مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

نظرِ ثانی .... حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی (مدظلہ)

ناشر .... لقمان اللہ میر برادران، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

سرِ ورق .... محمد خاور بٹ (کاتب قرآن) کھوکھر کی، گوجرانوالہ

کمپوزنگ .... الفتح گرافکس گوجرانوالہ 0431-216239

طابع .... معراج جمشید بٹ پرنٹرز ریٹی گن روڈ لاہور

تعداد .... ایک ہزار (۱,۰۰۰)

قیمت ۳۰۰/-

تاریخ طبع اول .... ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۳ء بمطابق ۱۷ شعبان ۱۴۲۴ھ

تاریخ طبع دوم .... اگست 2012 بمطابق شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

﴿ملنے کے پتے﴾

(۱) .... ذخیرۃ الجنان محلہ عقب جامع مسجد، بازار تھانیوالا، شہر گوجرانوالہ

0300-8741292 + 0431-210686

(۲) .... مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، مغل پورہ، گوجرانوالہ

(۳) .... معارف اسلامیہ اکیڈمی، بنت کلاں روڈ ککھڑ، گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

عنوانات | صفحہ

پیش لفظ

نحمدہٗ تبارک وتعالیٰ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ اجمعین

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک وہند بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہوکر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دُوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رُخصت ہوگئے مگر انکے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلّے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروف عمل ہوگئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندان حضرت

شاہ عبد العزیزؒ، حضرت شاہ عبد القادرؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کریم کے فارسی اور اُردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر و ضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے جب کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جد وجہد بھی اسی کا تسلسل تھی۔ بالخصوص پنجاب میں بدعات و اوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن و سنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا لیکن اس کے لیے جن ارباب عزیمت نے عزم و ہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کے اسماء گرامی سر فہرست ہیں جنہوں نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا مگر ان ارباب ہمت کے عزم و استقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول و عرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درس قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی، کم و بیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

سے اور ترجمہ و تفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علیؒ سے شرف تلمذ اجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب و طرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن و حدیث کے علوم و تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں۔ ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نماز فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیمیافتہ حضرات کے لیے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسط اور منتہی درجہ کے طلبہ کے لیے ہوتا تھا اور دو سال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم و معارف کے موتی ان کے دامن قلب و ذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لیے جامع مسجد گکھڑ والا درس قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض مرتبہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا

پورا ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آکر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرتِ خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے اس لیے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا ہے جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر و تبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرضِ کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور ان گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ درس کی کاپیاں ہیں اور درس و خطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس و بیان کے لوازمات میں سے ہے لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اسکو ملحوظ رکھا جائے اسکے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر سے نوازے۔ آمین یا ربّ العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی
[illegible]

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۵﴾ ھُوَالَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۶﴾

الٓمّٓ ☆ اَللّٰہُ. اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لَآ اِلٰہَ نہیں کوئی معبود۔ اِلَّا ھُوَ مگر وہی۔ اَلْحَیُّ زندہ ہے۔ اَلْقَیُّوْمُ، قائم رہنے والا ہے۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ . اس نے نازل کی تم پر کتاب۔ بِالْحَقِّ، حق کے ساتھ۔ مُصَدِّقاً. یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے۔ لِمَا، ان کتابوں کی۔ بَیْنَ یَدَیْہِ. جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ، اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے توراۃ۔ وَالْاِنْجِیْلَ، اور انجیل۔ مِنْ قَبْلُ، اس قرآنِ کریم سے پہلے۔ ھُدًی، جو ہدایت تھیں۔ لِلنَّاسِ، اس وقت کے لوگوں کے لئے۔ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ، اور اس نے نازل کیا قرآنِ کریم۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ، اللہ تعالیٰ کی آیات کا۔ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ، ان کے واسطے

عذاب ہے سخت۔ وَاللّٰہُ، اور اللہ تعالیٰ۔ عَزِیْزٌ، غالب ہے۔ ذُو انْتِقَامٍ، بدلہ لینے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ، بے شک اللہ تعالیٰ۔ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ، نہیں مخفی اس پر کوئی شئی۔ فِی الْاَرْضِ، زمین میں۔ وَلَا فِی السَّمَآءِ، اور نہ آسمان میں۔ ھُوَ الَّذِیْ، وہ، وہ ذات ہے۔ یُصَوِّرُکُمْ، جو تمہاری تصویر بناتا ہے۔ فِی الْاَرْحَامِ، ماں کے رحموں میں۔ کَیْفَ یَشَآءُ، جیسے چاہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی۔ اَلْعَزِیْزُ، غالب ہے۔ اَلْحَکِیْمُ، حکمت والا ہے۔

اس سورۃ کا نام سورۃ آلِ عمرآن اس واسطے ہے کہ اس سورۃ میں عمران کے خاندان کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کے خاندان میں ایک بزرگ نیک پارسا عمران رحمہ اللہ ابنِ ماثان رحمہ اللہ تھے۔ یہ اپنے وقت میں مسجدِ اقصیٰ کے امام اور خطیب تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام ہارون تھا، وہ بھی بڑا نیک اور پارسا تھا۔ مگر جوانی میں ہی فوت ہوگیا۔ حضرت عمران کی بیوی کا نام ''ھَنَّۃُ بنتِ فاقوذہ رحمہا اللہ تعالیٰ'' تھا جوان بیٹا فوت ہوگیا۔ اور حضرت عمران رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بڑھاپے کو پہنچ گئے۔ تو حضرتِ ھَنَّۃُ پریشان ہوگئیں کہ آئندہ ہم سے مسجدِ اقصیٰ کی دینی خدمت نہیں ہوسکے گی۔ تو انہوں نے منت مانی کہ اے پروردگار اگر تو مجھے بیٹا عطاء کرے گا تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں اس کو تیرے دین اور مسجدِ اقصیٰ کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی۔ (اس واقعہ کی مزید تفصیل آگے آئے گی) اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ تو آلِ عمران کا مطلب ہے عمران بن ماثان کی اولاد۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آگے نسل نہیں چلی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس/۳۳ سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا۔ البتہ جب وہ نازل ہوں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح

از دو قبیلے میں ہوگا جیسا کہ علم کلام کی کتاب شرح عقیدۃ السفارینی میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دو لڑکے عطا فرمائیں گئے، ایک کا نام موسیٰ رکھیں گئے اور دوسرے کا نام محمد، اس کے بعد کا معلوم نہیں کیا ہوگا۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور اس سے پہلے اٹھاسی/ ۸۸ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس سورہ کے بیس رکوع اور دوسو آیات ہیں۔ یہ سورۃ بھی قرآنِ کریم کی طویل سورتوں میں سے ہے۔ الٓمٓ یہ حروفِ مقطعات ہیں (ان کی بحث پہلے پارے میں گزر چکی ہے، جو حضرات اس درس میں شریک نہ ہوئے ان کی خاطر عرض ہے) مقطعات کا مطلب یہ ہے کہ کسی لفظ سے اختصار کے طور پر ایک حرف الگ کیا جائے۔ جیسے کسی کا نام ہو محمد شفیع تو لفظ محمد سے م الگ کرلو اور شفیع سے ش الگ کردو تو یہ بن گیا م،ش۔ ایک مشہور صحافی تھا، عرصہ دراز تک نوائے وقت میں م،ش کی ڈائری کے عنوان سے لکھتا رہا ہے۔ اس کا نام تھا محمد شفیع مرحوم، وفات پاگئے ہیں۔ اس طرح سے تخفیف کرنا ہر زبان میں عام ہے۔ جیسے ڈی، سی ڈپٹی کمشنر کا مخفف ہے۔ اے، سی اسسٹنٹ کمشنر کا مخفف ہے، وغیرہ ذٰلک. تو یہ حروفِ مقطعات ہیں ان کے متعلق مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ الف سے مراد اللہ جل جلالہٗ لام سے مراد جبرئیل علیہ السلام، اور میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ تو مفہوم یہ بنے گا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور بعض یہ تفسیر فرماتے ہیں کہ الف سے مراد آلاءُ اللہ ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ. تو الف آلاء سے مخفف ہے اور لام لطف اللہ سے مخفف ہے۔ اور میم ملک اللہ سے تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نعمتیں بھی رب تعالیٰ کی، لطف و کرم بھی رب تعالیٰ کا، اور ملک بھی رب تعالیٰ کا اور یہ حروفِ مقطعات انتیس/ ۲۹ سورتوں کے شروع

میں آتے ہیں۔ جیسے الٓمٓ، الٓرٰ، طٰہٰ، یٰسٓ، حٰمٓ وغیرہ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اِلٰـــہ کے متعدد معنیٰ ہیں۔ مثلاً حاجت روا، مشکل کشا فریادرس، دستگیر، حاکم، مُقنّن، قانون ساز، تو معنیٰ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا حاجت روا مشکل کشا، فریادرس، دستگیر، حاکم قانون ساز کوئی نہیں ہے۔ اَلْـحَـیُّ، ہمیشہ زندہ رہنے والا جس کی نہ ابتداء ہے، اور نہ انتہاء۔ وَیَبْـقٰی وَجْـہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔ اور باقی رہے گی تیرے پروردگار کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔ تو ہمیشہ رہنے والی ذات صرف پروردگار کی ہی ہے۔ باقی سب پر موت آئے گی۔ یہاں تک کہ جان نکالنے والے فرشتے بھی مرجائیں گے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شئے نہیں رہے گی۔ اَلْقَیُّوْمُ، ہمیشہ قائم رہنے والا، جس پر کسی وقت بھی زوال نہ آسکے گا۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خود دعا شروع کی، "اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی" کہ اللہ تعالیٰ پر سلامتی ہو۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْـرَئِیْـلَ، اَلسَّلَامُ عَـلٰی مِیْکَائِیْل۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم "اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی" نہ کہو، کیونکہ یہ لفظ وہاں بولا جاتا ہے، جہاں خطرہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کہ تم اس کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہو۔ مثلاً ہم ایک دوسرے کو السلام علیکم کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے چوروں اور ڈاکوؤں سے سلامتی میں رکھے۔ مصائب اور آلام سے سلامتی میں رکھے۔ تو رب تعالیٰ کو تو ان چیزوں کا خطرہ نہیں ہے۔ کہ تم اس کے لئے یہ دعاء "اَلسَّلَامُ عَـلَـی اللّٰہِ" (اے اللہ تو سلامتی میں رہے) کرو اس لئے کہ وہ تو خود سلام ہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر علمائے کرام کہتے ہیں کہ اللہ جی کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جی کا لفظ کلمۂ دعائیہ ہے۔ اس کا معنیٰ ہے تو زندہ رہ، یہ وہاں بولا جاتا ہے، جہاں موت کا خدشہ ہو جیسے ابا جی، اماں

جی، استاد جی، مولوی جی، قاری جی، منشی جی، وغیرہ کیونکہ ان سب نے مرنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو تو موت کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ حَیٌّ قَیُّومٌ ہے۔ لیکن بعض لوگ بے چارے دین سے واقف نہیں ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عقیدت ہوتی ہے۔ تو اللہ جی کہہ دیتے ہیں، تو یہ جائز نہیں ہے۔ البتہ اللہ مالک کہیں، اللہ سائیں کہیں۔ اسی مناسبت سے ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ آج کل لوگ عموماً کیا مرد اور کیا عورتیں، نام ادھورے لیتے ہیں۔ مثلاً عبدالوحید کو وحید کہتے ہیں عبدالجبار کو جبار کہتے ہیں، عبدالرحمٰن کو رحمٰن بلکہ مان کہتے ہیں، کہ وحید آیا ہے، جبار آیا ہے۔ تو یہ سخت گناہ ہے۔ کیونکہ وہ تو عبدالجبار ہے۔ جبار کا بندہ ہے، جبار تو نہیں ہے، عبدالرحمٰن، رحمٰن کا بندہ ہے، رحمٰن تو نہیں ہے۔ عبدالوحید، وحید تو نہیں ہے۔ کل کی بات ہے کہ ایک عورت میرے پاس دم کرانے کے لئے آئی، کہنے لگی میں وحید کی بیوی ہوں، میں نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ. وحید تو اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی بیوی ہو، وہ ہنس پڑی پھر میں نے سمجھایا کہ تم یوں کہو کہ میں عبدالوحید کی بیوی ہوں۔ تو اس طرح ادھورے نام لینا سخت گناہ ہے اور اس طرح کی تخفیف جائز نہیں ہے۔ کہ تم عبدالرحمٰن کو رحمٰن بنا دو۔ اور عبدالجبار کو جبار کہو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کتنے فرشتوں کا نام لے کر سلام کہو گے؟ مثلاً اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَئِیْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی مِیْکَائِیْلَ۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی اِسْرَافِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ یا کتنے نبیوں کا نام لے کر علیہ السلام کہو گے۔ مثلاً اَلسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ، اَلسَّلَامُ عَلٰی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ، اَلسَّلَامُ عَلٰی نُوْحٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ، اَلسَّلَامُ عَلٰی شِیْثٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ اسی طرح کتنے صحابہ کا نام لے کر سلام کہو گے، کہ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ

بَکْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰی عُمَرَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی عُثْمَانَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ۔ تو تم یوں کہو السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن. تو اس میں سب آ گئے۔ یعنی یہ جملہ کہنے سے تمہارا سلام تمام فرشتوں کو تمام پیغمبروں کو تمام مومنوں کو چاہے وہ انسان ہوں یا جنات، چاہے آسمانوں پر ہوں یا زمین پر، سب کو خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ حَیٌّ، ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قَیُّوْمٌ ہے۔ قائم رہنے والا۔ اور قیوم کا دوسرا معنیٰ قائم رکھنے والا بھی کیا ہے۔ کہ زمینوں آسمانوں بلکہ ساری کائنات کو قائم رکھنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے۔ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اے پروردگار تو آسمانوں اور زمینوں کو قائم رکھنے والا ہے۔ دیکھو آسمان کتنا وسیع ہے۔ لیکن اس کے نیچے کوئی ستون کوئی دیوار نہیں ہے۔ ہزار ہا سال سے اس طرح چلا آ رہا ہے۔ اور جب تک رب کو منظور ہوگا اسی طرح رہے گا۔ اور زمین اپنے مرکز پر ٹھہری ہوئی ہے۔ تو زمینوں اور آسمانوں کو قائم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ. اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تم پر کتاب بِالْحَقِّ، حق کے ساتھ۔ یعنی قرآنِ کریم۔ اور اس کتاب کی خوبی یہ ہے، مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ، یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے۔ ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ یعنی اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں، جیسے تورٰۃ ہے، زبور ہے، انجیل ہے۔ ان کی تصدیق کرتی ہے۔ کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں۔ اور ان میں جو اصولی مسائل بیان ہوئے ہیں مثلاً توحید رسالت، قیامت وغیرہ ان کی بھی مصدق ہے۔ مگر یاد رکھنا کہ یہ مصدق ان کتابوں کی ہے جو اصل ہیں۔ تحریف شدہ کتابوں کے مضامین کی تصدیق نہیں کرتی۔ اور اس وقت آسمانی کتابوں میں قرآن شریف کے بغیر کوئی کتاب بھی اپنی اصل شکل میں موجود نہیں

ہے۔ نہ توراۃ، نہ زبور، نہ انجیل، نہ ملا کی، نہ احبار، نہ سلاطین، نہ پیدائش وغیرہ۔ غرضیکہ پہلی تمام کتابوں میں تحریف ہوئی ہے۔ اور اس بات کا خود پادریوں کو بھی اقرار ہے کہ گڑ بڑ ہوئی ہے۔ یہ شرف صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ کریم کو حاصل ہے۔ کہ ایک زبر اور زیر کا بھی فرق نہیں پڑا اور نہ پڑے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ، اور اللہ تعالیٰ نے توراۃ نازل فرمائی۔ قرآنِ کریم کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں توراۃ کا مقام بہت بلند ہے۔ بڑی جامع مانع کتاب ہے۔ صدیوں تک اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علماء، اور مشائخ، اور نیک لوگ اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ وَالۡاِنۡجِیۡلَ، انجیل بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس وقت اصل انجیل کا ملنا مشکل ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت چار انجیلیں موجود ہیں۔ مَتّٰی، یُحَنَّا، مَرۡقَسۡ، اور لُوۡقَا کی انجیل اور ایک برناباس کی انجیل ہے۔ وہ بھی میرے پاس موجود ہے۔ برناباس رحمہ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ اور متی، یوحنا، اور مرقس اور لوقا یہ چاروں تابعی ہیں اور پادری صاحبان کہتے ہیں کہ برناباس رحمہ اللہ کی انجیل صحیح نہیں ہے۔ اور متی، یوحنا، مرقس اور لوقا کی انجیلیں صحیح ہیں۔ بھائی برناباس رحمہ اللہ جو براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی ہے۔ اس کی مرتب کردہ کتاب کیوں معتبر نہیں ہے......؟ اور جو تابعین کی مرتب کردہ ہیں کس طرح معتبر ہو گئیں تو انجیل برناباس کے انکار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دو تین مقامات پر صراحۃً یہ الفاظ موجود ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ مجھے رب کا بیٹا مانیں گے، اور رب کا شریک بنائیں گے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، اور وہ میری صفائی پیش کریں گے۔ پس ان الفاظ کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ کہ اگر یہ ثابت ہو گئے تو ہمارا بھٹہ بیٹھ جائیگا۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں

رہے گا۔ حالانکہ اصل انجیل تو برنباس رحمہ اللہ ہی کی ہے۔ جو صحابی کی مرتب کردہ ہے۔ اور باقی چار تابعین کی مرتب کردہ ہیں، اور وہ بھی اصل شکل میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً انیس سو/۱۹۰۰ سے جو پہلے کی طبع ہیں ان میں الفاظ اور ہیں اور جو انیس سو ایک/۱۹۰۱ کے بعد کی طبع شدہ ہیں، ان کے الفاظ اور ہیں۔ جوں جوں سال گزرتے ہیں، الفاظ بدلتے رہتے ہیں، مگر قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی ایسی کتاب ہے۔ جو اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ اس کو باوضو ہاتھ لگانا ثواب ہے۔ اس کو پڑھنا ثواب ہے، اس کو سننا ثواب ہے، اس کو دیکھنا ثواب ہے، اس کو سمجھنا ثواب ہے۔ ابنِ ماجہ کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک شخص سو رکعات نفل پڑھتا ہے، اور ایک شخص قرآنِ کریم کی ایک آیت بغیر ترجمے کے سیکھتا ہے۔ تو اس ایک آیت کی تعلیم حاصل کرنے کا ثواب سو رکعات نفل سے زیادہ ہے۔ اور اگر ایک آدمی ہزار رکعات نفل پڑھتا ہے، اور ایک آدمی قرآنِ کریم کی ایک آیت کا ترجمہ سیکھتا ہے تو اس کا ثواب ہزار رکعات نفل سے زیادہ ہے۔ (آخر ہزار رکعات پڑھنے پر بھی کچھ وقت لگے گا نا!) تو یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ کریم ہمارے لئے خالص رحمت ہے۔ باقی ہمارے اندر کوتاہی ہے کہ ہم نے نہ اس کو پڑھا نہ سمجھا نہ عمل کیا کاش کہ یہ صحیح معنیٰ میں کہیں نافذ ہو جائے، تو سارے لوگ اس کی برکات کو دیکھ کر اپنے ملکوں میں اسلامی قانون نافذ کر دیں۔ بشرطیکہ تعصب نہ ہو، تو فرمایا۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِیْلَ، اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی توراۃ اور انجیل۔ مِنْ قَبْلُ اس قرآن سے پہلے هُدًى لِّلنَّاسِ، ہدایت تھی ان لوگوں کے لئے، یعنی اپنے وقت میں توراۃ بھی ہدایت تھی اور انجیل بھی ہدایت تھی۔ اس وقت کے لوگوں کے لئے۔ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا۔ قرآن کا نام

قرآن بھی ہے، فرقان بھی ، اور ذکر بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، اور بے شک ہم نے ہی نازل کیا ہے ذکر یعنی قرآن کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، قرآنِ کریم کی آج تک حفاظت ہوئی ہے۔ اور قیامت تک حفاظت ہوگی۔ الحمد للہ! اس کے لفظوں کی حفاظت ہوئی ہے، معنیٰ کی حفاظت ہوئی ہے، تفسیر کی حفاظت ہوئی، لب ولہجہ کی حفاظت ہوئی ہے۔ رسم الخط کی بھی حفاظت ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف اور توفیق عطا فرمائی کہ قرآنِ کریم کو اصل شکل میں محفوظ رکھا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ. بے شک وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا۔ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ان کے لئے عذاب ہے سخت۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے ، بدلہ لینے والا ہے۔ اگلی آیت کے سمجھنے سے پہلے کچھ ضروری باتیں سمجھ لیں تاکہ آیت کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ ۹ ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ ان کے آنے کا سبب یہ تھا کہ جب مکہ فتح ہو کر عرب کی ساری آبادی اور یمن کے کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آگئے۔ تو نجران جو یمن کے ایک علاقے کا نام ہے۔ اور وہاں عیسائیوں کی اکثریت تھی۔ وہ خوف زدہ ہوگئے، اور انہوں نے مشورہ کیا کہ سارا عرب اسلام کے جھنڈے تلے آگیا ہے۔ اور یہود ذلیل وخوار ہوگئے ہیں۔ لہٰذا ہم الگ تھلگ نہیں رہ سکتے، اور مسلمانوں کے ساتھ لڑ بھی نہیں سکتے۔ اس واسطے ہمیں خود جا کر بات کرنی چاہیے۔ کہ ہم تمہاری وفادار رعیت ہو کر رہیں گے۔ لہٰذا ہمارے ذمہ جو ٹیکس اور جو قانونی ضابطہ ہے۔ اس سے ہمیں آگاہ کیا جائے۔ اور ہمارے حقوق ہمیں بتائے جائیں، چنانچہ ساٹھ آدمیوں کا یہ قافلہ جس میں عیسائیوں کے مذہبی پیشوا بھی

تھے۔اور سیاسی لیڈراور وڈیرے بھی تھے نجران سے مدینہ طیبہ پہنچا۔اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتنے آدمی ہو؟ کہنے لگے ہم ساٹھ آدمی ہیں۔اور سواریاں بھی ہیں،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم غریب لوگ ہیں،ہمارے پاس اتنی بڑی عمارت نہیں ہے کہ جس میں سب کو اکٹھا رکھ سکیں۔لہٰذا مختلف ساتھیوں کے ہاں میں تمہیں ٹھہرنے کی جگہ دیتا ہوں۔کہنے لگے کہ ہم اکٹھے آئے ہیں،اور اکٹھے رہیں گے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ہمارے پاس یہ مسجد ہی ہے۔کہنے لگے کہ ٹھیک ہے ہم مسجد ہی میں ٹھہریں گے۔چنانچہ ان کو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں ٹھہرایا گیا۔عیسائیوں نے کہا کہ ہم نے اپنی نماز بھی پڑھنی ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھتے رہو اجازت ہے،تو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عیسائیوں نے اپنی طرز کی نماز بھی پڑھی۔تو خیر اصل مقصد تو ان کا سیاسی پناہ حاصل کرنا تھا۔اور اس سلسلے میں قواعد وضوابط معلوم کرنے تھے،مگر علمی باتیں بھی ہوئیں،اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی آیا۔ان میں ابو حارثہ بن علقمہ نامی ایک بڑا پادری بھی تھا،کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور شریک ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کسی سے پیدا ہوا ہے؟ کہنے لگے نہیں،اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں؟ کہنے لگے ہاں،یہ بات ٹھیک ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کچھ کھاتا پیتا ہے؟ کہنے لگے نہیں،اور عیسیٰ علیہ السلام کھاتے پیتے تھے۔کہنے لگے ہاں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی ماں ہے کہ جس کے پیٹ میں رہے ہوں؟ کہنے لگے نہیں۔اور عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں رہے ہیں؟ کہنے لگے ہاں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے زمین آسمان کی کوئی شے پوشیدہ ہے؟ کہنے لگے نہیں ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر، کہنے لگے عیسیٰ علیہ السلام کو جتنا علم رب تعالیٰ نے دیا ہے، اس سے زیادہ نہیں جانتے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ پر فنا آئے گی؟ کہنے لگے نہیں ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر ؟ کہنے لگے "یَأْتِیْ عَلَیْهِ الْفَنَاءُ" . ان پر موت آئے گی ۔ اور یہ "یَأْتِیْ عَلَیْهِ الْفَنَاءُ" . کے لفظ تفسیر ابنِ جریر، طبری، اور روح المعانی وغیرہ میں موجود ہیں ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کون سی مشابہت ہے؟ جس کی وجہ سے تم ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور شریک بناتے ہو ۔ تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا ۔ اور انہوں نے اور بھی کئی شوشے چھوڑے، جن کا ذکر اگلی آیتوں میں آئے گا ۔ زندگی رہی تو بیان کروں گا، انشاء اللہ العزیز ۔ تو اس بحث میں چونکہ پیٹ میں رہنے کا بھی ذکر آیا تھا ۔ اور اللہ تعالیٰ پر زمین، آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے ۔ تو فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ. بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی شی مخفی نہیں ہے، زمین میں اور نہ آسمان میں ۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ ، وہی ذات ہے جو تمہاری تصویر بناتی ہے، ماؤں کے رحموں میں، لڑکی ہے، لڑکا ہے، کالا ہے، گورا ہے، صحیح الاعضاء ہے، ناقص الاعضاء ہے ۔ یہ جتنی بھی صورتیں ہیں یہ سب تمہارا رب تمہیں عطا کرتا ہے ۔ كَیْفَ یَشَآءُ ، جس طرح چاہتا ہے ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ، اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے ۔ الْعَزِیْزُ ، غالب ہے، الْحَكِیْمُ ، حکمت والا ہے ۔ اگر فوری طور پر کسی کی گرفت نہیں کرتا تو یہ نہ سمجھو کہ بچ گئے ہو ۔ بلکہ اس میں اس کی کوئی حکمت ہے ۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞ رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۞

هُوَ الَّذِیْ، اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے۔ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ، جس نے نازل کی تم پر کتاب۔ مِنْهُ، اس کتاب میں سے ایک حصہ ہے۔ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ، آیتیں ہیں اٹل۔ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ، وہی کتاب کا اصل حصہ ہیں۔ وَاُخَرُ، اور کچھ اور آیتیں ہیں۔ مُتَشٰبِهٰتٌ، جن کی مراد معلوم نہیں ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ پس وہ لوگ۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ، کہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ فَیَتَّبِعُوْنَ، پس وہ پیروی کرتے ہیں۔ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ، ان کی جو ان میں تشابہ ہیں۔ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ، فتنہ طلب کرتے ہوئے۔ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ، اور اس کی حقیقت طلب کرتے ہوئے۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ، اور حالانکہ کوئی نہیں جانتا اس کی حقیقت کو۔ اِلَّا اللّٰهُ، سوا اللہ تعالیٰ کے۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ، اور وہ جو پختہ ہیں

علم میں یَقُوْلُوْنَ کہتے ہیں۔ اٰمَنَّا بِہٖ، ہم اس پر ایمان لائے۔ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا، کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ، اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل مند لوگ۔ رَبَّنَا، اے ہمارے رب۔ لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا، نہ ٹیڑھا کر ہمارے دلوں کو۔ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا، بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی۔ وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً، اور دے تو ہمیں اپنی طرف سے رحمت۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ، بے شک تو ہی دینے والا ہے۔ رَبَّنَا، اے ہمارے رب۔ اِنَّکَ، بے شک تو۔ جَامِعُ النَّاسِ، اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو۔ لِیَوْمٍ، ایسے دن میں۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ، جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ، بے شک اللہ تعالیٰ۔ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ، وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ اور مکہ مکرمہ کی حیثیت دارالخلافہ اور مرکز کی تھی اور جب دارالخلافہ فتح ہو جائے تو باقی ملک بھی فتح سمجھا جاتا ہے۔ یوں سمجھو کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو سارے عرب پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ اور سارا عرب اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا۔ مدینہ طیبہ طائف، خیبر کے علاقوں پر اسلام غالب آ گیا۔ ساتھ ہی یمن تھا جس کے دو صوبے تھے۔ اور وہاں یہودی آباد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صوبوں میں اپنے گورنر بھیج دیئے۔ کہ ان سے معاملات طے کر لو۔ کہ ان شرائط پر تم نے ٹیکس ادا کرنا ہے۔ اور ہم یہ شرائط پوری کریں گے۔ یہودی بڑے فجرے تھے انہوں نے ظاہری طور پر کوئی مزاحمت نہیں کی۔ موقع کی تلاش میں تھے تو ان کے سامنے جو شرطیں پیش کی جاتیں مانتے جاتے تھے، اور یمن کے ساتھ نجران کا علاقہ تھا۔ وہاں عیسائی آباد تھے۔ انہوں نے سوچا کہ سارا عرب اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا۔ اور یمن کے یہودیوں نے بھی سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ اب ہم الگ تھلگ

نہیں رہ سکتے ۔ کیونکہ ہمارے پاس اتنی قوت و طاقت نہیں ہے کہ ہم مسلمانوں کا مقابلہ کرسکیں، اور ملک کے ایک حصے میں رہ کر ملکی قانون کو نہ ماننا بڑی مشکل بات ہے ۔ لہٰذا ایک وفد بھیجو جو مدینہ طیبہ جا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ براہِ راست گفتگو کرے ۔ کہ ہم تمہاری وفادار رعیت بن کے رہنا چاہتے ہیں لہٰذا ہمارے ذمے جو حقوق ہیں ان سے ہمیں آگاہ کیا جائے وہ ہم پورے کریں گے اور ہمارے حقوق جو تمہارے ذمہ ہیں وہ تم پورے کرو ۔ چنانچہ ساٹھ آدمیوں پر مشتمل یہ وفد جس میں ان کے سیاسی لیڈر، مذہبی پیشوا، اور وڈیرے شامل تھے ۔ اور خاصا بااثر وفد تھا ۔ مدینہ طیبہ پہنچا ۔ قافلے میں جو مذہبی رہنما تھے وہ پیش پیش تھے ۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دریافت کیا ۔ کہ ہم نے ان سے ملنا ہے ۔ آپ ﷺ اس وقت چھوٹے سے حجرے میں تشریف فرما تھے ۔ جو مسجد نبوی کے ساتھ تھا ۔ ان کو بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرے میں رہتے ہیں ۔ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چھوٹے سے حجرے میں رہتے ہیں ۔ اور کوئی پہرے دار محافظ نہیں ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے ہم عیسائی ہیں اور نجران کے علاقے سے آئے ہیں ۔ اور اس واسطے آئے ہیں کہ سارے عرب پر تمہارا قبضہ ہو چکا ہے ۔ اور نجران کا علاقہ بھی عرب کا حصہ ہے ۔ ہم از خود آگئے ہیں کہ تمہاری رعیت بن کے رہیں گے لہٰذا ہمارے ذمہ جو حقوق ہیں ہمیں بتادو وہ ہم پورے کریں گے ۔ اور ہمارے حقوق جو تمہارے ذمے ہیں وہ تم پورے کرو ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو بلایا اور فرمایا یہ مہمان ہیں، سب سے پہلے ان کی رہائش اور خوراک کا انتظام کرو، اور ان کی سواریوں کے کھڑے کرنے کا انتظام کرو ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم

نے کہا کہ حضرت اس طرح کرتے ہیں کہ ہم دو، دو، تین، تین آدمی آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس میں ہمیں بھی سہولت ہوگی اور انہیں بھی سہولت ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تجویز پسند آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقب کو جو ان کا امیر تھا فرمایا کہ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اتنے وسیع مکان نہیں ہیں کہ ہم تمہارے ساٹھ آدمیوں اور سواریوں کو ایک جگہ رکھ سکیں۔ (واہ رے اللہ! ایک وہ وقت تھا کہ ساٹھ آدمیوں کو اکٹھا ٹھہرانے کی جگہ نہیں تھی۔ اور اب چالیس لاکھ کا مجمع ٹھہرتا ہے، اور کسی کو پریشانی بھی نہیں ہوتی...... بلوچ !) لہٰذا ہم تمہارے دو، دو، تین، تین آدمی اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیں، وہ ان کی رہائش، خوراک، اور سواریوں کا بھی انتظام کرلیں گے۔ ان کے بڑوں نے آپس میں مشورہ کیا، اور کہا یہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ ہم اکٹھے آئے ہیں، اور اکٹھے رہیں گے اور اکٹھے جائیں گے۔ کیونکہ ان کو خدشہ تھا کہ صحابۂ کرام بڑے با اخلاق لوگ ہیں اور تبلیغ سے باز نہیں آتے۔ اور سچی بات دل پر ضرور اثر کرتی ہے۔ یہ ہماری بھیڑیں ان سے متاثر ہو جائیں گی۔ اور یہ ہمارے آدمیوں کو قابو کرلیں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو گئے کہ ساٹھ آدمیوں کا ایک جگہ انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ان کی سواریاں بھی تھیں ان کو بھی سنبھالنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ہمارے پاس صرف یہی مسجد ہے۔ کہنے لگے ہم مسجد میں رہیں گے۔ ہماری سواریوں کا انتظام کر دو۔ چنانچہ وہ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں ٹھہرے۔ کہنے لگے کہ ہم نے اپنی نماز بھی پڑھنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑھ لینا۔ چنانچہ وہ اپنے قبلے کی طرف چہرہ کر کے اپنے طرز کی نماز بھی پڑھتے رہے۔ ان کی جو خدمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو سکی وہ آپ ﷺ نے کی۔ ان میں سے بعض نے آہستہ سا کہا کہ ہم شراب بھی پیتے

ہیں۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اس کا نام بھی نہ لینا جو جائز خدمت ہے وہ ہم کریں گے۔باقی ہم سے یہ توقع نہ رکھنا کہ ہم تمہیں شراب بھی پلائیں گے۔اور خنزیر کھلائیں گے۔ہاں جو حلال چیزیں ہیں وہ جتنی ہمارے بس میں ہوئیں ان سے تمہاری خدمت کریں گے۔چنانچہ گفتگو شروع ہوئی اور انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری وفادار رعایا بن کر رہیں گے۔ہم پر جو ٹیکس وغیرہ ہے۔ہمیں بتادو،اور آنے کا اصل مقصد بھی یہی تھا۔مگر علمی باتیں بھی شروع ہوگئیں،جن کا کچھ ذکر پہلے درس میں ہوا ہے۔

اس اثناء میں مذہبی اور علمی گفتگو بھی شروع ہوگئی کیونکہ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے اور اا) کے لاٹ پادری بھی ساتھ تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بات چلی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا نظریہ ہے۔ کہنے لگے کہ ہم ان کو ابن اللہ بھی کہتے ہیں اور خدائی میں شریک بھی مانتے ہیں قرآن پاک میں عیسائیوں کے تین فرقوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ قَالَتِ النَّصٰرٰی مَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ (سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۰) دوسرا فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ (سورۃ المائدہ آیت ۷۳) بے شک اللہ تیسرا ہے تینوں میں ان کے نزدیک خدائی کے تین رکن ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات نمبر دو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تیسرا رکن بعض کے نزدیک حضرت مریم علیہ السلام ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی تیسرے رکن میں دو طبقے ہیں ایک حضرت مریم کو رکن مانتا ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اور تیسرا فرقہ کہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (سورۃ المائدہ آیت ۷۶) بے شک اللہ تعالیٰ وہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو بندے مگر اتنی کثرت سے عبادت کی کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں حلول کر گیا داخل ہو گیا۔ ان کے ہاتھ پر جو معجزات صادر ہوئے ہیں دراصل وہ اس رب سے صادر ہوئے ہیں جو ان کے اندر داخل ہے۔ انہوں نے جب اپنے یہ عقائد بیان کیے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کس سے پیدا ہوا ہے۔ کیا اس کے ماں باپ ہیں۔ کہنے لگے نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے لگے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہے۔ دوسرا سوال کیا اللہ تعالیٰ ماں کے رحم میں رہے ہیں کہنے لگے نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے ہاں رہے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا

اچھا یہ بتاؤ زمین آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر مخفی ہے کہنے لگے نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام پر کہنے لگے اتنا ہی علم ہے جتنا رب تعالیٰ نے ان کو دیا ہے۔ فرمایا یہ بتاؤ رب تعالیٰ کھاتا پیتا بھی ہے۔ کہنے لگے نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور شرعی تقاضے کے تحت پیشاب پاخانہ کی بھی ان کو ضرورت پیش آتی تھی فرمایا یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ پر کبھی موت آئے گی کہنے لگے نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام پر کہنے لگے یَاْتِیْ عَلَیْهِ الْفَنَا ان کی وفات ہوگی۔ جب یہ تمام باتیں ہو چکیں تو آپؒ نے فرمایا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی اختیارات اور اوصاف نہیں ہیں تو تم کس دلیل سے ان کو خدا مانتے ہو دنیا میں خاموش تو کوئی نہیں رہتا کہنے لگے تم جو کہتے ہو عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں تو تمہارے قرآن میں وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۱ کیوں آیا ہے۔ یہ انہوں نے شوشہ چھوڑا ہے کہ روح اللہ کا کیا معنی ہے اور کلمۃ اللہ کا کیا معنی ہے یہ آیت متشابہات میں ہے حقیقت تو رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت مریم علیہ السلام کو پھونک ماری اندر روح پڑ گئی اس سے ان کا خدا ہونا تو ثابت نہیں ہوتا نہ یہ ابن اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ مگر انہوں نے شوشہ چھوڑ دیا کیونکہ دنیا میں خاموش کوئی نہیں رہتا۔ لوگوں نے ایک قصہ بنایا ہوا ہے کہ پدی روڑی پر دھاگوں میں پھنس گئی اڑتی ہے پھڑ پھڑ کر کے بیٹھ جاتی ہے کوے نے دیکھا کہ خالہ پھنسی ہوئی ہے ہمدردی کیلئے قریب آیا اور پوچھا خالہ کیا بات ہے۔ تو پدی نے کہا کہ میں زمین تول رہی ہوں تو پدی نے بھی ہار نہیں مانی خاموش تو پدی بھی نہیں رہی حالانکہ محاورہ ہے کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔

جن دنوں پاکستان بن رہا تھا ان دنوں میں ایک مولوی صاحب نے یہاں گکھڑ میں تقریر کی کہ

اولیاءاللہ ہماری مدد اور مشکل کشائی کرتے ہیں میں نے جمعہ میں اس کی تردید کی کیونکہ باطل کی تردید کرنا فرض کفایہ ہے۔اگر کوئی بھی باطل کی تردید نہ کرے تو سارے مسلمان گنہگار ہوں گے اور اگر ایک نے بھی تردید کردی تو سارے گناہ سے بچ گئے تو میں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پنجاب میں جو ظلم رہا ہے کہ تقریباً دس لاکھ مسلمان شہید ہوئے عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچے ضائع کئے گئے مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی قرآن پاک کو سیڑھی بنا کر گھڑیاں اتاری گئیں کون سا ظلم تھا جو اس وقت نہ ہوا میں نے کہا یہ ولی ان کی مدد کیوں نہیں کرتے اور تو چھوڑو یہ سرہند میں شاہ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ جیسی شخصیت موجود ہے۔اور ان کے علاوہ بے شمار اولیاء اللہ ہیں انھوں نے کیوں نہیں مشکل کشائی کی یہ وقت تھا مشکل کشائی کرنے کا اور کون سا وقت آنا ہے جب وہ امداد اور مشکل کشائی کریں گے میں نے دلائل کے ساتھ تردید کی ایک کتری داڑھی والا آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ بزرگ آج کل حج کرنے کیلئے گئے ہوئے ہیں۔میں نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد حج ہوتا ہی نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ آج کل حج کے دن بھی نہیں ہیں۔کون سا حج کرنے کیلئے گئے ہوئے ہیں اندازہ لگاؤ دنیا میں خاموش کوئی بھی نہیں رہتا تو عیسائیوں کو بھی جب کوئی جواب نہ آیا تو یہ شوشہ چھوڑا رب نہیں تو روح اللہ کا کیا مطلب ہے اور کلمۃ اللہ کا کیا معنٰی ہے یہ کہہ کر بات کو رول گول کر دیا اس کا ذکر ہے۔ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ اس میں بعض آیتیں محکم ہیں اٹل ہیں محکم اس آیت کو کہتے ہیں کہ جس کا مطلب بالکل واضح ہو کہ لغت کے اعتبار سے اور کوئی مفہوم نہ نکل سکے جیسے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔دیکھو لفظ اللہ کا مفہوم بھی واضح ہے

شئ کے معنی میں بھی کوئی تردد نہیں ہے۔ اور قدیر کا مفہوم بھی واضح ہے اسی طرح اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یا سَمِیْعًا بَصِیْرًا ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ہے، اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ہے، کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ ہے یہ تمام آیات محکمات ہیں فرمایا ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ یہ انہیں کتاب کی اصل ہیں وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں جن کے معنی کے متعلق آگے آتا ہے وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا مثلاً اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ہے۔ رب عرش پر مستوی ہے تو استویٰ کا معنی تو ہے بیٹھنا مگر اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کہ میں مصلے پر بیٹھا ہوں تم دریوں پر بیٹھے ہو کوئی پلنگ پر بیٹھتا ہے کوئی کرسی پر بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حقیقت کیا ہے ہم کسی شئ کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے اس لئے کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس کے مثل کوئی شئ نہیں ہے اسی طرح قرآن پاک میں آتا ہے بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کہ ہمارے ہاتھ میں ہتھیلی ہے، پانچ انگلیاں ہیں، ناخن ہیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اس طرح ہیں۔ رُوْحٌ مِّنْہُ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح ہے۔ کَلِمَتُہٗٓ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی طرف القاء کیا تو اس طرح کی آیات پر ہم ایمان لاتے ہیں لیکن حقیقت ہم نہیں جانتے اور نہ ہی حقیقت جاننے کے ہم مکلف ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسی چیزوں کا مکلف نہیں بنایا بس ہمیں حکم ہے کہ مانو اور تسلیم کرو ہم مانتے ہیں کہ وہ عرش پر مستوی ہے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو اور وہ کتنا ساتھ ہے فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (سورۃ الواقعہ آیت نمبر ۸۵)

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ وَاُولٰٓـئِکَ هُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَهَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَةٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰی کَافِرَةٌ یَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَیۡهِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۱۳﴾

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ، ہرگز نہیں کام آئیں گے ان کو۔ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ، ان کے مال اور نہ ان کی اولاد مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بھی۔ وَاُولٰٓـئِکَ هُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ☆ اور یہی لوگ ہیں دوزخ کا ایندھن۔ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ، ان کی عادت ہے جیسے عادت تھی فرعونیوں کی۔ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ، اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے۔ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا، انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ، پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے۔ بِذُنُوۡبِهِمۡ، ان کے گناہوں کی وجہ سے۔ وَاللّٰهُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ☆ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کہہ دیں ان لوگوں کو۔ کَفَرُوْا، جو کافر ہیں۔ سَتُغْلَبُوْنَ، عنقریب تم شکست کھاؤ گے۔ وَ تُحْشَرُوْنَ، اور تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اِلٰی جَهَنَّمَ، جہنم کی طرف۔ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ☆ اور بہت برا ٹھکانہ ہے۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ، تحقیق ہے تمہارے لئے۔ اٰیَةٌ، نشانی۔ فِیْ فِئَتَیْنِ، دو گروہوں میں۔ الْتَقَتَا، جن دو گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، ایک گروہ لڑ رہا تھا اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ وَاُخْرٰی كَافِرَةٌ، اور دوسرا گروہ کافروں کا ہے۔ یَرَوْنَهُمْ، وہ کافر دیکھتے ہیں اپنے آپ کو۔ مِّثْلَیْهِمْ، ان سے دوگنا۔ رَاْیَ الْعَیْنِ، آنکھ کے ساتھ دیکھنا۔ وَ اللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ، اور اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے۔ مَنْ یَّشَآءُ، جس کی چاہتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ، بے شک اس میں لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ O البتہ عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لئے۔ پہلی دو آیتوں میں یہود کی ضد کا بیان ہے۔ اور تیسری آیت میں غزوۂ بدر کا مختصر سا بیان ہے۔ یاد رکھنا یہودی ذہین بھی بڑے ہیں اور ضدی بھی بڑے ہیں۔ من حیث القوم جتنی ضد ان میں ہے۔ وہ اور کسی قوم میں نہیں ہے۔ مدینہ طیبہ میں یہود کے تین خاندان آباد تھے۔ بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع۔ اور مدینہ طیبہ کی تمام منڈیوں پر ان کا قبضہ تھا۔ یعنی تجارت ان کے ہاتھ میں تھی اور علم میں بھی ماہر تھے۔ اور افرادی قوت بھی ان کو حاصل تھی، اور ظاہر بات ہے کہ جس قوم کے پاس تجارت ہو۔ علم ہو، اور افرادی قوت بھی ہو تو اس قوم کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں یہودِ مدینہ طیبہ کو حاصل تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ خاصے بگڑے ہوئے تھے۔ اور ان کا اتنا اثر و رسوخ تھا کہ اوس اور خزرج جو کافروں کے خاندان تھے۔ وہ اپنی لڑکی اور لڑکے کی شادی ان کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ ان کا مذہب اور تھا اور ان کا مذہب اور تھا۔ مثلاً اوس اور خزرج کے خاندان میں سے کسی نے

اگر اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کرنی ہوتی تھی تو اس کے محلے میں جو یہودی رئیس ہوتا تھا۔ اس سے مشورہ کرتا کہ فلاں جگہ پر میں اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ اگر وہ کہہ دیتا کہ ٹھیک ہے تو شادی کر دیتا۔ اور اگر وہ قیل وقال کرتا تو وہاں شادی کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اوس اور خزرج کے کسی آدمی نے اگر کسی اہم سفر پر بھی جانا ہوتا تھا۔ تو اجازت لے کر اور اطلاع دے کر جاتا تھا۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ یہود کا مدینہ طیبہ میں کتنا اثر ورسوخ تھا۔ رہا یہ سوال کہ یہود مدینہ طیبہ میں کس طرح آئے۔ اور یہاں آ کر آباد ہوئے۔ تو ان کے مدینہ طیبہ آنے کا سبب ایک خط تھا جو ان کے بڑوں نے پڑھا تھا۔ اس خط کی حقیقت اس طرح ہے کہ تُبَّہ اسد رحمہ اللہ بن ملیک یمن کے بادشاہوں میں سے ایک بڑا نیک اور پارسا بادشاہ تھا۔ ابو کرب اس کی کنیت تھی اور حِمیَرْ قبیلے کے ساتھ تعلق تھا۔ اور یہ وہی تُبَّہ ہے جس کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نوسو سال پہلے گزرا ہے۔ اس کو علم تھا کہ خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائیں گے۔ اور آپ کی مہمانی کا شرف اہلِ مدینہ کو حاصل ہوگا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بڑا عقیدت مندانہ خط لکھا کہ اے خاتم النبین و رسول ربّ العالمین! اگر تم میری زندگی میں آجاؤ تو میں تمہاری خدمت کروں گا اور تمہارے پاؤں دھوؤں گا۔ اور اگر تم بعد میں آؤ تو میں مرنے سے پہلے تمہارا کلمہ پڑھتا ہوں۔ اس نے یہ خط لکھ کر اس خاندان کے حوالے کیا۔ کہ تم نے یہ خط حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و خاتم النبین کو دینا ہے۔ چنانچہ وہ خط حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان میں منتقل ہوتا چلا آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری

رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا۔تو یہود کے اباء واجداد تجارت وغیرہ کے سلسلہ میں مدینہ طیبہ آئے تھے۔اورانہوں نے یہ خط سنا تھا۔تو جلدی کے ساتھ مدینہ طیبہ آ گئے کہ ہمیں محمد رسول اللہ کی خدمت کا موقع ملے۔اس طرح یہود کے بڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چار سو سال پہلے مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔تا کہ ہمیں ان کی خدمت کا موقعہ ملے یہودیوں کے وڈیرے تو اس نظریہ اور عقیدے کے تھے۔مگر جب نئی نسل چلی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر بھی دیا۔اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے بھی درپے ہوئے۔اور یہ سب کچھ انہوں نے ضد میں آکر کیا۔اور ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔بہرحال مدینہ طیبہ میں یہودیوں کو دوسرے لوگوں پر غلبہ حاصل تھا۔اوران کی مرضی کے بغیر وہ لوگ اپنی اولاد کی شادی تک نہیں کر سکتے تھے۔اور بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے سروسامانی کی حالت میں کامیابی عطا فرمائی۔جس کا ذکر اگلی آیتِ کریمہ میں آرہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے جب واپس تشریف لائے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے تینوں خاندانوں بنونضیر،بنوقریظہ،بنوقینقاع کے سرداروں کے سامنے توحید بیان فرمائی۔قرآنِ پاک کی صداقت کا ذکر کیا۔اور نبوت اور رسالت کو بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا اور قیامت کا بھی ذکر فرمایا۔اوران کو اسلام کی دعوت دی۔ایک شرارتی یہودی کعب بن اشرف ان کا پادری تھا۔کہنے لگا،اے محمد!(صلی اللہ علیہ وسلم)تم نے ناتجربہ کار جاہلوں کے ساتھ لڑائی کر کے فتح حاصل کی ہے۔اوراب تم اتنے دلیر ہوگئے ہو کہ ہمیں قابو کرنا چاہتے ہو۔انہیں کیا پتہ تھا کہ لڑائی کیا چیز ہوتی ہے؟جب ہمارے ساتھ ٹکراؤ گے تو پتا چل جائے گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں کوئی لڑائی کی دھمکی تو نہیں دی۔

میں نے صرف یہ کہا ہے کہ تم پڑھے لکھے لوگ ہو اسلام قبول کرلو۔ توراۃ تمہارے پاس موجود ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ میری علامتوں کا بیان ہے جو تم پڑھتے ہو۔ یہودیوں کا یہ کردار قابلِ تعجب ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دشمنوں پر فتح یابی کے لئے دعا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآنِ پاک کے پہلے پارے میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا" اور وہ تھے اس سے پہلے فتح کے لئے توسل حاصل کرتے ان لوگوں کے خلاف جو کافر ہیں۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ ۔ پس جب آئی ان کے پاس وہ ذات یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کر گئے۔ اور اس چیز کا ذکر تفسیروں میں بھی موجود ہے اور تاریخ میں بھی۔ اور قرآنِ کریم کے دوسرے پارے میں آتا ہے "يَعْرِفُونَهٗ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَهُمْ" یہ بنی اسرائیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ لیکن ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ تو کہنے لگے کہ مال ہمارے پاس زیادہ ہے۔ افرادی قوت ہمارے پاس زیادہ ہے۔ مدینہ طیبہ شہر اور باہر دیہات میں مضبوط قلعے ہمارے پاس ہیں۔ پھر تم ہمیں خفیہ انداز سے دھمکیاں دیتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ اسلام قبول کرلو۔ جب ہمارے ساتھ ٹکراؤ گے تو پتہ چل جائے گا۔ اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا (اور یاد رکھنا کہ كَفَرُوْا سے ساری دنیا کے کافر مراد ہیں اگرچہ شانِ نزول مدینہ طیبہ کے یہودِ بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع ہیں۔ لیکن حکم شانِ نزول میں بند نہیں ہوتا)۔ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ☆ ہرگز

نہیں کام آئیں گے ان کے مال اور نہ اولاد ان کی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ان کو کوئی شئی نہیں بچا سکے گی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب یہود کے ساتھ اہلِ حق کی لڑائی ہوئی ۔ تو بنو نضیر اور بنو قینقاع نے کہا، ہمیں نہ مارو ہم جلا وطن ہونے کے لئے تیار ہیں ۔ تو یہ دھمکیاں دینے والے اپنی زمین، مکانات اور جائیدادیں چھوڑ کر خیبر بھاگ گئے ۔ البتہ بنو قریظہ نے ٹکر لی ۔ مگر بالآخر انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ۔ نوجوان مارے گئے ۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا ۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح ہوا ۔ کہ تم اپنے مال اور اپنی اولاد پر گھمنڈ نہ کرو ۔ یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکیں گی ۔ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ☆ اور یہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں ۔ یعنی یہ جتنے بھی ہیں سارے کے سارے دوزخ کی آگ کا ایندھن بنیں گے ۔ اور سب دوزخ کی آگ میں جلیں گے ۔ فرمایا ان لوگوں کی عادت ایسے ہی ہے ۔ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ، جیسے عادت تھی فرعونیوں کی ۔ کہ انہوں نے بھی ضد کی اور حق کے ساتھ ٹکر لی ۔ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ، اور ان لوگوں کی عادت کی طرح ہے، جو ان سے پہلے تھے ۔ اور ان کی عادت یہ تھی ۔ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ، کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں اور نشانیوں کو ۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ، پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ۔ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ حکومت بچا سکی، نہ فوجیں نہ مال، جس وقت بحرِ قلزم میں غوطے کھائے تو کہنے لگا ۔ "اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ" میں اس رب پر ایمان لایا جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا رب ہے ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے دریا کا جو نیچے حصے کا کالا گارا ہوتا ہے ۔ اس کے گلے میں ٹھونسا کہ یہ بڑا واویلا کر رہا ہے، کہیں اس پر اللہ تعالیٰ کو ترس نہ آ جائے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

"آلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ" اب ایمان لاتا ہے اور تحقیق تو انکار کر چکا ہے۔ اس سے پہلے یعنی جب تجھے ہوش تھی اس وقت تو تو ایمان کے قریب نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً" پس آج ہم تجھے باہر پھینک دیں گے۔ تاکہ تو پچھلوں کے لئے نشانی بن جائے۔ لوگ تجھے دیکھیں اور کہیں کہ یہ ہے جو کہتا تھا۔ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى". میں ہوں تمہارا بڑا رب۔ اور آج مشکیزہ بنا پڑا ہے۔ اور پانی منہ سے ناک سے بہہ رہا ہے۔ اور رب جانے کہاں کہاں سے بہہ رہا ہے۔ فرعون کو آج تک دفن نہیں کیا گیا۔ مصر میں محفوظ ہے۔ کبھی کبھی انسان دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ کہ یہ اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا۔ وَاللهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ان کافروں کو جو یہودی ہیں، جنہوں نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ ہمارے ساتھ ٹکراؤ گے تو پتہ چل جائے گا۔ سَتُغْلَبُوْنَ، عنقریب تم شکست کھاؤ گے۔ اور یہ دنیا کی سزا ہو گی۔ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ، اور مرنے کے بعد تم اکٹھے کئے جاؤ گے جہنم کی طرف۔ چنانچہ آٹھ نو سال بعد تمام یہود نے شکست کھائی۔ اور ذلیل وخوار ہوئے۔ جن کے بارے میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ مدینہ طیبہ سے نکلیں گے۔ ان میں سے کئی مارے گے اور دوسرے جلاوطن ہو گئے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا۔ وَبِئْسَ الْمِهَادُ، اور دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمام مومنین اور مومنات کو تمام مسلمین اور مسلمات کو دوزخ سے بچائے۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ، تحقیق ہے تمہارے لئے نشانی فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا، دو گروہوں میں جن دو گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، ایک گروہ لڑ رہا تھا اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ، اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔

اس آیتِ کریمہ میں واقعہ بدر کا ذکر ہے۔اور بدر مدینہ طیبہ سے اسی ۸۰/ میل دور ایک مقام کا نام تھا۔ بدر نامی ایک شخص نے اس جگہ ایک کنواں کھودا تھا۔ تو اس کنویں کا نام بدر پڑ گیا۔ پھر اس علاقے کا نام بدر ہو گیا۔قرآنِ کریم کے چوتھے پارے میں ذکر ہے۔ "وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ" اور تحقیق ربِ تعالیٰ نے تمہیں بدر کے مقام میں کامیابی عطا فرمائی۔اور حالانکہ تم کمزور تھے۔اس مقام پر مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرا ۳۱۳/ تھی۔ستتر ۷۷/ مہاجرین اور دو سو چھتیس ۲۳۶/ انصار تھے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیادت فرما رہے تھے۔ان کے پاس سامان دو گھوڑے کہ ایک مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ایک مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ستر ۷۰/ اونٹ چھ ۶/ زریں اور آٹھ ۸/ تلواریں تھیں۔یعنی تین سو تیرہ کے پاس تلواریں بھی مکمل نہ تھیں۔اور جس وقت یہ مدینہ طیبہ سے چلے تھے، دسویں پارے میں آتا ہے کہ یہود ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ایک دوسرے کو اشارے کر کے کہتے تھے کہ دیکھ لو بھائی یہ پہلوان بہادر، یہ جوان، قریش کے ساتھ لڑنے جا رہے ہیں۔ان کے سر کاٹیں گے اور قیدی بنا کے لائیں گے۔ربِ تعالیٰ کی قدرت کہ اس نے ان کے مذاق کو حقیقت بنا دیا۔جب جنگ ہوئی ستر ۷۰/ کافر مارے گئے، ستر ۷۰/ قیدی بنا لئے گئے۔باقیوں کو بھاگتے ہوئے راستہ نہ ملا۔اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ آدمی شہید ہوئے۔چھ ۶/ مہاجرین میں سے اور آٹھ ۸/ انصار میں سے۔اور ان کی قبریں آج بھی اس مقام پر زیارت گاہ بنی ہوئی ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مذاق اڑانے والے حیران رہ گئے۔کہ ہم کیا کہتے تھے اور یہ کیا ہو گیا ہے۔تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳/ تھی۔اور مقابلے میں ایک ہزار کا لشکر تھا۔اور ہر طرح

کے کیل کانٹے سے لیس تھا۔ اور ابوجہل ان کی قیادت کررہا تھا۔ یہ غزوہ ہجرت کے دوسرے سال سترہ/۱۷ رمضان المبارک جمعہ کے دن پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ساتھی مسافر تھے۔ اس واسطے جمعہ ان پر فرض نہ تھا۔ اور ویسے بھی بدر کوئی شہر تو تھا نہیں کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی ہوتی۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اور عاجزی اور زاری کے ساتھ دعائیں کیں۔ اے پروردگار! یہ بھوکے ہیں تو نے ان کو سیر کرنا ہے۔ یہ پیاسے ہیں تو نے ان کو پانی پلانا ہے۔ یہ بے سہارا ہیں ان کا سہارا تو ہے۔ یہ بے ہتھیار ہیں، ان کا ہتھیار تیری مدد ہے۔ اے میرے پروردگار یہ میری پندرہ سال کی کمائی ہے۔ اگر یہ ختم ہوگئے تو خالص تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں پڑے ہیں اور رورہے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خیمہ سے باہر تھے۔ انہوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور زاری دیکھی، خیمے میں تشریف لائے۔ کہنے لگے حضرت بس کرو۔ لَقَدْ اَلْحَحْتَ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی عاجزی اور زاری کی ہے۔ رب تعالیٰ ضرور تمہاری دعائیں سنے گا۔ صبح جس وقت لڑائی ہوئی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تین سو تیرہ/۳۱۳ نہتوں نے ایک ہزار کو شکست دی۔ ہزار تلوار اور آٹھ تلواروں کا کوئی تقابل نہیں تھا۔ اور پھر ان تین سو تیرہ میں اکثر ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے۔ اور دھوپ میں سر اور پاؤں جل رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے یہودِ مدینہ کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔ یَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ، وہ کافر دیکھتے ہیں اپنے آپ کو ان سے دوگنا کھلی آنکھ کے ساتھ۔ اور بڑے خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم زیادہ ہیں، اور تھے تو وہ دوگنا سے بھی زیادہ، لیکن۔ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ

یَّشَآءُ ،اور اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے۔جس طرح یہاں مسلمانوں کی تائید فرمائی۔کہ آٹھ تلواروں کو ہزار تلواروں پر کامیابی نصیب فرمائی۔اور تین سو تیرہ کو ہزار پر غلبہ عطا فرمایا۔اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ☆ بے شک اس میں البتہ عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو آنکھیں کھول کر حقیقت کو دیکھنا چاہتے ہیں۔اور اگر آنکھیں بند کر لیں تو دنیا میں اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

زُيِّنَ مزین کی گئی۔ لِلنَّاسِ لوگوں کے لئے۔ حُبُّ الشَّهَوٰتِ، خواہشات کی محبت۔ مِنَ النِّسَآءِ، عورتوں کی خواہش۔ وَ الْبَنِيْنَ، اور بیٹوں کی خواہش۔ وَ الْقَنَاطِيْرِ، اور مال کی خواہش۔ الْمُقَنْطَرَةِ، جو بہت ہو۔ مِنَ الذَّهَبِ، سونے سے۔ وَ الْفِضَّةِ، اور چاندی سے۔ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ، اور نشان لگائے ہوئے گھوڑوں سے۔ وَ الْاَنْعَامِ، اور مال مویشی سے۔ وَ الْحَرْثِ، اور

النصف

کھیتی ہے۔ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا، یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے۔ وَاللہُ عِنْدَہٗ، اور اللہ تعالیٰ کے پاس۔ حُسْنُ الْمَاٰبِ☆ اچھا ٹھکانہ ہے۔ قُلْ، ان کو کہہ دو۔ اَؤُنَبِّئُکُمْ، کیا میں تمہیں خبر دوں۔ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ، اس سے بہتر چیز کی۔ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا، ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں۔ عِنْدَ رَبِّھِمْ، ان کے رب کے ہاں۔ جَنّٰتٌ، باغات ہیں۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ، جاری ہیں ان باغوں کے نیچے نہریں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا، ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ وَاَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ، اور جوڑے ہوں گے پاکیزہ۔ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللہِ، اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی۔ وَاللہُ بَصِیْرٌ م بِالْعِبَادِ☆ اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے بندوں کو۔ اَلَّذِیْنَ، اللہ کے بندے وہ ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ، جو کہتے ہیں۔ رَبَّنَآ، اے رب ہمارے۔ اِنَّنَآ اٰمَنَّا، بے شک ہم ایمان لائے۔ فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا پس تو بخش دے ہم کو ہمارے گناہ۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ☆، اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ اَلصّٰبِرِیْنَ، صبر کرنے والے ہیں تکلیفوں میں۔ وَالصّٰدِقِیْنَ، اور سچے ہیں۔ وَالْقٰنِتِیْنَ، اور اطاعت کرنے والے ہیں۔ وَالْمُنْفِقِیْنَ، اور خرچ کرنے والے ہیں۔ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ☆، اور معافی مانگنے والے ہیں اللہ تعالیٰ سے سحر کے وقت۔ شَھِدَ اللہُ، اللہ تعالیٰ نے گواہی دی۔ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، بے شک نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی۔ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ، اور فرشتوں نے بھی گواہی دی ہے۔ وَاُولُوا الْعِلْمِ، اور علم والے بھی۔ قَآئِمًا م بِالْقِسْطِ، قائم ہوتے ہوئے انصاف پر۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ نہیں کوئی الٰہ مگر وہی۔ الْعَزِیْزُ، غالب ہے۔ الْحَکِیْمُ☆ حکمت والا ہے۔

اس رکوع کے پہلے حصے میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے یہودیوں نے کہا تھا کہ ہمارے پاس مال اور اولاد کافی ہے۔ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ہم حق پر ہیں اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو ہمیں اتنا مال اور اولاد نہ ملتی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ

چیزیں عارضی ہیں اور دنیا میں فائدہ اٹھانے کا سامان ہیں یہ حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ جو ان چیزوں سے محبت میں تجاوز کرتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا "زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ" مزین کی گئی لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں طبعی طور پر ان چیزوں کی محبت ڈال دی ہے۔ جو خواہشات لوگوں کے دلوں میں ہیں۔ اور جو خواہشات ہیں آگے ان کا ذکر ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ، عورتوں کی خواہش ہے۔ یعنی عورتوں کی محبت انسانوں کے دلوں میں مزین کر دی گئی ہے۔ مردوں کو عورتوں کی خواہش ہے۔ وَالْبَنِيْنَ، اور بیٹوں کی خواہش لوگوں کے دلوں میں مزین کر دی گئی ہے۔ ہر زمانے میں لوگ اس بات کو پسند کرتے آئے ہیں کہ ہمیں لڑکا ملے لڑکی نہ ملے۔ یہ ایک خواہش ہے، وگرنہ ہوتا وہی ہے جو رب چاہے۔ کہ کسی کو لڑکا دے یا لڑکی دے۔ یا لڑکا اور لڑکی ملا کر دے۔ یا کچھ بھی نہ دے بانجھ کر دے۔ مگر طبعی طور پر خواہش تو ہے نا! وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ۔ اور زیادہ مال کی محبت انسانوں کے دلوں میں پکی کر دی گئی ہے۔ قَنَاطِيْرُ، قِنْطَارٌ کی جمع ہے۔ اور قِنْطَار کے معنیٰ ہیں اَلْمَالُ الْكَثِيْر زیادہ مال۔ مُقَنْطَرَة، کا معنیٰ ہے ڈھیر لگایا ہوا۔ اس زمانے میں سونے چاندی کا سکہ ہوتا تھا۔ کاغذ کے نوٹ نہیں ہوتے تھے۔ آج کل تو سارا نظام نوٹوں کے ذریعے چلتا ہے۔ مگر اس زمانے میں سونے چاندی کے سکوں کے ذریعہ نظام چلتا تھا۔ اور بنک بھی نہیں ہوتے تھے۔ گھروں میں ہی مال کے اوپر نیچے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔ اور گھروں میں ہی بوریوں برتنوں کے ذریعے یا جس جگہ مناسب سمجھتے تھے محفوظ کر لیتے تھے۔ اسی طرح وہ ڈھیر مال کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ آگے اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ فرمایا! مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ وہ بہت سارا مال سونے اور چاندی سے ہے۔ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ، اور نشان لگائے

ہوئے گھوڑوں سے۔ مسوَّمہ کا ایک معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ جو گھوڑے اصیل نسل کے ہوتے تھے۔ ان کے منہ پر یا پیٹھ پر نشان لگاتے تھے۔ تاکہ پتہ چلے کے یہ اصیل ہے۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ خوبصورت گھوڑا جس کے اعضاء بالکل صحیح سالم ہوں۔ اور دیکھنے میں حسین نظر آئے۔ چونکہ اس زمانے میں گھوڑے پر سواری کی جاتی تھی۔ اور گھوڑوں کے ذریعے جنگ لڑی جاتی تھی۔ اس واسطے ان کی اہمیت تھی۔ وَالْاَنْعَامِ، اور مال مویشی کی محبت کے بارے میں قرآن پاک میں ایک مستقل سورت ہے۔ جس کا نام اَنْعَامْ ہے۔ ساتویں پارے سے شروع ہوتی ہے اور آٹھویں پارے میں ختم ہوتی ہے۔ اس میں انعام بیان فرمائے ہیں کہ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ۔ ان کی محبت بھی انسانوں کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے۔ وَالْحَرْثِ، اور کھیتی کی محبت۔ جس زمانے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے وہ زمانہ صنعت اور کارخانوں کا زمانہ نہ تھا۔ ان لوگوں کے لئے یہی مال ہوتے تھے جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ یعنی یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مگر اصل مقصود تو آخرت کی زندگی ہے۔ اگر ان چیزوں کی محبت میں آخرت سے غافل ہو گیا تو سخت خسارے کا سودا کیا۔ ہاں اگر کوئی مسلمان ہے۔ اور ان کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ اور شریعت کے مطابق خرچ کرتا ہے تو پھر یہ مال بہت اچھا ہے۔ کوئی عیب کی بات نہیں۔ اگر مطلقاً مال معیوب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو عطاء نہ فرماتا۔ حالانکہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس تین ہزار اونٹ، پانچ سو جوڑی بیلوں کی یعنی ایک ہزار بیل اور بڑا وسیع رقبہ تھا جس میں کاشت کاری کرتے تھے۔ اور بہت بڑی چراگاہ تھی۔ جس میں

جانور چرتے تھے۔ اور لوگوں کے وفدوں کے وفد آتے تھے۔ ان کے لئے الگ مہمان خانہ تھا۔ جہاں ان کی عزت کی جاتی ہے۔ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام ان کو دین سکھاتے اور مسائل بیان کرتے تھے۔ اتنی وافر دولت رب تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی۔ حالانکہ وہ خدا کے پیغمبر تھے۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور خلیفۃ اللہ فی الارض تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت کچھ عطاء فرمایا تھا۔ مگر وہ سب ان کے ہاتھ کی کمائی تھی۔ تلواریں اور زرہ بناتے تھے۔ خود تیار کرتے تھے۔ اور اسی کمائی سے وہ اپنا نظام چلاتے تھے۔ انہوں نے جتنا عرصہ بھی بادشاہی کی ہے۔ قوم اور پبلک کی رقم استعمال نہیں فرمائی۔ اور یہی حال حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا۔ اس واسطے اگر کسی کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر ہو زمین ہو مال مویشی ہوں۔ تو کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ بشرطیکہ جائز طریقے سے حاصل کئے ہوں اور جائز طریقہ سے خرچ کرتا ہو۔ تو رب تعالیٰ کی نعمت ہے۔ مگر یہ سب چیزیں دنیا کا فائدہ ہیں کوئی کتنی دیر زندہ رہے گا۔ اور کتنا کھا پی لے گا۔ اور پہن لے گا۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ☆ اور اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔ یعنی آخرت کی چیزیں ان چیزوں سے بہت اچھی ہیں۔ لہٰذا دنیا کی چیزوں پر اعتماد نہ کرو، اعتماد صرف رب تعالیٰ کی ذات پر کرو۔ قُلْ، ان کو کہہ دو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اَؤُنَبِّئُكُمْ، کیا میں تمہیں خبر دوں۔ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ، اس سے بہتر چیز کی۔ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ مگر وہ اچھی چیز کن لوگوں کے لئے ہے۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا، ان لوگوں کے لئے ہے جو رب سے ڈرتے ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ، ان کے رب کے ہاں ان کو ملے گی۔ وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا! جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، باغات ہیں جاری ہیں ان باغوں کے نیچے نہریں۔ آخرت کے باغات اور میوے دنیا کے باغات اور میوؤں کی

طرح نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے میوے فصلی اور موسمی ہیں۔ موسم میں آتے ہیں جب موسم ختم ہو جاتا ہے۔ تو میوہ اور پھل بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کے میوؤں میں یہ خاصیت رکھی ہے۔ کہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے۔ لَامَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ وہ میوے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جہاں سے تم نے دانہ توڑا دیکھتے ہی دیکھتے اور لگ جائے گا۔ اور نہ وہاں کوئی کسی کو روکے گا۔ اس واسطے کے جنت میں باغات ہی باغات ہوں گے۔ اور وہ بھی سدا بہار اپنے باغات سے کھائے یا جس جگہ سیر و سیاحت کے لئے جائے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اور جنت کی نہریں دنیا کی نہروں کی طرح نہیں ہوں گی۔ کہ زمین میں گہرائی ہو اور اس میں پانی چلے، جنت کی نہریں زمین کی سطح سے اوپر ہوں گی، اور کناروں پر موتیوں کے بند ہوں گے۔ بڑی صاف ستھری نہریں ہوں گی۔ دودھ کی نہر، شہد کی نہر، اور شرابِ طہور کی نہر، صاف پانی کی نہر۔ اور بڑا کچھ ہوگا۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا، ہمیشہ انہیں باغات میں رہیں گے۔ وہاں سے نکالے جانے کا کوئی کھٹکا نہیں ہوگا۔ وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ، اور جوڑے ہوں گے پاکیزہ۔ مردوں کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی اور عورتوں کو پاکیزہ خاوند ملیں گے۔ پاکیزہ ہوں گے اخلاق کے لحاظ سے بھی اور ظاہری لحاظ سے بھی۔ نہ وہاں پیشاب نہ پاخانہ، نہ نزلہ، نہ زکام، نہ ناک سے بلغم نہ گلے سے بلغم۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ لَايَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ۔ نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ کریں گے۔ وَلَايَتَمَخَّطُوْنَ، نہ ناک سے بلغم نکلے گی، نہ گلے سے بلغم نکلے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت جنتی کچھ کھائیں پئیں گے بھی؟ فرمایا ایک جنتی سو آدمیوں کے برابر کھائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بدن سے پسینہ نکلے گا۔ جس کی خوشبو کستوری کی

طرح ہوگی۔ اور اس پسینے کے ذریعے سب کھانا ہضم ہو جائے گا۔ اور فرمایا جنتیوں کو ڈکار آئے گا اور اس کی بھی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ اس سے آناً فاناً کھانا ہضم ہو جائے گا۔ اور ایک دوسرے کے بارے میں ذہن شیشے کی طرح صاف ہوں گے۔ کسی کو کسی کے ساتھ کوئی بغض، کینہ، عداوت نہ ہوگی۔ وہاں انتقام کا جذبہ بالکل نہ ہوگا۔

بہشت آں جا است کہ ازارے نہ باشد

کسے را بکسے کارے نہ باشد

بہشت اس جگہ کا نام ہے جہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ کسی کو کسی کے ساتھ کوئی کام نہ ہوگا۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ، اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں پر ہر وقت راضی رہے گا۔ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ م بِالْعِبَادِ ☆ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اپنے بندوں کو۔ اللہ تعالیٰ کے بندے کون ہیں، اور ان کی خوبیاں کیا ہیں؟ آگے اس کا بیان ہے فرمایا! اَلَّذِيْنَ، اللہ کے بندے وہ ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ، جو کہتے ہیں۔ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا، اے رب ہمارے بے شک ہم ایمان لائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی پہلی خوبی یہ ہے کہ وہ ایمان لاتے ہیں جن جن چیزوں پر ایمان لانا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا، پس تو بخش دے ہم کو ہمارے گناہ۔ کیونکہ ہم خطا کار ہیں گناہ گار ہیں۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا اور ان کی خوبیاں ہیں۔ اَلصّٰبِرِيْنَ۔ وہ صبر کرنے والے ہیں۔ یعنی اگر تکلیفیں پیش آتی ہیں تو صبر سے کام لیتے ہیں۔ شرعی دائرے میں رہ کر بیماری کا علاج کرانا بھی صحیح ہے۔ دشمن کا دفاع کرنا بھی صحیح ہے۔ مگر بے صبری اور بے قراری نہ ہو۔ رب تعالیٰ کی ذات پر اعتماد ہو۔ اَلصّٰدِقِيْنَ، سچ بولنے والے ہیں۔ مومن کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا، یَطْبَعُ الْمَرْءُ مَعَ کُلِّ خَصْلَۃٍ اِلَّا الْکِذْبَ وَ الْخِیَانَۃَ یعنی ہوسکتا ہے کہ مومن میں کچھ عیب بھی ہوں۔ مگر جھوٹ اور خیانت یہ مومن میں نہیں آسکتیں۔ جھوٹ آئے گا ایمان چلا جائے گا۔ خیانت آئے گی ایمان چلا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضرت یہ ارشاد فرماؤ کہ مومن بزدل بھی ہوتا ہے؟ فرمایا! ہاں کمزور قسم کا ایمان ہو تو اس کے ساتھ بزدلی بھی آسکتی ہے۔ حضرت یہ فرماؤ کہ مومن بخیل بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں! کمزور ایمان کے ساتھ بخل بھی اکٹھا ہوسکتا ہے۔ عرض کیا حضرت یہ فرماؤ کہ مومن جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ، ہرگز نہیں اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ایمان اور جھوٹ اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ جھوٹ کا مفہوم کیا ہے؟ تو یاد رکھنا ہر وہ بات جو واقع کے خلاف ہو وہ جھوٹ ہے۔ تو مومنوں کی صفت ہے کہ وہ سچ بولتے ہیں۔ وَالْقٰنِتِیْنَ ، اور اطاعت کرنے والے ہیں۔ اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور جائز کاموں میں والدین کی اطاعت ، خاوند کی اطاعت، ہر بڑے کی اطاعت، غرض کہ جن جن کاموں میں اطاعت کرنی ہے۔ قٰنِتِیْنَ سب کو شامل ہے۔ وَالْمُنْفِقِیْنَ ، اور اپنے مال خرچ کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں عشر نکالتے ہیں۔ فطرانہ ادا کرتے ہیں۔ اور قربانی بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی غریبوں مسکینوں اور محتاجوں کی امداد کرتے ہیں۔ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ☆ ، اور معافی مانگنے والے ہیں اللہ تعالیٰ سے سحر کے وقت۔ یہ بات یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر ایک کی سنتا ہے۔ وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ مگر بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں دعا زیادہ اثر رکھتی ہے۔ جیسے سحری کا وقت کہ رات کا جب تیسرا حصہ رہ جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ؟ کہ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا؟ کہ میں اس کو بخش دوں۔ هَلْ مِن مُسْتَرْزِقٍ اَرْزُقُهُ؟ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اس کو رزق دوں؟ هَلْ مِنْ كَذَا؟ هَلْ مِنْ كَذَا؟ تو سحری کے وقت دعا اور استغفار زیادہ اثر رکھنے والے ہیں۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی۔ کوئی معبود نہیں ہے، کوئی مشکل کشا نہیں ہے۔ کوئی دستگیر نہیں ہے۔ کوئی فریادرس نہیں ہے۔ کوئی حاجت روا نہیں ہے۔ کوئی خالق، کوئی مالک نہیں ہے۔ کوئی رازق نہیں ہے۔ کوئی مُقَنِّن قانون بنانے والا نہیں ہے۔ کوئی نذر و نیاز کے لائق نہیں ہے۔ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وَاُولُوا الْعِلْمِ، اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں۔ علم والوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہم السلام ہیں۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر تابعین اور پھر تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں پھر آئمۂ دین فقہائے کرام، اور محدثینِ عظام ہیں۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) یہ سب گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سواء عبادت کے لائق اور کوئی نہیں۔ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ، یہ سب عدل و انصاف پر قائم ہیں۔ اور ان کی یہ شہادت بالکل حق ہے۔ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، نہیں کوئی الٰہ مگر وہی۔ الْعَزِيْزُ، غالب ذات ہے۔ الْحَكِيْمُ ☆ حکمت والی ذات ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْأُمِّيّٖنَ ءَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِنْ نٰصِرِينَ ﴿۲۲﴾

ع ۲ / ۱۰

اِنَّ الدِّیْنَ ، بے شک پسندیدہ دین ۔ عِنْدَ اللّٰہِ ، اللہ تعالیٰ کے ہاں ۔ الْاِسْلَامُ ، اسلام ہے ۔ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ ، اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے ۔ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ، جن کو کتاب دی گئی ۔ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ ھُمُ الْعِلْمُ ، مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آ چکا ۔ بَغْیًا بَیْنَھُمْ ، سرکشی کرتے ہوئے آپس میں ۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ ، اور جو شخص انکار کرے گا ۔ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ، اللہ تعالیٰ کی آیات کا ۔ فَاِنَّ اللّٰہَ ، پس بے شک اللہ تعالیٰ ۔ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○ جلدی حساب لینے والا ہے ۔ فَاِنْ حَآجُّوْکَ ، پس اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں ۔ فَقُلْ ، پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ۔ اَسْلَمْتُ ، میں نے جھکا

دیا۔ وَجْهِيَ ،اپنا چہرہ۔ لِلّٰهِ ،اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ،اورانہوں نے بھی جنہوں نے میری پیروی کی۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ ،اور کہہ دے ان لوگوں کو۔ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ،جن کو کتاب دی گئی۔ وَالْاُمِّيّٖنَ ،اوران پڑھ لوگوں کو بھی کہہ دو۔ ءَ اَسْلَمْتُمْ؟ کیا تم مسلمان ہونا چاہتے ہو؟ فَاِنْ اَسْلَمُوْا ،پس اگر وہ لوگ ایمان لے آئیں۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا ،پس تحقیق انہوں نے ہدایت حاصل کر لی۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا ،اوراگر وہ اعراض کریں۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ،پس پختہ بات ہے کہ تیرے ذمہ بات پہنچانا ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝ اوراللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے بندوں کو۔ اِنَّ الَّذِيْنَ ،بے شک وہ لوگ۔ يَكْفُرُوْنَ ،جوانکار کرتے ہیں۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ،اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ ،اورقتل کرتے ہیں پیغمبروں کو۔ بِغَيْرِ حَقٍّ ،ناحق۔ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ ،اورقتل کرتے ہیں ان لوگوں کو۔ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ ،جوحکم کرتے ہیں انصاف کا۔ مِنَ النَّاسِ ،لوگوں میں سے۔ فَبَشِّرْهُمْ ،پس آپ ان کوخوشخبری سنادیں۔ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ دردناک سزا کی۔ اُولٰٓئِكَ ،وہ لوگ ہیں۔ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ،کہ ضائع ہو چکے ہیں ان کے اعمال۔ فِي الدُّنْيَا ،دنیا میں۔ وَ الْاٰخِرَةِ ،اورآخرت میں۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝ اورنہیں ہوں گے ان کے لئے مددگار۔

مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ کا معنیٰ کرتے ہیں بے شک پسندیدہ اور مقبول دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔ کیونکہ اسی پارے کے آخر میں آیتِ کریمہ آئے گی۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ،اور جوشخص اسلام کے سوال کسی اور دین کوطلب کرے گا۔ پس اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں پسندیدہ اور مقبول ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ بے شک مقبول اور پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔ اور چھٹے پارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ،

ع ٦۔آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔تو اس مکمل کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ترجمہ بھی کرتے ہیں کہ بے شک مکمل دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔ اور اس آیتِ کریمہ میں یہ جملہ بھی ہے۔ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا O اور میں نے پسند کیا تمہارے واسطے اسلام کو دین۔تو اس جملے کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ترجمہ بھی کرتے ہیں۔اِنَّ الدِّيْنَ الْمَرْضِيَّ ۔بے شک پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔تواِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِ سْلَامُ کا مفہوم بنے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین مقبول دین اور کامل اور اکمل دین نجات دینے والا دین اسلام ہے۔اور یہ سب مفہوم صحیح ہیں۔ یہاں ایک ضروری بات سمجھ لیں کہ اسلام کا لغوی معنیٰ ہے فرماں بردار ہونا، سر جھکا دینا۔اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی پیغمبر (علیہم السلام) تشریف لائے ہیں سب کے سب مسلمان تھے۔فرمانبردار تھے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔مگر اصطلاحی طور پر لقب اور علم کے طور پر اس دین کا نام اسلام ہے۔اس کو اس طرح سمجھو کہ لغوی طور پر سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔مگر اصطلاح کے اعتبار سے وہ ہے جس کا نام عبداللہ ہے۔تو اصطلاحی طور پر اب اس دین کا نام اسلام ہے۔اور اب نجات صرف دینِ اسلام میں ہے۔اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمے میں ہے۔کسی اور کے کلمے میں نجات نہیں ہے۔بے شک اپنے اپنے دور میں سارے پیغمبر علیہم السلام برحق تھے۔اور اس وقت ان کا کلمہ حق تھا۔مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا کلمہ تھا، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ آدَمُ صَفِيُّ اللهِ۔حضرت نوح علیہ السلام کا کلمہ تھا، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ نُوحٌ نَجِيُّ اللهِ۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلمہ تھا، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللهِ۔حضرت داؤد علیہ السلام کا کلمہ تھا، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دَاوٗدُ خَلِيْفَةُ اللهِ۔حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ تھا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُوْسیٰ کَلِیْمُ اللہِ ۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ تھا، لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ عِیْسٰی رُوْحُ اللہِ ۔اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو کلمہ ہے، لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ۔اور اب نجات اسی کلمہ میں ہے۔مگر اہلِ کتاب نے اس میں اختلاف کیا۔آگے اللہ تعالیٰ نے ان کے اختلاف کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ وَمَا اخْتَلَفَ الَّـذِیْنَ اُوْتُـوا الْـکِـتٰـبَ اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی ،یعنی تورات انجیل ،زبور وغیرہ۔ اِلَّا مِنْ ۔ بَـعْـدِ مَـا جَـآءَ ھُـمُ الْعِلْمُ ،مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آگیا ،یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام نشانیاں معلوم کرنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔کیوں؟بَـغْـیًـا . بَیْـنَـھُـمْ ،سرکشی کرتے ہوئے آپس میں۔یعنی کم علمی اور غلط فہمی نہ تھی بلکہ دیدہ دانستہ طور پر ایمان نہیں لائے۔اور آخری پیغمبر اور کتاب کے ساتھ اختلاف کیا۔اور اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔کیونکہ غلط فہمی تو دور ہوسکتی ہے۔مگر ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔تو انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا۔وَمَنْ یَّـکْـفُـرْ بِـاٰیٰـتِ اللہِ ،اور جو شخص انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کی آیات کا تو وہ یاد رکھے۔فَاِنَّ اللہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ O ،پس بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔فَاِنْ حَآجُّوْکَ ،پس یہ لوگ اگر آپ سے جھگڑا کریں۔فَقُلْ ،تو آپ کہہ دیں۔اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰـہِ میں نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے۔اب یہ پیشانی کسی اور کے سامنے نہیں جھکے گی۔اور جس طرح میں رب تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں۔وَمَـنِ اتَّـبَـعَـنِ ،اور وہ جو میری پیروی کرنے والے ہیں۔ وہ بھی مسلمان ہیں یعنی انہوں نے بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا تابع بنا لیا ہے۔وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور اس وَمَنِ اتَّبَعَنِ، میں سب سے مقدم حضرت ابو

بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قیامت تک جتنے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ یعنی جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا ہے۔ پڑھے گا، آپ کے دین پر چلتا ہے، یا چلتا رہے گا۔ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں میں داخل ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان بزرگوں جیسا اخلاص بعد میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اصل اصل ہوتی ہے۔ اور نقل، نقل ہوتی ہے۔ مگر بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے قیامت تک رہیں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر ڈٹا رہے گا۔ لَا یَضُرُّھُمْ مَّنْ خَالَفَھُمْ. جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک جماعت (ساری امت نہیں) قیامت تک حق پر ڈٹی رہے گی۔ اور جو صحیح اسلام ہے، اس کی قولی اور عملی طور پر حفاظت کرے گی۔ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی۔ یعنی یہود و نصاریٰ کو۔ کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ میں اکثریت یہودیوں کی تھی۔ تجارت پر ان کا قبضہ تھا۔ علم میں وہ بہت آگے تھے۔ ان کے قلعے بڑے مضبوط تھے۔ طاقت بہت زیادہ تھی۔ جنگی کارروائیوں میں بھی بہت ماہر تھے۔ عیسائی بھی تھے، مگر بہت تھوڑے۔ سکہ یہود کا ہی چلتا تھا۔ یہ بات ان کے تصور میں بھی نہیں تھی کہ ہمیں کوئی اپنے علاقے سے نکالے گا۔ یا ہم یہاں سے نکلیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ تحریری معاہدہ ہوا کہ "اَنْتُمْ وَ نَحْنُ قَوْمٌ عَلٰی مَنْ سِوَانَا" اگر بیرونی مقابلہ ہوا تو ہم سب مل کر مقابلہ کریں گے۔ اپنے اپنے

مذہب پر چلتے ہوئے۔ لیکن یہودیوں کو چونکہ اپنی افرادی قوت اور مالی برتری پر بڑا گھمنڈ تھا۔
انہوں نے کسی تحریر کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور شرارتیں شروع کر دیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حق والوں کو جہاد کا حکم دیا۔ تو پھر حق والوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بنونضیر او
بنو قینقاع جلاوطن کئے گئے۔ اور تیسرے خاندان بنو قریظہ کا صفایا کر دیا۔ اور اس سے پہلے ان
کو اسلام کی دعوت دی گئی، کہ اسلام قبول کر لو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ، اور کہہ دے ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی۔ وَالْاُمِّيّٖنَ، اور عرب کے اَن پڑھ
لوگوں کو بھی کہہ دو جو مشرک تھے۔ اور اکثریت ان کی ان پڑھوں کی تھی۔ ان میں پڑھے لکھے
نسبتاً بہت کم تھے۔ تو فرمایا کہ ان کو دعوت دیں۔ ءَاَسْلَمْتُمْ؟ کیا تم اسلام میں داخل ہونا چاہتے
ہو؟ فَاِنْ اَسْلَمُوْا، پس اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا، پس تحقیق انہوں نے
ہدایت حاصل کر لی۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا، اور اگر وہ اعراض کریں۔ روگردانی کریں، نہ مانیں۔ فَاِنَّمَا
عَلَيْكَ الْبَلٰغُ، پس پختہ بات ہے کہ تیرے ذمہ بات پہنچانا ہے۔ تسلیم کرانا تمہارے ذمہ نہیں
ہے۔ اور یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں ان کا کام تھا حق بات کو لوگوں
تک پہنچانا، سمجھانا۔ یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو نہیں دیا۔ کہ لوگوں کے دلوں سے
کفر وشرک کو نکال کر ایمان بھر دیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِنَّكَ لَا
تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی
ہدایت نہیں دے سکتے، اس کو جس سے آپ کو محبت ہو۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔ جس
کو چاہتا ہے۔ تم ہادی اس معنیٰ میں ہو کہ لوگوں کو راستہ بتاؤ ان کی رہنمائی کرو۔ اس معنیٰ میں
ہادی نہیں ہو کہ کفر وشرک دلوں سے نکال کر ایمان کی دولت بھر دو۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ☆ اور

اللہ تعالیٰ بخوبی دیکھتا ہے بندوں کو۔ وہ خود ان سے نمٹ لے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے ایک ضروری وضاحت سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کل کائنات کے لئے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام قوموں کے نبی اور رسول ہیں۔ کیا عربی اور کیا عجمی کیا گورے اور کیا کالے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (پ، ۹) اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اعلان فرما دیں اے انسانو! میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تم سب کی طرف بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ۔ مجھے رب تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کالے اور گورے سب کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور قرآنِ پاک میں دوسرے مقام پر آتا ہے۔ نَذِیْرًا لِّلْعَالَمِیْنَ۔ تمام جہانوں کے واسطے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام کائنات کے لئے ہے۔ پہلے زمانوں میں ہر قوم کا الگ نبی ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک بہت بڑا وسیع علاقہ تھا۔ جہاں تینتالیس ۴۳/ قومیں آباد تھیں۔ اور ہر قوم کا اپنا الگ پیغمبر تھا۔ لیکن قومیں بڑی نافرمان تھیں۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ" کا لقب عطا فرمایا ہے۔ کہ اس امت کے تمام افراد میں سے سب سے زیادہ امین ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں تمام اسلامی فوجوں کے سپہ سالار یعنی چیف کمانڈر تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس علاقے کے سارے لوگوں نے مشورہ کیا کہ ان پیغمبروں نے ہمارے کان کھا لئے ہیں۔ دن کو تبلیغ، رات کو تبلیغ، گھروں میں تبلیغ، بازاروں میں تبلیغ، نہ خوشی کا موقع چھوڑتے ہیں نہ غمی کا۔ ہر

جگہ پہنچ جاتے ہیں اور ان کی ایک صدا ہوتی ہے۔ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ہے۔ ان سے خلاصی حاصل کرو۔ چنانچہ ہر قوم کے بدمعاش اور غنڈے اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ایک دن میں تینتالیس ۴۳ پیغمبروں کو شہید کر دیا۔ اور ان پیغمبروں کی نصرۃ اور امداد کے لئے ایک سو سترہ ۱۷۰ آدمی جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلے۔ ان کو بھی شہید کر دیا۔ ان کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۝ اور قتل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق۔ کیونکہ قتل بالحق کی اسلام میں تین صورتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبران تینوں صورتوں سے پاک اور منزہ تھے۔ قتل بالحق کی ایک صورت یہ ہے کہ العیاذ باللہ کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ تاکہ وہ اپنے شبہات پیش کر کے اپنی اصلاح کر کے توبہ کر لے۔ اگر تین دن میں اس کی اصلاح نہ ہوئی تو اس مرتد کو قتل کر دیا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے بارے میں اس چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قتل بالحق کی دوسری صورت یہ ہے کہ شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے بارے میں اس بدکاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور قتل بالحق کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے تو قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر نے کسی کو قصداً و ارادۃً ناحق قتل نہیں کیا۔ لہٰذا ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ، اور وہ قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے۔ یعنی اتنے ظالم لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ

کے 43 پیغمبروں کو بھی قتل کیا اور ان کے ایک سو ستر صحابیوں اور حواریوں کو بھی قتل کیا۔ اور ان نیک مخلص حواریوں کو بھی معاف نہیں کیا۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O پس آپ ان کو خوشخبری سنا دیں ان کو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ان کے حواریوں کو قتل کیا دردناک عذاب کی۔ یہ طنز ہے ورنہ عذاب کی خوشخبری تو نہیں ہوتی۔ خوشخبری تو اچھی چیز کی ہوتی ہے۔ اور پھر عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ دردناک عذاب فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ، ان کے اعمال دنیا اور آخرت پر دونوں مقامات میں ضائع ہو گئے ہیں۔ اعمال کے دنیا میں ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قاتلینِ انبیاء میں وہ ظالم بھی تھے۔ جو ان کا کلمہ پڑھتے تھے۔ مگر خواہشاتِ نفسانی کا ان پر غلبہ تھا۔ جس وجہ سے وہ اس گناہ میں شریک ہو گئے۔ تو ان کے اعمال دنیا میں بھی اکارت ہو گئے کہ ان کا ذبح کیا ہوا حلال نہیں ہے۔ اور ان کا نکاح بھی ٹوٹ گیا۔ ان کو وراثت بھی نہیں مل سکتی۔ وہ دوسرے وارثوں کے پاس رہے گی۔ اور ان کا جنازہ بھی نہیں پڑھا جائے گا۔ اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا جائے گا۔ یاد رکھیں کہ اگر قادیانی اور رافضی اگر جانور ذبح کریں تو ان کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ کیونکہ یہ بالکل کافر ہیں۔ قادیانی اور رافضی بھی کافر ہیں اور کافر کا ذبیحہ درست نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اللہ کے نبی پر بھی ایمان رکھتا ہو۔ اور قتل بھی کرے تو تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دور میں ایک بادشاہ تھا وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھنے والا تھا۔ اور اس کی حقیقی بھانجی بڑی خوبصورت تھی۔ اس نے کہا میں نے اس سے نکاح کرنا ہے۔ حالانکہ اس کے نکاح میں اور عورتیں بھی تھیں۔ اور لونڈیاں بھی تھیں۔ لوگوں نے اس کو برا سمجھایا کہ بھانجی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ مگر وہ مصر تھا کہ میں نے نکاح کرنا ہی ہے۔

حضرت یحیٰی علیہ السلام کو معلوم ہوا تو وہ خود تشریف لے گئے۔ فرمایا! کہ میں نے سنا ہے کہ تو ایسی کارروائی کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے یا خالی افواہ ہے؟ کہنے لگا تو جا کر اللہ، اللہ کر تجھے ایسے کاموں سے کیا تعلق؟ حضرت یحیٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ حق بات کہنا اور غلطی سے روکنا یہ بھی اللہ، اللہ کرنے کا حصہ ہے۔ تو اس کو غصہ آ گیا اور یحیٰی علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ کہ تو کون ہوتا ہے مجھے وعظ ونصیحت کرنے والا؟ تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا میں بھی ضائع ہو جائیں گے، اور آخرت کی خرابی الگ ہوگی۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھڑانے والا ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ رب تعالیٰ سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ جو اس کی گرفت سے چھڑا سکے۔ تو دنیا میں ایسے ظالم بھی گزرے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۫ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

اَلَمْ تَرَ ،کیا نہ دیکھا تو نے۔ اِلَى الَّذِيْنَ ،ان لوگوں کی طرف۔ اُوْتُوْا ،جن کو دیا گیا۔ نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ،حصہ کتاب سے۔ يُدْعَوْنَ ،ان کو بلایا جاتا ہے۔ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ ،اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ،تا کہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان۔ ثُمَّ يَتَوَلّٰى ،پھر منہ پھیرتا ہے۔ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ،ان میں سے ایک فریق۔ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ O اور وہ ہیں اعراض کرنے والے۔ ذٰلِكَ ،یہ اس وجہ سے کہ۔ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا ،بے شک انہوں نے کہا۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ،ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ۔ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ،مگر چند دن گنے ہوئے۔ وَغَرَّهُمْ ،اور ان کو دھوکے میں ڈالا۔ فِيْ دِيْنِهِمْ ،ان کے دین کے بارے میں۔ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ O ،اس چیز نے جو

افترا باندھتے تھے۔ فَكَيْفَ، پس کیسے ہوگا۔ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ، جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے۔ لِيَوْمٍ، اس دن میں۔ لَّا رَيْبَ فِيْهِ، جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ وَوُفِّيَتْ، اور پورا پورا دیا جائے گا۔ كُلُّ نَفْسٍ، ہر نفس کو۔ مَّا كَسَبَتْ، جو اس نے کمایا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ O اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ قُلِ اللّٰهُمَّ، کہہ دے اے اللہ! مٰلِكَ الْمُلْكِ، جو بادشاہی کا مالک ہے۔ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ، تو دیتا ہے ملک جس کو چاہتا ہے۔ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ، اور چھین لیتا ہے ملک جس سے تو چاہتا ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ، اور عزت دیتا ہے تو جس کو چاہے۔ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ، اور تو ذلیل کرتا ہے جسے چاہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ، تیرے ہاتھ میں ہے بھلائی۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس سے پہلی آیات میں یہود کا ذکر تھا۔ کہ ان ظالموں نے پیغمبروں اور ان کے مخلص ساتھیوں کو شہید کیا۔ یہ پہلے یہودیوں کا حال تھا۔ اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے۔ ان کا ایک واقعہ ذکر کر کے سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ جس طرح پہلے یہودی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ٹالتے تھے۔ اور اپنی مرضی کرتے تھے، پچھلوں کا بھی وہی حال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خیبر میں ایک اونچے خاندان کے مرد اور اونچے خاندان کی ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا اور دونوں شادی شدہ تھے۔ بڑوں نے اس معاملے کو دبا دیا۔ مگر عوام نے شور مچایا کہ اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو ہمیں کوئی نہیں چھوڑتا اور جب وڈیروں نے یہ کام کیا ہے، تو اس پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور عوام نے اس بات کو اتنا اچھالا کہ وڈیرے مشورہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ ان کے مذہبی اور سیاسی وڈیرے مل بیٹھے۔ اور مشورہ کیا کہ توراۃ کے احکام کے مطابق تو دونوں کو رجم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ دونوں شادی شدہ ہیں۔ اور رجم نہیں کرنا، کوئی

تھوڑی سی سزا دے دی جائے۔تا کہ عوام کا منہ بند ہو جائے۔اور کہنے لگے کہ آپس میں بیٹھے ہوئے ہیں،اور یہ گھر کی بات ہے ہم سب جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور عوام کے سامنے تو ہم نہیں مانتے کہ وہ اس کا کلمہ نہ پڑھ لیں۔مگر ہے تو حقیقت اور ان کی شریعت ہماری شریعت سے بڑی نرم ہے۔لہٰذا عوام کا منہ بند کرنے کے لئے ہم ان سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔چنانچہ اس مشورہ کے مطابق خیبر سے مدینہ طیبہ آئے۔حالانکہ مدینہ طیبہ خیبر سے دوسو میل دور ہے۔مدینہ طیبہ پہنچ کر کچھ تو منافقوں کے گھروں میں ٹھہرے اور کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔اور کہا کہ ہم یہودی ہیں۔اور خیبر سے آئے ہیں۔ہمیں وقت چاہیے ہم نے تمہارے سامنے ایک مقدمہ پیش کرنا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں وقت آجاؤ۔مثال کے طور پر صبح دس بجے۔چنانچہ اس بات کی خوب شہرت ہوئی کہ خیبر کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صبح مقدمہ پیش کرنا ہے۔یہودیوں کا ڈیرہ منافقوں کے ہاں تھا۔انہوں نے پھر مشورہ کیا کہ اگر کوئی نرم سی سزا دیں تو لے لینا اور اگر رجم کا حکم کریں تو نہ لینا۔کیونکہ یہ تو ہماری کتاب میں بھی ہے۔اس وقت تمام یہودیوں میں سب سے بڑا عالم عبداللہ بن صوریا تھا۔جو فدک کے مقام میں رہائش پذیر تھا۔اور فدک خیبر سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔یہ ابنِ صوریا بھی اس وفد میں شامل تھا۔یہ ایک آنکھ سے کانا تھا۔مگر توراۃ اور دوسری کتابوں کا بڑا ماہر تھا۔صبح کو یہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارا فیصلہ کریں،بڑا مجمع تھا۔یہودی بھی تھے۔مومن بھی تھے،منافق بھی تھے۔ہر طبقے کے لوگ موجود تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا فیصلہ کرنا ہے۔کہنے لگے کہ ہم میں سے ایک عورت اور ایک مرد نے جو کہ شادی شدہ ہیں زنا کا ارتکاب

کیا ہے۔اس کی کیا سزا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جرم کی سزا تمہاری کتاب میں نہیں ہے؟ کہنے لگے ہے تو سہی مگر کوئی واضح حکم نہیں ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورٰۃ لے کر آؤ۔تو راۃ لے آئے۔اور ان کا جو بڑا مولوی تھا ابنِ صوریا اس نے پڑھنی شروع کی مگر جہاں سزا کا حکم تھا۔وہ چھوڑ دیا اور اس سے پہلے اور بعد کا حصہ پڑھ دیا۔مثال کے طور پر اس نے شروع کیا۔"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِھْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ اور درمیان کا حصہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○ کھا گیا۔اس مجلس میں حضرت عبداللہ ابنِ سلام رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔جو پہلے یہودیوں کے بڑے عالم اور پیر تھے۔اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطاء فرمائی اور مسلمان ہو گئے تھے۔یہ بھی تورٰۃ کے بڑے ماہر تھے،فرمانے لگے۔حضرت! کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰہِ۔اللہ تعالیٰ کا دشمن غلط کاری سے کام لے رہا ہے۔وہ آیات جن میں یہ حکم ہے۔ان کو کھا گیا ہے۔اور اس سے اگلی اور پچھلی پڑھ دی ہیں۔پھر کتاب تورٰۃ اس کے ہاتھ سے لے کر خود پڑھ کر سنائی۔تو اس میں بھی زنا کی سزا رجم ہی تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے میرے سامنے مقدمہ پیش کیا ہے۔اور اس جرم کی سزا تو راۃ میں بھی رجم ہے اور میری شریعت میں بھی رجم ہے۔لہٰذا میں دونوں کے رجم کا فیصلہ کرتا ہوں۔چنانچہ ان دونوں کو مدینہ طیبہ میں رجم کیا گیا۔تو جب وہ فیصلہ لے کر آئے تھے،ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب تو راۃ ہے۔اس کے مطابق فیصلہ کرلو تو انہوں نے کہا تھا کہ اس کو چھوڑو تم ہمیں اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ دو اس کا ذکر ہے۔اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ۔کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا حصہ کتاب سے۔

یُدْعَوْنَ اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ ،ان کو بلایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف ۔کہ توراۃ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔اس پر فیصلہ کرلو۔ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ،تاکہ وہ کتاب فیصلہ کردے ان کے درمیان۔ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ،پھر منہ پھیرتا ہے ان میں سے ایک فریق۔ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ O اور وہ ہیں اعراض کرنے والے۔حالانکہ توراۃ ان کی مرکزی کتاب تھی۔مگر انہوں نے اس سے گریز کیا۔کیونکہ اس میں رجم کا حکم تھا۔لیکن رجم سے بچ پھر بھی نہ سکے۔ یہ جب واپس گئے تو لوگوں نے کہا کہ وہاں جانے کا کیا فائدہ ہوا،شرمندہ بھی ہوئے،اور سزا بھی بھگتی۔اس سے بہتر تھا کہ اپنی کتاب کے مطابق یہیں فیصلہ کر لیتے۔ کیونکہ عوام تو عوام ہی ہوتے ہیں چاہے کسی طبقے کے ہوں۔وہ کب معاف کرتے ہیں۔تو وڈیرے کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں ہم گناہ کریں گے بھی تو سات دن یا چالیس دن دوزخ میں رہیں گے، پھر نکل آئیں گے۔ بقول ان کے سات دن اس واسطے کہ دنیا کی کل زندگی سات ہزار سال ہے۔اور ہر ہزار سال کے بدلے میں ہم ایک دن دوزخ میں رہیں گے۔ اور چالیس دن کا نظریہ اس واسطے بنایا کہ ہمارے بڑوں نے چالیس دن بچھڑے کی پوجا کی تھی۔لہٰذا اس جرم کی وجہ سے ہم چالیس دن دوزخ میں رہیں گے۔ پھر باہر نکل آئیں گے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بچھڑے کی پوجا وہ کریں اور سزا تم بھگتو۔ جرم کوئی کرے اور بھگتے کوئی۔ اور اس کے برعکس عیسائیوں نے یہ نظریہ اپنالیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے منجی ہیں۔وہ ہماری طرف سے سولی پر لٹکا دیئے گئے ہیں۔وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوگئے ہیں۔ بھائی عجیب بات ہے کہ گناہ تم کرو دو ہزار سال بعد اور وہ سولی پر لٹک جائیں دو ہزار سال پہلے۔ یہ کیسا مسئلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس گندے عقیدے کی تردید فرمائی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اُخْـرٰى ۔کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک نے اپنے کئے کا بھرنا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔کہ میرے احکامات سے اس واسطے اعراض کرتے ہیں کہ، بِاَنَّھُمْ قَالُوْا ، بے شک کہتے ہیں۔لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ، ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے کہ سات دن یا بعض کے نزدیک چالیس دن ۔ اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے،فرمایاوَغَرَّ ھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ O ،اوران کودھوکے میں ڈالا ان کے دین کے بارے میں اس چیز نے جوافترا باندھتے تھے۔یہ چالیس دن اور سات دن والا بھی افترا ہی تھا۔حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ پس کیسے ہوگا جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں ہے۔یعنی قیامت کا دن کہ جس کے قائم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ ، اور پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا۔نیکی یا بدی، ذرہ برابر کسی سے زیادتی نہیں ہوگی۔اور ذرہ برابر کسی کی نیکی میں کمی نہیں کی جائے گی۔ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ O اوران پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔یاد رکھنا قیامت مرنے کا نام ہے۔جو مرا اس کی قیامت قائم ہوگئی، یہ جو درمیان والی زندگی ہے اس کو حوالات سمجھو کہ جو آدمی حوالات میں ہے۔ وہ سرکاری تحویل میں ہے۔آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔غزوۂ بدر کے بعد ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے ایک بازار سے گزر رہے تھے اور یہ بازار یہودِ بنوقینقاع کا تھا۔خاصا لمبا بازار تھا۔دوکاندار حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہوگئے۔اکثریت یہودیوں کی تھی۔مسلمان بھی تھے،عیسائی بھی تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو وعظ کیا نصیحت کی۔

اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ وہاں جو صحابۂ کرام موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں غزوۂ بدر میں کامیابی عطا فرمائی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ روم اور ایران بھی تمہارے قبضے میں ہوں گے۔ اس وقت بڑی حکومتیں دو ہی تھیں۔ ایک ایران جس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا۔ اور دوسری روم کی حکومت تھی۔ جس کے بادشاہ کا لقب قیصر ہوتا تھا۔ باقی سب ان دو کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ یہ خلیجِ فارس کی جتنی حکومتیں ہیں، ابوظہبی، مسقط، بحرین، دوحہ وغیرہ یہ سب ایران کے ماتحت تھیں۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا اللہ تعالیٰ تمہیں روم پر بھی فتح عطاء فرمائے گا۔ اور ایران پر بھی تو یہودیوں نے بھنگڑا ڈالا اور مذاق اڑایا۔ اور کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے مکہ مکرمہ کے ناتجربہ کار لوگوں پر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ جو لڑائی کے فن کو نہیں جانتے تھے۔ اب تجھے ایران اور روم کے فتح کرنے کی خواہش ہو رہی ہے۔ وہ بڑی منظم حکومتیں ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ظاہری طور پر وہ بڑی منظم اور طاقت ور حکومتیں تھیں۔ صرف جنگِ یرموک کو دیکھ لو، جس کا آغاز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ اور اختتام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد پینتالیس ہزار تھی۔ اور مقابلہ میں رومیوں کی سات لاکھ فوج تھی۔ اس جنگ میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ایک لاکھ تیس ہزار رومی مارے گئے۔ اور باقی بھاگ گئے۔ تو اس سے اندازہ لگاؤ کہ کتنی منظم اور طاقت ور حکومتیں تھیں۔ اور عیسائیوں نے بھی ایک دوسرے سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے اب ایران اور روم کو فتح کرنا ہے۔ تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں فرمایا۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ، آپ کہہ دیں اے اللہ! جو بادشاہی کا مالک

ہے۔تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ ،تو دیتا ہے ملک جس کو چاہتا ہے۔وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ،اور چھین لیتا ہے ملک جس سے تو چاہتا ہے۔تو مالک ہے،تو رب ہے۔دیکھوایک دفعہ گلیڈن سٹون نے جو کہ برطانیہ کا وزیرِ اعظم تھا۔اور اتنا سخت آدمی تھا کہ وہ اس کو مردِ آہن کہتے تھے۔دار العوام میں تقریر کی اور ہندوستانیوں کو ڈراتے ہوئے کہا کہ ہمارے ساتھ نہ ٹکرانا ہمارے پاس اتنی قوۃ اور طاقت ہے کہ اگر آسمان بھی ہمارے اوپر گرنا چاہے تو ہم اسے سنگینوں کی نوکوں پر تھام لیں گے لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد حالات ایسے پیدا ہوئے کہ مجبوراً انہیں ہندوستان چھوڑنا پڑا۔اگر چہ ان کا ارادہ نہ تھا۔اور یہ برطانیہ کہ جس کی حکومت میں سورج نہیں ڈوبتا تھا۔بالآخر سمٹ کر جزیرے میں بند ہوکر رہ گیا۔اسی طرح ایران کے بادشاہ رضا شاہ پہلوی کا حال ہوا۔وہ اس علاقے میں امریکہ کا تھانیدار تھا اور اس کے مفادات کا محافظ تھا۔پاکستان بننے کے تقریباً دو تین سال بعد کا واقعہ ہے کہ ہمارے صحافیوں میں سے کسی نے یہ تحریر کیا کہ شاہِ ایران نے یہ کہا ہے۔تو ایرانی سفارت کاروں نے اس صحافی کو نوٹس بھیجا اور یہ نوٹس باقاعدہ اخبارات میں چھپا کہ تم نے ہمارے بادشاہ کو شاہ ایران لکھ کر اس کی توہین کی ہے۔وہ شاہِ ایران نہیں ہے۔بلکہ شہنشاہِ ایران ہے لہٰذا یا تو معذرت کرو اور اپنی غلطی کا اعتراف کرو یا مقدمہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔چنانچہ اخبارات والوں نے معافی مانگی کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ہم آئندہ شہنشاہِ ایران لکھیں گے۔اور یاد رکھنا پاکستان میں دو سفارت خانے بہت تیز ہیں۔ایک امریکہ کا اور دوسرا ایران کا۔اتنا تیز اور کسی ملک کا سفارت خانہ نہیں ہے۔پھر وہ وقت بھی آیا کہ پبلک اس کی مخالف ہوگئی۔اور قوم نے اس کو رد کر دیا۔اور وہ جہاز پر سوار ہو کر فرار ہو گیا۔اس نے بہت سارے ملکوں سے اپنی جان کی بھیک مانگی کہ مجھے جہاز

اتارنے کی اجازت دے دو۔ مگر وہ جس ملک سے رابطہ کرتا وہ کہتا کہ ہم مجبور ہیں۔ تمہیں اترنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ بالآخر مصر پہنچا اور کہا کہ میرا پٹرول بالکل ختم ہے۔ میں ہوا میں مرجاؤں گا۔ مجھے اترنے کی اجازت دے دو۔ تو مصر نے دل مضبوط کیا اور اس کو اترنے کی اجازت دی۔ تو ملک کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ رضا شاہ پہلوی کے بعد خمینی آیا۔ اس نے سب سے پہلے سنی علماء قتل کرائے۔ اور سنیوں کی مسجدیں شہید کرائیں۔ اور وہاں دوسری بلڈنگیں بنوادیں۔ تہران میں پانچ لاکھ مسلمان ہے۔ مگر ایک بھی مسجد نہیں ہے۔ لوگ گھروں اور دفتروں میں نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ اور عید کی نماز مسلمان ملکوں کے سفارت خانوں میں پڑھ کر اپنا شوق پورا کر لیتے ہیں۔ کچھ پاکستان کے سفارت خانے میں، اور کچھ دوسرے مسلمان ملکوں کے سفارت خانوں میں۔ یہ سب قدرت رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ فرمایا! وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ، اور اے پروردگار! عزت دیتا ہے تو جس کو چاہے، اور تو ذلیل کرتا ہے جسے چاہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ، تیرے ہاتھ میں ہے بھلائی۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ فرمایا۔ کہ میں ذاتی طور پر کچھ نہیں کہتا۔ میں نے تمہیں جو ایران اور روم کے فتح ہونے کی بشارت سنائی ہے۔ یہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور اس کا حکم ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران مکمل فتح ہوگیا۔ اور روم کا خاصہ حصہ فتح ہوگیا۔ کچھ حصہ بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا۔ اسی طرح افغانستان کا خاصہ علاقہ فتح ہوگیا۔ اور وہ ساری قوم کی قوم ہی مسلمان ہوگئی۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا

میں تین قوموں کی نظیر نہیں ملتی۔ایک عرب کہ جب وہ مسلمان ہوئے پھر ان میں کوئی کافر نہیں رہا۔دوسرے ترکی کہ جب وہ مسلمان ہوئے پھر ان میں کوئی کافر نہیں رہا ترکی وہ ہے کہ خلافت ان کے پاس تھی۔اسلام کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔اور تنہا ترکی نے سارے یورپ کو آگے لگائے رکھا۔لیکن افسوس کہ آج وہاں اسلام کا نام نہیں لے سکتے۔یہ وقت بھی آنا تھا۔اور تیسرے افغانی ہیں۔کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو پھر ان میں کوئی کافر نہیں رہا۔افغانی بہت غیرت مند ہیں۔ان کو روس نے اپنے قبضہ **میں لیا**۔ہم بخاری شریف کا سبق پڑھ رہے تھے،حضرت مدنی رحمہ اللہ کو کسی نے اخبار کا تراشا دیا۔کہ ظاہر شاہ نے روس کی پیشکش کو قبول کر لیا ہے۔اور پیشکش یہ تھی کہ میں اپنے خرچے پر تمہارے کالجوں اور اسکولوں میں پروفیسر اور ماسٹر بھیجتا ہوں۔یعنی ان کی تنخواہیں اور اخراجات میرے ذمہ ہیں تم قبول کرلو۔اور پیشکش کا دوسرا حصہ یہ تھا کہ تم اپنے لڑکے ہمارے کالجوں میں بھیجو ان کے بھی تمام اخراجات ہم برداشت کریں گے۔حضرت مدنی رحمہ اللہ سبق پڑھاتے ہوئے رو پڑے۔اور فرمایا ظاہر شاہ تو نے بڑی نادانی کی ہے۔ظاہر شاہ تو نے بڑی نادانی کی ہے۔ظاہر شاہ تو نے بڑی نادانی کی ہے۔وہاں سے جو معلم اور اساتذہ آئیں گے وہ کفر سکھائیں گے۔اور جو تمہارے بچے روس میں جا کر پڑھیں گے وہ کافر بن کر وہاں سے نکلیں گے۔یقین جانو حضرت نے جو فرمایا صحیح فرمایا۔اس وقت یہ دوستم وغیرہ جتنے ہیں یہ سب ان کی پیداوار ہیں۔وہ لوگ بڑی بصیرت والے تھے۔ان بزرگوں نے جو کچھ فرمایا حقیقت ہے۔ہم نے آج تک اس کے خلاف ایک حرف بھی نہیں دیکھا۔تو بہر حال اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔جو چاہے کرے۔(باقی کل انشاء اللہ تعالیٰ)۔

تُولِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِى شَىْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ط وَاِلَى اللهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللهُ ط وَيَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ط وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا صلے ج وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ج تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ط وَاللهُ رَءُوْفٌ م بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع

وقف لازم ۔ ع ۱۰/۳

تُولِجُ الَّيْلَ ،تو داخل کرتا ہے رات کو۔ فِى النَّهَارِ ،دن میں۔ وَتُولِجُ النَّهَارَ ،اور تو داخل کرتا ہے دن کو۔ فِى الَّيْلِ ،رات میں۔ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ ،اور تو نکالتا ہے زندہ کو۔ مِنَ الْمَيِّتِ ،مردہ سے۔ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ ،اور تو نکالتا ہے مردہ کو۔ مِنَ الْحَيِّ ،زندہ سے۔ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ ،اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہے۔ بِغَيْرِ حِسَابٍ ☆ بغیر حساب کے۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ ،نہ بنائیں

مومن۔ الْكَافِرِيْنَ ،کافروں کو۔اَوْلِيَاءَ،دوست۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ،سوائے مومنوں کے۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ،اور جس نے یہ کارروائی کی۔ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِيْ شَيْءٍ ،پس نہیں ہے،وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شئی میں۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ،مگر یہ کہ ڈروتم ان سے ڈرنا۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ،اور اللہ تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے۔وَاِلَى اللهِ الْمَصِيْرُ O،اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے لوٹنا۔قُلْ اِنْ تُخْفُوْا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ اگر تم مخفی رکھو۔مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ ،جو کچھ بھی تمہارے دلوں میں ہے۔اَوْ تُبْدُوْهُ ،یا تم اس کو ظاہر کرو۔ يَعْلَمْهُ اللهُ،اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ،اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے۔وَمَا فِي الْاَرْضِ ،اور جو کچھ زمین ہے۔ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔يَوْمَ تَجِدُ،جس دن پائے گا۔ كُلُّ نَفْسٍ ،ہر نفس۔ مَّا عَمِلَتْ،اس چیز کو جو اس نے عمل کیا۔ مِنْ خَيْرٍ ،نیکی سے۔ مُّحْضَرًا،حاضر پائے گا۔وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ،اور جو اس نے عمل کیا برا اس کو بھی پائے گا۔تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا ،وہ نفس پسند کرے گا اس بات کو، کہ بے شک اس کے درمیان۔وَبَيْنَهٗ،اور اس کی برائی کے درمیان۔ اَمَدًا بَعِيْدًا ،مسافت ہو دور کی۔وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ،اور اللہ تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے۔وَاللهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ☆ اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں پر۔

اس سے پہلے اس چیز کا ذکر تھا کہ ملک کا لینا اور دینا،عزت دینا ذلیل کرنا۔رب تعالیٰ کا کام ہے۔اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت کا تم دن اور رات میں مشاہدہ کرتے ہو۔وہ ذات ہے۔تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور تو داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔مثلاً جولائی سے دن گھٹنا

شروع ہو جاتا ہے۔منٹوں کے حساب سے کم ہوتا چلا جائے گا،اور رات بڑھتی جائے گی۔پھر ستمبر میں دن منٹوں کے حساب سے بڑھنا شروع ہو جائے گا۔اور رات کم ہونا شروع ہو جائے گی۔تو جب دن بڑھتا ہے،رات دن میں داخل ہو جاتی ہے۔اور جب رات بڑھتی ہے۔دن رات میں داخل ہو جاتا ہے۔اور یہ دن رات کا گھٹنا بڑھنا سب کے مشاہدے میں ہے۔تو وہ ذات جو دن رات کو گھٹانے بڑھانے پر قادر ہے۔وہ ملک دینے اور لینے پر بھی قادر ہے۔قدرت کی اور دلیل،وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ،اور اے پروردگار!تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے۔جیسے نطفۂ بے جان سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔مردہ انڈے سے چوزہ نکلتا ہے۔اور حقیقی زندگی بھی مراد ہے کہ کافر سے مومن پیدا کرتا ہے۔یعنی باپ کافر ہے۔بیٹا مسلمان ہو جاتا ہے۔اور یہ حقیقی زندگی ہے۔وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ،اور اے پروردگار!تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔جیسے انسان زندہ ہے،اس سے نطفہ نکلتا ہے۔اسی طرح مرغی زندہ ہے۔اس سے انڈہ نکلتا ہے۔اور حقیقی موت بھی مراد ہے۔کہ مومنوں سے کافر پیدا کرتا ہے۔جیسے حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔اور پیغمبر سے بڑھ کر شان کسی کی نہیں ہوتی۔مگر بیٹا کنعان کافر ہے۔ایسے ہی بعض لوگ بڑے جاہل ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو عالم بنا دیتا ہے۔اور بعض عالم ہوتے ہیں،اور اولاد بڑی جاہل ہوتی ہے۔یہ سب معانی اس آیتِ کریمہ کے مفہوم میں داخل ہیں۔یہ سب پروردگار کا نظام ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔مفسرِ قرآن علامہ ابوسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں بغیر حساب کا جملہ تین معنوں میں آیا ہے۔ایک یہ کہ بے شمار،یعنی حساب میں نہ آئے۔جیسے قارون اور اس کا نام منور

تھا۔اور یہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔لیکن تھا منافق ،اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا مال دیا تھا کہ خود اس کو معلوم نہیں تھا کہ میرے پاس کتنا مال ہے۔کبھی کبھی حساب لگانے کے لئے بیٹھتا تھا،اور حساب لگاتے لگاتے تھک جاتا تھا۔اور یہ کہہ کر چھوڑ دیتا تھا کہ جتنا ہے ہونے دو۔یعنی اپنے مال کو شمار نہیں کرسکتا تھا۔اس کے خزانوں کی چابیوں کو اچھی خاصی جماعت بڑی مشکل سے اٹھاتی تھی۔تو ایک یہ معنیٰ ہے بغیر حساب کا،یعنی بے شمار۔اور دوسرا معنیٰ ہے بغیر مشقت اور تکلیف کے۔یعنی تو رزق دیتا ہے۔جس کو چاہتا ہے بغیر مشقت اور تکلیف کے۔دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آرام سکون سے بیٹھے ہیں۔اور ان کو دولت وافر مقدار میں ملتی ہے۔اور ایسے بھی ہیں کہ وہ اس قدر محنت کرتے ہیں تکلیف میں پڑتے ہیں کہ بے چاروں کا خون پسینہ ایک ہوجاتا ہے مگر رات کو گھر کے افراد کی روٹی بھی پوری نہیں کرسکتے۔یادرکھیں دولت رب کے اختیار میں ہے۔اور اگر محنت مشقت سے ملتی تو اس مزدور کو ملتی جو صبح سے شام تک پسینے میں ڈوبا ہوتا ہے۔تو ایک معنیٰ بغیر حساب کا،بغیر مشقت کا کرتے ہیں۔جب وہ دینے پر آتا ہے تو بغیر محنت کے عطاء فرمادیتا ہے۔حلال طریقے سے حاصل کرنا چاہیں تو حلال طریقے سے دیتا ہے۔اور حرام طریقے پر کمانا چاہیں تو حرام طریقے پر دیتا ہے۔اور جس طریقے پر کماؤ گے اس کے مطابق حساب لے،لے گا۔حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب وہ شہید ہوئے تو ان کے مال کا حساب لگایا گیا۔جس میں زمین بھی تھی مکانات بھی تھے،تو چھ کروڑ مالیت بنی۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے۔تو ان کے پاس سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ یہ ہمارا ساتھی ہے۔ میں اس کو تمہارا بھائی بناتا ہوں۔ تم نے اس کا خرچہ برداشت کرنا ہے۔ حضرت سعد ابنِ ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت انشاء اللہ تعالیٰ میں اس کو باقاعدہ اپنی جائیداد میں شریک کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے رہنے کے لئے کمرہ بھی دیا۔ اور روٹی بھی ان کے گھر سے آتی تھی۔ چند دن ان کے گھر سے کھاتے رہے۔ چونکہ تاجر آدمی تھے۔ تجارت شروع کر دی تھوڑی مدت کے بعد شادی بھی کر لی۔ جب ان کی وفات ہوئی تو چار بیویاں تھیں اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر خاوند صاحبِ اولاد ہو۔ چاہے ایک لڑکی ہی کیوں نہ ہو۔ تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ ایک بیوی ہو چاہے دو بیویاں ہوں، تین ہوں، چاہے چار ہوں۔ سب آٹھویں حصے میں شریک ہوں گی۔ تو حضرت عبدالرحمن ابنِ عوف رضی اللہ عنہ کی وراثت کا آٹھواں حصہ جب چار بیویوں پر تقسیم کیا گیا تو ہر ایک بیوی کے حصے میں اسی ۸۰، اسی ۸۰ دینار آئے۔ تو اس سے حساب لگالو کہ خزانہ کتنا ہوگا۔ اور وہ لوگ حلال طریقے سے کماتے تھے۔ تو شریعت میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ جتنی دولت اکٹھی کرو مگر ہو حلال طریقے سے۔ اور خرچ بھی حلال طریقے سے ہو۔ اور بغیر حساب کا تیسرا معنیٰ کرتے ہیں کہ بغیر مطالبے کے دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو فرمایا، ھٰذا عطاؤنا۔ یہ مال ہماری بخشش ہے۔ فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ۔ پس تو احسان کر یا رکھ چھوڑ بغیر حساب تیرے سے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں اس بات کا علم ہو گیا یہود وغیرہ جو کافر ہیں۔ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ۔ اور ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں۔ تو پھر اے مومنو! تمہارے

اندر غیرت ہونی چاہیے کہ۔ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ، نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے۔ یعنی ایمان والوں کی دوستی ایمان والوں سے ہونی چاہیے۔ مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک ہوتی ہے محبتِ قلبی، جس کو موالات کہتے ہیں۔ یہ تعلق اور محبت کافروں کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چھٹے پارے میں فرمایا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَ النَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ۔ اے ایمان والو نہ بناؤ یہود ونصاریٰ کو دوست یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو شخص ان کو دوست بنائے گا تم میں سے وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ یعنی اس کا شمار یہود ونصاریٰ میں سے ہوگا۔ اور اس سے اگلے رکوع میں فرمایا کہ یہود ونصاریٰ کو بھی دوست نہ بناؤ۔ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۔ اور دوسرے کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ۔ لیکن سعودی شہزادوں کا حال دیکھو کہ اپنے بچاؤ اور ذاتی تحفظ کی خاطر ایک لاکھ کے قریب امریکی فوج اپنے علاقے میں بٹھائی ہوئی ہے۔ اور اس کا سارا خرچہ برداشت کرتے ہیں۔ وہاں کے علمائے حق نے یہ آیتیں پڑھیں اور جمعوں میں تقریریں کیں۔ کہ یہ ہمارا وہ ملک ہے جس میں قرآنِ پاک نازل ہوا ہے۔ اور یہ اسلام کا منبع اور چشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اور تم نے ان کو گھر لا کر بٹھایا ہے۔ اور ان کا خرچہ بھی برداشت کرتے ہو۔ اور ان علماء نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کا سلسلہ رائج فرمایا تھا۔ اور تم نے بادشاہت قائم کی ہوئی ہے۔ کہ باپ مر گیا تو بیٹا بادشاہ، بیٹا مر گیا تو پوتا بادشاہ۔ اور خلافت یہ ہوتی ہے کہ ملک میں جو سب سے اچھا آدمی ہو وہ امیر ہے۔ اگر وہ مر جائے تو پھر ملک میں جو سب سے اچھا ہو، وہ امیر ہوگا۔ تو اس

مطالبے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔اور یہ الفاظ ان کو بہت چبھے کہ یہ تو ہمارے گریبان میں ہاتھ ڈال رہے ہیں۔ ان علمائے حق کو گرفتار کرلیا گیا۔ یہ سینکڑوں علمائے حق جن میں فقہاء، محدثین۔اور اہل اللہ بھی ہیں جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔جن میں سے بعض ابھی تک جیلوں میں ہیں۔کسی کو دس سال ہوگئے ہیں کسی کو چھ سال ہوگئے ہیں۔کسی کو پانچ سال ہوگئے ہیں کئی ایسے بھی ہیں کہ جن کا علم نہیں ہے کہ کہاں ہیں۔حق کوئی بھی نہیں سنتا اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنے بچاؤ کے لئے کیا ہے، کہ ہمارا اقتدار نہ کوئی چھین لے۔ اللہ تعالیٰ برائی سے محفوظ فرمائے۔ یہ انسان سے ایمان بھی لے جاتی ہے، تو ہر حال موالات یعنی قلبی دوستی کافروں سے بالکل جائز نہیں ہے۔ممنوع ہے۔ دوسری چیز ہے مدارات۔ اور مدارات کا معنیٰ ہے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا۔ مثلاً کوئی کافر تمہارا مہمان ہے۔تو اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ کیونکہ مہمان کا حق ہے۔یا کسی کافر سے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔تو اس سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ یا کافر ظالم ہے، حاکم ہے، اس کے شر سے بچنے کے لئے، اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔اس کی اجازت ہے مگر نفع اور مالی مفاد حاصل کرنے کے لئے نہ ہو۔اور دلی محبت بھی نہ ہو۔صرف ظاہری طور پر خوش اخلاقی ہو تو ٹھیک ہے۔ اور تیسری چیز مواسات ہے۔ اور مواسات کا معنیٰ ہے مالی ہمدردی۔تو کافروں کے ساتھ مالی ہمدردی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا ضابطہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ کے اندر بیان فرمایا ہے۔لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا۔عَنِ الَّذِيْنَ ، ان لوگوں سے۔لَمْ يُقَاتِلُوْا ، جو تمہارے ساتھ نہیں لڑے۔فِي الدِّيْنِ، دین کے بارے میں۔وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ، اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۔ یہ کہ تم بھلائی کرو ان کے ساتھ اور ان کے ساتھ

انصاف کا سلوک کرو۔ یعنی وہ کافر جو دین کے معاملے میں تم سے لڑے نہیں اور نہ ہی انہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا ہے۔ ان کے ساتھ تم مالی ہمدردی کر سکتے ہو۔ جیسے جاپان اور چین ہیں کہ دوسرے ملکوں کی بہ نسبت انہوں نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ البتہ اس وقت جو مسلمان چین میں ہیں، چین ان کے ساتھ زیادتیاں کر رہا ہے۔ اور وہ کافر جو دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ لڑیں ان کے ساتھ مواسات یعنی مالی ہمدردی بھی جائز نہیں ہے۔ یہ قرآنِ پاک کا فیصلہ ہے۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ، اور جس نے یہ کارروائی کی۔ یعنی کافروں کے ساتھ قلبی محبت کا تعلق رکھا۔ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِيْ شَيْءٍ ، پس نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شے میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر، کوئی بہانہ، کوئی دلیل نہیں سنے گا۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ، مگر یہ کہ ڈرو تم ان سے ڈرنا۔ یعنی ایسے موقع پر تم ان کیساتھ ظاہری خوش اخلاقی سے پیش آ سکتے ہو۔ جب کہ تمہیں ان کے ساتھ ضرر کا اندیشہ ہو۔ لیکن فائدہ اٹھانے کے لئے نہیں۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ، اور اللہ تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی جان سے۔ اپنی جان سے ڈرانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ کہ اگر نافرمانی کرو گے تو عذاب دے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بروقت آگاہ کرتا ہے۔ ورنہ خدا کی ذات تو بڑی مہربان اور شفیق ہے۔ وَاِلَى اللهِ الْمَصِيْرُ ۞ ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے لوٹنا۔ سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ اگر تم مخفی رکھو ان چیزوں کو جو بھی تمہارے دلوں میں ہیں، مثلاً کافروں سے محبت وغیرہ۔ اَوْ تُبْدُوْهُ ، یا تم اس کو ظاہر کرو۔ يَعْلَمْهُ اللهُ ، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ معاملہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس واسطے مومن کو سب سے پہلے رب کے حکم کی تعمیل کرنی

چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے جو احکام ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ باقی دنیا کی جو باتیں ہیں وہ بعد کی ہیں فرمایا، کیا پوچھتے ہو اللہ تعالیٰ کا علم؟ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اور آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی بھی اسی کی ہے۔ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اور آسمانوں اور زمینوں کا غیب بھی اسی کے پاس ہے۔ اور آسمانوں اور زمینوں کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ اور زمینوں اور آسمانوں کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کے علم سے خارج نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہے کرسکتا ہے۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ، جس دن پائے گا ہر نفس۔ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا، اس چیز کو جو اس نے عمل کیا نیکی سے حاضر پائے گا یعنی جو اس نے نیکی کی ہے قیامت والے دن اس کے سامنے آئے گی۔ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ، اور جو اس نے عمل کیا برا اس کو بھی سامنے پائے گا۔ دنیا میں ہمارے حافظے کمزور ہو جاتے ہیں۔ بہت سارے کام جو ہم نے کیے ہوئے ہیں۔ مگر بھول جاتے ہیں۔ لیکن قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کے حافظے کو اتنا قوی کر دے گا کہ اس نے دنیا میں جو کچھ بھی کیا ہے سب یاد آجائے گا۔ اور آج دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے۔ مگر حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سب کو پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائیں گے۔ اور نامۂ اعمال ہر ایک کے ہاتھ میں پکڑائیں گے۔ اور حکم ہوگا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے۔ آج کے دن تمہارا اپنا نفس ہی محاسبے کے لئے کافی ہے۔ تو آدمی اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ اور بڑی

روانی کے ساتھ پڑھے گا۔ جس طرح اچھے خاصے تعلیم یافتہ پڑھتے ہیں۔ جب دو چار صفحے پڑھ چکے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ بتا میرے فرشتوں نے لکھنے میں تیرے اوپر کوئی زیادتی تو نہیں کی؟ کہے گا، لَا یَـا رَبِّ! اے میرے رب کوئی زیادتی نہیں کی جو میں نے نیکی بدی کی تھی وہی لکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا اور پڑھ، دو چار صفحے اور پڑھے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بتا میرے بندے میرے فرشتوں نے لکھنے میں تیرے ساتھ ظلم تو نہیں کیا؟ وہ کہے گا نہیں پروردگار، کوئی ظلم نہیں کیا۔ تو بندہ جب اپنے برے اعمال دیکھے گا تو کہے گا۔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗ اَمَدًا ، بَعِیْدًا، وہ نفس پسند کرے گا اس بات کو، کہ بے شک اس کے درمیان اور اس کے برے اعمال کے درمیان مسافت ہو دور کی۔ یعنی نفس یہ پسند کرے گا کہ میرے اور برے اعمال کے درمیان لمبا چوڑا فاصلہ ہو کہ یہ مجھے نظر نہ آئیں۔ مگر ہو گا کچھ بھی نہیں۔ یہ تو اس دن گلے کا ہار ہو گا۔ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ، اور اللہ تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخالفت اور عذاب سے تمہیں ڈراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور یہ ڈرانا بھی اس کا شفقت کی وجہ سے ہے۔ کہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ☆ اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں پر۔ یہ اس کی شفقت کا نتیجہ ہے کہ اس نے تمہیں بروقت سب چیزیں بتادیں اور ہر ایک کے انجام سے آگاہ کر دیا۔ تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں معلوم نہیں تھا، ہم بے خبر تھے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

قُلْ، آپ کہہ دیں۔ اِنْ كُنْتُمْ ،اگر ہو تم۔ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ،محبت کرتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ ،پس تم میری پیروی کرو۔ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ،اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرے گا۔ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ،اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ☆ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ ،آپ کہہ دیں اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ وَالرَّسُوْلَ ،اور رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کی۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا ، پس اگر یہ پھر جائیں اطاعت سے۔ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ O پس بے شک اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا کافروں سے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی ، بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ اٰدَمَ وَنُوْحًا ، آدم علیہ السلام کو اور نوح علیہ السلام کو۔ وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ ، اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اور عمران رحمہ اللہ کی اولاد کو۔ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ O جہان والوں پر۔ ذُرِّیَّۃً م بَعْضُھَا مِنْ م بَعْضٍ ، ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں۔ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ☆ اور اللہ تعالیٰ سنتا ہے جانتا ہے۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ ، جب کہا عمران (رحمہ اللہ) کی بیوی نے۔ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ ، اے میرے رب! بے شک میں نے نذر مانی تیرے واسطے۔ مَا فِیْ بَطْنِیْ ، جو کچھ میرے پیٹ میں ہے۔ مُحَرَّرًا ، وہ تیرے لئے آزاد کر دیا جائے گا۔ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ، پس تو مجھ سے قبول فرما۔ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ O بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ فَلَمَّا وَضَعَتْھَا ، پس جب اس نے جنا اس کو۔ قَالَتْ رَبِّ ، کہنے لگی اے میرے رب! اِنِّیْ وَضَعْتُھَآ اُنْثٰی ، بے شک میں نے جنی ہے لڑکی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے۔ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ، اور نہیں ہے وہ معہود لڑکا اس لڑکی کی طرح۔ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُھَا مَرْیَمَ ، اور بے شک میں نے اس کا نام رکھا ہے مریم۔ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ ، اور بے شک میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O اور اس کی اولاد کو، اس شیطان سے جو مردود ہے۔

دنیا میں دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں یعنی رب تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اگرچہ وہ مانتے اپنے اپنے انداز اور طریقے سے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہود، نصاریٰ رب تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں۔ ہندو بھی رب

تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں۔ نمبر دو ایسے بد بخت اور دہریہ قسم کے لوگ بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ رب نہیں ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے دوربین اور خوردبین کے ذریعہ دیکھ لیا ہے۔ بلکہ ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن کے ذریعے پانی جو ہم پیتے ہیں اس میں اور دودھ میں بے شمار جراثیم ہوتے ہیں۔ وہ نظر آتے ہیں۔ اسی طرح خون میں جراثیم ہوتے ہیں۔ یہ سب ہم نے دیکھ لئے ہیں مگر تمہارا خدا ہمیں نظر نہیں آیا۔ اگر ہے تو بتاؤ کہاں ہے۔ ایسے بد بخت بھی موجود ہیں۔ غالباً ۳۸-۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ جب روس اپنی بے دینی کے پورے عروج پر تھا اور اس نے آس پاس کے بڑے علاقوں پر قبضہ کیا۔ مسلمانوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا۔ اور بہت کچھ کیا۔ تو روس کے جو بے دین قسم کے لوگ تھے انہوں نے دو مصنوعی جنازے تیار کیے۔ ایک چارپائی پر کچھ مصنوعی سی چیزیں اور اوپر پھول ڈالے ہوئے تھے۔ کہ یہ خدا کا جنازہ ہے۔ اور دوسرا جنازہ مذہب کا تھا۔ ڈھول باجوں کی تھاپ کے ساتھ بھنگڑا ڈالتے ہوئے یہ جنازے ملکی سرحد پر لے گئے۔ اور بڑی بے قدری کے ساتھ لاتوں کے ذریعے سرحد سے باہر دھکیل دیئے۔ اور کہا کہ ہم نے اپنے ملک سے مذہب اور خدا کو باہر دھکیل دیا ہے۔ کیونکہ جھگڑوں کی بنیاد یہی دو چیزیں ہیں۔ یہ باقاعدہ اخبار میں آیا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اور وہ حضرات جو میری عمر کے ہیں ان کو بھی یاد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ تھوڑا وقت گزرا تھا کہ ہٹلر نے حملہ کر دیا۔ ہٹلر یہود کو سمجھ گیا تھا کہ یہ سازشی قوم ہے۔ اور دنیا میں جتنے فتنے فساد ہیں سب یہود کی وجہ سے ہیں۔ اور جتنے مالی وسائل ہیں وہ سب ان کے پاس ہیں۔ اور بڑے پالیسی باز ہیں اور بہت کچھ کرتے ہیں۔ مگر کھل کر سامنے نہیں آتے۔ سب خبیث ہیں۔ اندرون خانہ سازشوں کے ذریعے اپنا کام نکالتے ہیں۔ ہٹلر

نے جب ان کو خوب مار پلائی تو پھر اس وقت روس کے صدر نے اعلان کیا کہ ہمارے ملک میں جو قومیں بستی ہیں وہ اپنے اپنے انداز میں رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے پروردگار! ہمیں اس بلا سے چھٹکارا عطا فرما۔ تو انہوں نے اپنے خیال کے مطابق رب تعالیٰ کو نکال دیا تھا۔ مگر خدا پھر آ گیا۔ بھائی خدا جاتا کہاں ہے؟ تو بہر حال ایک وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔ لیکن جو رب تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ رب تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ باقی رب تعالیٰ کو راضی کرنے کا انداز ہر ایک کا اپنا ہے۔ مگر یہ جذبہ سب میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اعلان کروایا اور اپنے راضی ہونے کا طریقہ بتلایا۔ قُلْ، آپ کہہ دیں۔ اِنْ کُنْتُمْ، اگر ہو تم۔ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ، محبت کرتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ، پس تم میری پیروی کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کا واحد طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً اور فعلاً اتباع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے اور جو عملی طور پر کیا ہے۔ اس کے مطابق عمل کرے۔ آج اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میری رب تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے تو غلط کہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت بند ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ میں۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کروا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت متصف ہے میری پیروی میں۔ اور جب تم میری پیروی کرو گے۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرے گا۔ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے رب تعالیٰ کی محبت بھی حاصل ہوگی۔ اور رب تعالیٰ تمہاری خطائیں اور گناہ بھی معاف کر دے گا۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان

ہے۔ بندہ ہر وقت اپنے آپ کو گناہگار سمجھے اور رب تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ یہ اس وقت بند ہوگا جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص ایمان لائے گا۔ تو قبول نہ ہوگا۔ اور گناہوں سے توبہ کرے گا تو گناہ بھی معاف نہ ہوں گے۔ اس کے بعد فرمایا۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ ، اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیں اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ یعنی اس کے حکم کو مانو۔ وَالرَّسُوْلَ ، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اور کیا ہے اس کو مانو۔ اور اس پر عمل کرو۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا ، پس اگر یہ لوگ پھر جائیں اور روگردانی کریں اطاعت سے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ تو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا کافروں سے۔ یعنی جب یہ رب تعالیٰ سے محبت نہیں کرتے تو رب تعالیٰ کو کون سی مجبوری ہے کہ وہ ان سے محبت کرے۔ وہ بندوں کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ بندے رب کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو اجاگر اور واضح کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پیغمبر مبعوث فرمائے۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا طریقہ سمجھایا۔ سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ اس وقت میری شریعت کی پیروی کرو گے۔ تو رب تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرے گا۔ اس واسطے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ ، بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا آدم علیہ السلام کو وہ اپنے دور میں رب تعالیٰ کی محبت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اس وقت ان کی شریعت یہی شریعت تھی۔ اور اس پر چلنے سے ہی رب تعالیٰ کی رضا اور محبت حاصل ہوتی تھی۔ وَنُوْحًا ، اور نوح علیہ السلام کو منتخب کیا۔ یعنی آدم علیہ السلام کے بعد نوح علیہ السلام آئے۔ اور انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا سبق پیش کیا۔ کہ

میرا کلمہ پڑھو میری اطاعت کرو۔ پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔ وَ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ ، اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو منتخب فرمایا۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل کو رب تعالیٰ نے اپنے تقرب کا ذریعہ بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت مدین حضرت مدائن اور حضرت قیدار رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ان میں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ اور دوسرے نیک فرزند تھے۔ ان سب سے آگے نسل چلی۔ تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے چنا۔ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ ، اور عمران رحمہ اللہ کی اولاد کو چنا۔ آلِ عمران سے کون مراد ہیں؟ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والدِ ماجد کا نام تھا عمران بن قیس بن لاوی بن یعقوب علیہم السلام، تو آل عمران سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام اور ان کی اولاد در اولاد ہے۔ لیکن اکثر مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر جس عمران کا ذکر ہے یہ عمران بن ماثان رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ جو بڑے نیک پارسا بزرگ تھے۔ اور مسجدِ اقصیٰ کے امام اور خطیب تھے۔ اور لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کرتے تھے۔ جو حضرت مریم علیہ السلام کے والد تھے۔ وہ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا دیا تھا۔ جس کا نام ہارون تھا۔ وہ بھی بڑا نیک پارسا تھا مگر جوانی میں ہی فوت ہوگیا تھا۔ حضرت عمران بن ماثان رحمہ اللہ کی اہلیہ کا نام تھا حنہ بنتِ فاقوذ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی تھیں۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ، یہ بڑی نیک پارسا خاتون تھیں۔ حضرت حنہ رحمہ اللہ کی ایک ہمشیرہ تھیں۔ ان کا نام تھا عشاعہ بنت فاقوذ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ تو جس وقت حضرت حنہ بنتِ فاقوذ رحمہا اللہ تعالیٰ کا جواں سال بیٹا

ہارون رحمہ اللہ فوت ہو گیا۔ تو یہ بہت پریشان ہوئیں اور پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ میرے خاوند عمران بن ماثان رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی مسجدِ اقصیٰ کی خدمت کی ہے۔ اور لوگوں کے عقیدے عمل اور اخلاق کی تربیت میں گزاری ہے۔ اور وہ اب بوڑھے ہو گئے ہیں۔ امید تھی کہ میرا لڑکا باپ کی جگہ سنبھالے گا۔ مگر وہ بھی فوت ہو گیا۔ تو ہم مسجدِ اقصیٰ کی خدمت سے محروم ہو جائیں گے۔ مگر اس دوران ان کو بچے کی امید ہو گئی۔ اور خیال تھا کہ شاید لڑکا ہو گا۔ کہنے لگیں، اے میرے پروردگار! میں تیرے ساتھ وعدہ کرتی ہوں، نذر مانتی ہوں کہ جو میرے پیٹ میں ہے یہ تیرے لئے وقف ہو گا۔ یعنی جس طرح میرا خاوند دین کی خدمت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی تیرے دین کی خدمت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ لڑکی پیدا ہوئی۔ حضرت حنہ بنتِ فاقوذ رحمہا اللہ تعالیٰ نے افسوس کے طور پر کہا کہ اے پروردگار! امید تو اور تھی مگر لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن میں نے اپنی منت پوری کرنی ہے۔ کیونکہ میں نے کہا تھا کہ جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لئے وقف ہے۔ اور بچی کا نام مریم رکھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مریم کا معنیٰ ہے عابدۃ، عبادت کرنے والی۔ اور مریم عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اور مسئلہ یاد رکھنا کہ اس طرح کی نذر و منت ان کی شریعت میں جائز تھی ہماری شریعت میں یہ حکم ہے۔ ”لَا نَذْرَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ“ جو چیز ابنِ آدم کی ملکیت میں نہیں ہے۔ اس کی منت نہیں مان سکتا۔ یعنی ابنِ آدم اپنے فعل کی منت مان سکتا ہے دوسرے کے فعل کی منت نہیں مان سکتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ اے اللہ! میرا فلاں کام ہو جائے تو اتنے نفل پڑھوں گا۔ یا اتنے روزے رکھوں گا۔ یا اتنی دیگیں تیرے نام پر اتاروں گا۔ یا فلاں کام کروں گا۔ یہ ٹھیک ہے لیکن جو بیٹا بیٹی پیدا ہو گا۔ ان کے افعال ہم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا وجود الگ ہے۔ وہ اپنے افعال کے خود

مالک ہیں۔ تو ایسی نذر ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے۔ ان کی شریعت میں، جائز تھی جس وقت حضرت مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں۔ تو ان کی والدہ نے انتظامیہ کمیٹی کے پاس پہنچا دی کہ میں نے منت مانی تھی لہٰذا یہ تمہارے سپرد ہے۔ اور اس کی ساری ذمہ داری دودھ وغیرہ پلانے کی تمہارے ذمہ ہے۔ اس وقت مسجدِ اقصیٰ کی انتظامیہ انیس/۲۹ افراد پر مشتمل تھی۔ کسی کے ذمہ پانی کا انتظام تھا۔ کسی کے ذمے روشنی کا انتظام تھا۔ کسی کے ذمے چٹائیاں بچھانا، کسی کے ذمے ٹوٹی پھوٹی چیز کو ٹھیک کروانا۔ کسی کی ڈیوٹی تھی پڑھنے والوں کی نگرانی کرنا۔ اور اس کمیٹی میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی شامل تھے۔ اگلے رکوع میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کے سلسلہ میں انتظامیہ کمیٹی کا آپس میں جھگڑا ہوا کمیٹی کے انتیس افراد میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کی نگرانی میں کروں، کیونکہ ہمارے امام خطیب اور ہمارے بزرگ کی بیٹی ہے۔ لہٰذا اس کا خرچہ اور نگرانی میرے ذمہ ہے۔ آج کا زمانہ ہوتا تو عنوان اور ہوتا۔ اور ہر ایک ذمہ داری سے بھاگتا۔ اور کہتا کہ بچی کا معاملہ ہے کون اس کی نگرانی کرے گا؟ اور جوان ہونے پر کون اس کی شادی کرے گا؟ تو ہر ایک یہ کہتا کہ میں نہیں کرسکتا۔ مگر اس وقت ہر ایک اپنے مؤقف پر ڈٹا ہوا تھا۔ اور اپنے مؤقف کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ آگے آئے گا انشاء اللہ العزیز کہ بات یہ طے پائی کہ تم اردن کی نہر پر جاؤ جو کہ قریب ہی تھی اور اس طرح کرو کہ جن قلموں کے ساتھ لکھتے ہو ہر آدمی اپنے قلم کے ساتھ نشانی لگا کر نہر میں پھینک دے۔ آگے دو تفسیریں آتی ہیں۔ کہ مریم علیہا السلام اس کے سپرد کی جائے گی جس کا قلم رکا رہا کہ پانی اس کو بہا کر نہ لے گیا۔ اور جن کے قلم پانی میں بہہ گئے۔ ان کے سپرد نہیں کی جائے گی۔ اور بخاری وغیرہ میں یہ تفسیر بھی آتی ہے کہ نہر کا پانی تیزی کے ساتھ جس

طرف سے آ رہا ہے۔ جس کا قلم اس طرف کو چل پڑا یعنی الٹی سمت تیرنے لگ گیا وہ کامیاب ہے۔ مریم علیہا السلام اس کے سپرد کی جائے گی۔ اور جن کے قلموں کو پانی بہا کر لے گیا ان کو نہیں ملے گی۔ چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی۔ اور حضرت زکریا علیہا السلام کا قرعہ نکلا۔ کہ ان کا قلم پانی میں رکا رہا۔ اور پانی چلتا رہا۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم جس طرف سے پانی آ رہا تھا۔ اس طرف چل پڑا۔ بڑی عجیب بات تھی کہ قلم پانی کی مخالف سمت کو جا رہا ہے۔ اور ہماری شریعت میں بھی قرعہ اندازی ایک مسئلہ ہے کہ اگر سب کے حقوق برابر ہوں تو قرعہ اندازی کر لیں۔ شریعت اس کو تسلیم کرتی ہے، جائز ہے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کر دی گئیں۔ وہاں ایک کمرہ تھا اور اس کے اوپر جالی دار چوبارہ تھا۔ اس کا انتظام اور اس کی چابی حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس ہوتی تھی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ تو اس مقام پر فرمایا کہ عمران کی اولاد کو منتخب فرمایا۔ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ جہان والوں پر۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے وقت میں، حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے وقت میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے وقت میں، اور ان کی اولاد کو اپنے وقت میں۔ عمران بن ماثان رحمہ اللہ کو اپنے وقت میں منتخب فرمایا۔ یعنی اپنے اپنے دور میں ان کو سب پر فضیلت حاصل تھی۔ ذُرِّيَّةً ، بَعْضُهَا مِنْ ، بَعْضٍ ، ان میں سے بعض، بعض کی اولاد ہیں۔ مثلاً عمران رحمہ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ ، جب کہا عمران (رحمہ اللہ) کی بیوی نے۔ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ ، اے

میرے رب! بے شک میں نے نذر مانی تیرے واسطے۔ مَا فِیْ بَطْنِیْ، جو کچھ میرے پیٹ میں ہے۔ مُحَرَّرًا، وہ تیرے لئے آزاد کر دیا جائے گا۔ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ، پس تو مجھ سے قبول فرما۔ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ☆ بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا، پس جب اس نے جنا اس کو۔ قَالَتْ رَبِّ، کہنے لگی اے میرے رب! اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی، بے شک میں نے جنی ہے لڑکی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی، اور نہیں ہے وہ معہود لڑکا اس لڑکی کی طرح۔ یعنی جو تمہارے ذہن میں فرضی لڑکا تھا۔ وہ اس لڑکی کو کب پہنچ سکتا ہے۔ حضرت مریم علیہ السلام بہت اونچے درجے والی عورتوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر بغیر خاوند کے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی شخصیت عطا فرمائی۔ اور بعضوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہے۔ یعنی جس طرح لڑکا بے پردہ پھرتا ہے۔ اور جو عمومی خدمات لڑکا کر سکتا ہے۔ وہ لڑکی نہیں کر سکتی۔ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ، اور بے شک میں نے اس کا نام رکھا ہے مریم۔ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ، اور بے شک میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ اور اس کی اولاد کو، اس شیطان سے جو مردود ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ شیطان چوکا لگاتا ہے۔ اپنا ٹیکا لگاتا ہے، اپنا اثر ڈالنے کے لئے۔ لیکن حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام محفوظ رہے۔ ان کو چوکا نہیں مارا۔ ان کی والدہ کی دعا کی وجہ سے۔ کیونکہ ان کی دعا تھی کہ مریم علیہا السلام کو بھی بچا اور اس کی اولاد کو بھی اور اولاد میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور بہت جلد آنے والے ہیں (ان شاء اللہ تعالیٰ) کیونکہ قرائن

اور شواہد سارے مل رہے ہیں۔ آ کر عرب کے ازدسنوًا خاندان کی ایک عورت سے نکاح کر لیں گے۔ یہ خاندان سارے کا سارا طبعی طور پر شریف ہے۔ اس عورت سے دو لڑکے ہوں گے ایک کا نام موسیٰ اور دوسرے کا نام محمد رکھیں گے۔ یہاں تک تو ثابت ہے آگے رب جانتا ہے کیا ہو گا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىۡ فِى الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِىۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۴۱﴾

فَتَقَبَّلَهَا ، پس قبول کیا اس کو۔ رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ ، اس کے رب نے اچھے طریقہ سے قبول کرنا۔ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ، اور اس کو بڑھایا، بڑھانا اچھے طریقہ سے۔ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ، اور اس کی سرپرستی کی زکریا علیہ السلام نے۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ، جب بھی

بھی داخل ہوتے زکریا علیہ السلام اس کے پاس کمرے میں۔ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا، پاتے تھے
اس کے پاس رزق۔ قَالَ يٰمَرْيَمُ، فرمایا، اے مریم! اَنّٰى لَكِ هٰذَا، کہاں سے آیا ہے یہ
تیرے پاس رزق۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وہ کہتی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اِنَّ
اللّٰهَ يَرْزُقُ، بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ، جس کو چاہے۔ بِغَيْرِ حِسَابٍ
O بغیر حساب کے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ، اس جگہ میں دعا کی زکریا علیہ السلام نے اپنے
رب سے۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ، فرمایا اے میرے رب! دے مجھے۔ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً
، اپنی طرف سے اولاد ستھری۔ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ O بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا۔
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ، پس آواز دی ان کو فرشتوں نے۔ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ، اور وہ
کھڑے تھے نماز پڑھتے تھے کمرے میں۔ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى، بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری
دیتے ہیں تجھے یحییٰ علیہ السلام کی۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، جو تصدیق کرنے والے ہوں
گے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمے کی۔ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا، اور سردار ہوں گے اور اپنے آپ کو
عورتوں سے دور رکھنے والے ہوں گے۔ وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ O اور نبی ہوں گے نیکوں میں
سے۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ کہا زکریا علیہ السلام نے اے میرے رب! کس طرح ہوگا
میرا لڑکا۔ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ، اور تحقیق پہنچ چکا ہے مجھے بڑھاپا۔ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ، اور بیوی میری
بانجھ ہے۔ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ، فرشتے نے کہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مَا يَشَآءُ O
جو چاہے۔ قَالَ رَبِّ، کہا زکریا علیہ السلام نے اے میرے رب! اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً، بنا میرے لئے
نشانی۔ قَالَ اٰيَتُكَ، فرمایا تیری نشانی یہ ہے۔ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ، کہ تو کلام نہیں کر سکے گا لوگوں
کے ساتھ۔ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا، تین دن مگر اشارے سے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اور ذکر کر اپنے

رب کا۔ كَثِيْرًا، کثرت سے۔ وَّ سَبِّحْ، اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر۔ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ O پہلے پہر اور صبح کے وقت۔

کل کے سبق میں یہ بیان ہوا تھا کہ بیت المقدس کے شہر میں جو مسجدِ اقصیٰ ہے۔ جس پر 1967ء میں یہودیوں نے قبضہ کیا ہے اور ابھی تک ان کے قبضہ میں ہے۔ اور بے غیرت مسلمان ابھی تک ان سے قبضہ چھڑا نہیں سکے اس مسجدِ اقصیٰ کے امام اور خطیب تھے۔ حضرت عمران بن ماثان رحمہ اللہ تعالیٰ جو بڑے نیک پارسا اور حق گو بزرگ تھے۔ اور ان کی بیوی بھی بڑی نیک اور پارسا تھی جوان سال بیٹے ہارون رحمہ اللہ کے فوت ہونے پر پریشان ہوگئیں کہ میرے خاوند عمران تو دینی خدمت کرتے ہیں لیکن ان کے بعد یہ گدی خالی ہو جائے گی۔ اور ادھر بچے بچی کی امید ہوگئی۔ اور منت مان لی کہ میں اس کو دین کے لئے وقف کر دوں گی چنانچہ جب حضرت مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں تو مسجدِ اقصیٰ کی انتیس آدمیوں کی کمیٹی میں سے قرعہ اندازی کے بعد یہ خدمت حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔ اور بچی ان کے حوالے کر دی گئی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ، بس قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھے طریقہ سے قبول کرنا۔ ماں کی نیت بہت اچھی تھی، باپ نیک، خالو حضرت زکریا علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، خالہ نیک، سارا گھرانہ ہی نیکوں کا تھا۔ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا، اور اس کو بڑھایا، بڑھانا اچھے طریقے سے۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ صحت مند بچہ پندرہ دنوں میں جتنا بڑھتا ہے وہ ایک دن میں اس قدر بڑھ جاتی تھیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ صحت مند بچہ دو ماہ میں جتنا بڑھتا ہے وہ دو دن میں اتنی بڑھ جاتی تھیں۔ رب تعالیٰ نے اس کو بڑھایا اور اچھے طریقے سے نشوونما فرمائی۔ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا، اور اس کی سرپرستی فرمائی زکریا علیہ السلام نے۔ کل میں

نے عرض کیا تھا کہ انہوں نے ایک جالی دار چوبارہ بنوایا ہوا تھا۔ جس سے نیچے کا منظر دور دور تک نظر آتا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کہیں جاتے تھے۔ تو تالا لگا کر چابی ساتھ لے جاتے تھے۔ اس کا ذکر ہے۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ، جب کبھی بھی داخل ہوتے زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کے پاس کمرے میں، جہاں وہ رہتی تھیں ۔وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا، پاتے تھے اس کے پاس رزق۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ سردیوں کے موسم کا پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے موسم کا پھل سردیوں میں وافر ہوتا۔ قَالَ يٰمَرْيَمُ، فرمایا، اے مریم! اَنّٰى لَكِ هٰذَا، یہ پھل تیرے پاس کہاں سے آتے ہیں کمرے کو میں تالا لگا کر جاتا ہوں، چابی میرے پاس ہوتی ہے۔ ادھر کمرے کی طرف آنے کی کسی کو جرأت نہیں۔ اور یہ پھلوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، حضرت مریم علیہا السلام کہتی تھیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ اور ولی چاہے مرد ہو یا عورت ہو کرامت ان کا فعل نہیں ہوتا۔ ایسی طرح معجزہ بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ مگر نبی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ معجزے کا لغوی معنٰی ہے دوسروں کو عاجز کرنے والی چیز یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ دیکھو قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت سارے معجزات کا ذکر ہے۔ ان میں اس معجزے کا ذکر بھی ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ مدین سے واپس مصر تشریف لا رہے تھے۔ جب وادئ طوی (جو کے طور کے دامن میں ہے) پہنچے رات کا وقت تھا وہاں روشنی تھی جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تجلی تھی۔ جب وہاں پہنچے منجانب اللہ نبوۃ اور رسالت عطا ہوئی۔ تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے

تصدیق رسالت کے لئے معجزہ بھی عطا فرمایا۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے، وَاَنْ اَلْقِ عَصَاکَ ۔ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ کَاَنَّهَا جَانٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ۔ اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو پھن ہلاتے جیسا پتلا سانپ الٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر۔ پہلے لاٹھی پتلا سانپ بن جاتی تھی اور بڑھتے بڑھتے اژدھا کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے۔ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ، (بڑا اژدھا) کے الفاظ آئے ہیں۔ یا یوں کہہ لیں کہ ابتدائی طور پر پتلا سانپ اور فرعون کے پاس بڑا اژدھا ہو کر وہ لاٹھی نمودار ہوئی۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ جب کہ رب تعالیٰ کو علم تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی کہ دیکھ لے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب یہ سانپ بنے تو تجھے خیال ہو کہ میں لاٹھی کی جگہ سانپ اٹھائے پھرتا ہوں۔ فرمایا، میری لاٹھی ہے۔ فرمایا پھینک دے جب پھینکی تو پتلا سانپ بن گیا۔ سانپ نے ادھر ادھر دوڑنا شروع کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ اس خیال سے کہ موذی چیز ہے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ اور پیغمبر سے زیادہ قوی ایمان کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ! دوڑ نہ اس پر ہاتھ رکھ۔ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی، ہم اس کو پہلی شکل میں بدل دیں گے۔ یہ لاٹھی کی لاٹھی ہو جائے گی۔ اب اگر معجزہ اپنے اختیار میں ہوتا تو معلوم ہوتا کہ یہ اب پھر لاٹھی بن جائے گی۔ سانپ تو ہے نہیں یہ تو میری لاٹھی ہے۔ تو یاد رکھنا کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں۔ معجزہ نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اور کرامت ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتی ہے۔ معجزے میں نبی کا دخل نہیں اور کرامت میں ولی کا دخل نہیں ہوتا۔ تو یہ بے موسمے پھلوں کا آنا حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔ اور ولی کو جو کرامت حاصل ہوتی

ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ وہ صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا پیروکار ہوتا ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ عجیب وغریب چیزیں صادر فرمادیتے ہیں۔ سورۃ النحل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی آصف بن برخیار رحمہ اللہ کی کرامت کا ذکر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے۔ وہاں سے سبا کے علاقے کا سفر ایک مہینے کا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو بلقیس کا تخت مجھے لا کر دے۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ، ایک بہت بڑا جن تھا اس نے کہا حضرت تم ابھی اپنی مجلس سے نہیں اٹھو گے یعنی تم اپنے دفتر میں بیٹھ کر کام کرتے ہو اس سے تم ابھی فارغ نہ ہو گے کہ میں تمہیں تخت لا کر دے دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بھی جلدی چاہتے تھے۔ آصف ابنِ برخیار رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا حضرت میں چشمِ زدن میں لا کر دے دوں گا۔ یعنی تم نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو اور پھر نیچے دیکھو تو تخت حاضر ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے اتنی دیر میں تخت لا کر رکھ دیا۔ اور کہا۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ، یہ میرے رب کا کام ہے۔ تو معجزات اور کرامتوں کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے۔ ان کا انکار نہ کرو مگر ان کی حقیقت کو سمجھو منکرینِ حدیث اور باطل فرقے معجزات اور کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ وہ معجزے اور کرامت کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے۔ رزاق صرف رب تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا رزق کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمے پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے خیال کیا کہ جو رب مریم علیہا السلام کو بے موسمے پھل دے سکتا ہے وہ مجھے بھی اولاد دے سکتا ہے۔ کیونکہ اولاد کا موسم تو میرا ابھی نہیں ہے کہ ایک سو بیس ۱۲۰ سال میری

عمر ہے۔ اور نواسی ۸۹/ سال میری بیوی کی عمر ہے۔ توھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ، اس کمرے میں دعا کی زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے۔ قَالَ رَبِّ ھَبْ لِی ، عرض کیا اے میرے رب ! دے مجھے۔ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ، اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد۔ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ O بے شک تو ہی ہے دعائیں سننے والا۔ سمیع بھی تو ہے بصیر بھی تو ہے۔ دینے والا بھی تو ہی ہے۔ تیرے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا ، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے۔ وَیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ O اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔ اَوْیُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّ اِنَاثًا ، یا ان کو بیٹے بیٹیاں دونوں عطا فرماتا ہے۔ اس کے خزانے میں کیا کمی ہے۔ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ سارے ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کرائیں سارے دم درود والوں سے علاج کرائیں، جب رب کسی کو نہ دے تو کوئی کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نماز میں کھڑے تھے۔ فَنَادَتْہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ، پس آواز دی ان کو فرشتوں نے۔ جبرائیل علیہ السلام آئے اور ان کے ساتھ اور بھی فرشتے تھے۔ البتہ گفتگو کرنے والے جبرائیل علیہ السلام تھے۔ وَھُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ، اور وہ کھڑے تھے نماز پڑھتے تھے کمرے میں۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں حضرت مریم علیہا السلام رہتی تھیں۔ فرشتے نے کہا۔ اَنَّ اللہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی ، بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتے ہیں تجھے یحییٰ (علیہ السلام) نامی لڑکے کی۔ سورہ مریم میں آتا ہے۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا O نہیں بنایا ہم نے اس کے لئے اس سے پہلے کوئی ہم نام یعنی ان سے پہلے کسی بچے کا نام یحییٰ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کا نام یحییٰ رکھا (علیہ السلام)۔ مُصَدِّقًا ، بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللہِ

، جو تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمے کی۔ اور کلمے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کلمۂ کن سے پیدا فرمایا ہے۔ بغیر باپ کے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک ہی دور تھا۔ چونکہ اس وقت یہودیوں کا زور تھا اور انہوں نے دین کا نقشہ بدل کے رکھ دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب حق کی باتیں بیان فرمائیں تو سارے دشمن ہو گئے۔ مگر حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید اور تصدیق فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ بیان فرماتے ہیں حق ہے۔ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا ، اور اپنے دور کے سردار ہوں گے اور اپنے آپ کو عورتوں سے دور رکھنے والے ہوں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبرون میں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے شادی نہیں فرمائی۔ اور جامع صغیر صفحہ ۳۸ر جلد ا میں روایت آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ، چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ اَلْحَيَاءُ، یعنی تمام پیغمبر صاحبِ حیاء تھے۔ وَالتَّعَطُّرُ ، اور خوشبو لگانا، تمام پیغمبر خوشبو استعال فرماتے تھے۔ یعنی خوشبو لگانا پیغمبروں کی سنت ہے۔ وَالنِّكَاحُ، اور نکاح کرنا یعنی شادی کرنا پیغمبروں کی سنت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی۔ کیونکہ وہ تینتیس ۳۳ر سال کی عمر میں زندہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے جب نازل ہوں گے تو عرب کے قبیلہ ازد کی ایک عورت سے شادی کریں گے جیسا کہ کل میں نے بیان کیا تھا۔ چوتھا فرمایا۔ وَالسِّوَاكُ، اور مسواک کرنا یہ بھی پیغمبرانہ سنت ہے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے اس کا درجہ ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس نماز سے جو بغیر مسواک کئے پڑھی جائے۔ اور فرمایا۔ اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ وَ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ ، کہ مسواک منہ کو پاک صاف رکھتی ہے اور رب کو راضی رکھنے والی چیز ہے اور ایک

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جب بھی تشریف لاتے تھے مجھے دو چیزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ ایک مسواک کرنے کی ،حتیٰ کے میں نے مسواک کر کر کے اپنے مسوڑے چھیل لئے اور دوسرا پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی۔ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِثُہٗ ، حتیٰ کہ مجھے یہاں تک گمان ہوا کہ مرنے کے بعد پڑوسی کو وراثت ملے گی۔ اور ایک روایت میں اَلْخِتَانُ کا بھی ذکر آتا ہے۔ کہ ختنہ کرنا بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ تو حصوراً کا معنیٰ بیان کر رہا تھا۔ کہ حصوراً کے معنیٰ ہیں اپنے آپ کو عورتوں سے الگ رکھنا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں طبعی خواہشات رکھی ہیں۔ مگر پیغمبر ،پیغمبر ہوتا ہے۔ جس طرح وہ اپنے جسم پر کنٹرول کر سکتا ہے اس طرح کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا مَعْشَرَ الشَّبَاب !اے نوجوانوں کے گروہ تم نکاح کرو۔ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْسَنُ لِلْفَرَجِ ،تمہاری نگاہیں بھی پست رہیں گی اور شرمگاہ بھی حرام کاری سے محفوظ رہے گی۔ اور فرمایا کہ جس کو شادی کی توفیق نہ دی گئی ہو اس کو چاہیے [illegible] مسلسل روزے رکھے روزوں کی برکت سے خواہشات میں کمی آئے گی [illegible] شادی کی توفیق ہوتے ہوئے تاخیر گناہ ہے۔ وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ اور نبی [illegible] سے۔ نبی سارے ہی نیک ہوتے ہیں۔ نبیوں سے بڑھ کر کون نیک ہو سکتا ہے۔ دعا کی قبولیت پر حضرت زکریا علیہ السلام تعجب میں مبتلا ہو گئے کہ بظاہر اسباب ایسے نہیں ہیں کہ اولاد ہو سکے کیونکہ وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور بیوی بھی بانجھ تھی تاہم وہ کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ کہا زکریا علیہ السلام نے اے میرے رب! کس طرح ہوگا میرا لڑکا۔ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ ،اور تحقیق پہنچ چکا ہے مجھے بڑھاپا۔ سر کے بال اور ڈاڑھی سفید

تھی۔وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي، کے الفاظ بھی قرآن پاک میں آتے ہیں کہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا، اور جب میں چلتا ہوں تو کبڑا ہوکر چلتا ہوں۔اور بڑھاپے میں ایسا ہوجاتا ہے۔ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ، اور بیوی میری (جس کا نام رحمت رحمہا اللہ تعالیٰ تھا) بانجھ ہے۔ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ○ فرشتے نے کہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ فرشتے نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر میں خود نہیں آیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ قَالَ رَبِّ کہا زکریا علیہ السلام نے اے میرے رب!۔اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً، میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے۔جس سے میں سمجھ جاؤں کہ میری بیوی باامید ہوگئی ہے۔ دیکھو پیٹ کی خبر اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بھی نہیں جانتا۔اور پھر عجیب بات ہے کہ اپنی بیوی کے متعلق نہیں جانتا۔اور یہاں لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ولی بھی پیٹ کی چیزیں جانتے ہیں۔ حالانکہ زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور پیغمبر سے بڑھ کر کس کی حیثیت ہے۔ قَالَ اٰيَتُكَ، فرمایا تیری نشانی یہ ہے۔اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ، کہ تو کلام نہیں کر سکے گا لوگوں کے ساتھ۔ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ، تین دن۔اور دوسری جگہ لَيَالِي کا لفظ بھی آیا ہے۔تین راتیں۔تو پھر مطلب یہ بنے گا کہ تم تین دن اور تین راتیں جب لوگوں کے ساتھ کلام کرنا چاہو گے تو تمہاری زبان نہیں چلے گی۔ اِلَّا رَمْزًا، مگر اشارے کے ساتھ لوگوں کو سمجھاؤ گے۔کہ وضو کرو نماز پڑھو، تو جب یہ کیفیت ہو تو سمجھ جانا کہ میری بیوی باامید ہوگئی ہے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا، اور ذکر کر اپنے رب کا کثرت سے۔وَّ سَبِّحْ، اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر، تسبیح پڑھ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔حدیث شریف میں آتا ہے، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَفْضَلُ الْكَلَامِ ہے۔ہمیں اور آپ کو اس کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے۔اور بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے۔اَفْضَلُ الْكَلِمَاتِ

اَرْبَعٌ۔ چار کلمے بڑے افضل ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ ان کلمات کا ذکر وضو ہو یا نہ ہو کیا جا سکتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے، گھر بیٹھے ہوئے۔ لیٹے ہوئے ہو، چل پھر رہے ہو، کام کر رہے ہو، ہر حال میں کیا جا سکتا ہے۔ دیکھو کتنی سہولت رب تعالیٰ نے دی ہے۔ تو فرمایا رب کی تسبیح بیان کر۔ بِالْعَشِیِّ پچھلے پہر، دو پہر کے بعد کا جو وقت ہے۔ اس کو عربی میں عَشِیٌّ کہتے ہیں۔ وَالْاِبْکَارِ O اور پہلے پہر بھی رب کا ذکر کر مطلب یہ ہے کہ صبح شام رب کے ذکر میں مشغول رہ۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ
وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ
وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ
نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ
الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ
۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ
كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ۝

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ ،اور جب کہا فرشتوں نے۔ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ ،اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ۔
اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ ، تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک رکھا ہے۔ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ
الْعٰلَمِيْنَ ○ اور تجھے چنا ہے سب جہاں والی عورتوں پر۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ ،اے مریم!

فرمانبرداری کر اپنے رب کی وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ، اور سجدہ کر اور رکوع کر۔ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ O رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ، یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ، اس کو ہم وحی کرتے ہیں تیری طرف۔ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ، اور نہ تھے آپ ان کے پاس۔ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ، جس وقت انہوں نے پھینکیں اپنی قلمیں۔ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ، ان میں کون سرپرست بنے مریم کا۔ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ، اور نہ تھے آپ ان کے پاس۔ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ O جب انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ، جس وقت کہا فرشتوں نے اے مریم! اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکِ، بے شک اللہ تعالیٰ تجھے خوشخبری دیتا ہے۔ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ، اپنی طرف سے ایک کلمے کی۔ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ، نام اس کا مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، رتبے والا ہوگا دنیا میں اور آخرت میں۔ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ O اور اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوگا۔ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ، اور کلام کرے گا لوگوں کے ساتھ۔ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا، گود میں اور ادھیڑ عمر میں۔ وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ O اور نیکوں میں سے ہوگا۔ قَالَتْ رَبِّ، کہا اس نے اے میرے رب! اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ، کس طرح ہوگا میرا لڑکا۔ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ، اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی مرد نے۔ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰهُ، کہا فرشتے نے اسی طرح اللہ تعالیٰ۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ، پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا، جب طے کرتا ہے کسی معاملے کو۔ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ، پس پختہ بات ہے کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو۔ کُنْ فَیَکُوْنُ O ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے۔

یہ واقعہ پیچھے سے چلا آرہا ہے۔ کہ حضرت مریم کی سرپرستی حضرت زکریا علیہ السلام کے ذمہ تھی۔ انہوں نے اس کی پرورش کی۔ حضرت مریم علیہا السلام جوان ہوگئیں۔ آگے اس کا ذکر ہے۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ، اور جس وقت کہا اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے۔ حضرت جرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور

ان کے ہمراہ اور فرشتے بھی تھے۔ مگر متکلم حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ فرمایا۔ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ ،اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ۔ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ، تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک رکھا ہے برے اخلاق اور بری نظروں سے۔ اور تمام بری چیزوں سے۔ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ O اور تجھے چنا ہے سب جہاں والی عورتوں پر۔ یعنی جہان کی تمام عورتوں پر تجھے فضیلت عطا فرمائی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بغیر خاوند کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا لڑکا عطاء فرمایا۔ اور اس کی نظیر نہ اس امت میں ہے نہ پہلی کسی امت میں کہ کسی عورت نے خاوند کی ملاقات کے بغیر بچہ جنا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ، پیدا کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے۔ پھر اماں حوا علیہا السلام کو ان کی پسلی سے پیدا فرمایا۔ تو حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے لڑکا عطاء فرمایا جس کے بارے میں کچھ بات آج ہوگی۔ اور کچھ کل کی آیتوں میں آئے گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) فرمایا، یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ ،اے مریم! فرمانبرداری کر اپنے رب کی، کہ رب تعالیٰ نے تجھے درجہ عطاء فرمایا ہے، مقام عطاء فرمایا ہے۔ اپنے رب کا شکریہ ادا کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی دیر تک قیام فرماتے تھے کہ تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ، آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے۔ اور سردیوں میں جب آپ ٹھنڈے پانی کے ساتھ وضو فرماتے تھے۔ تو تَشَقَّقَتْ قَدَمَاهُ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پھٹ جاتے تھے۔ ساتھیوں نے دیکھا تو کہنے لگے حضرت آپ کے قدم مبارک سوج گئے ہیں۔ اور پھٹ گئے ہیں آپ اتنی عبادت نہ کریں اللہ تعالیٰ نے آپ کے بڑے درجے بلند فرمائے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا، تو کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنے

درجات سے نوازا ہے۔ تو میں اس کا شکریہ ادا نہ کروں، مجھے زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو فرمایا تو اپنے رب کی عبادت کر۔ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ، اور سجدہ کر اور رکوع کر۔ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ O رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں لیکن جب حالات بدلنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پابندی لگا دی۔ ہاں آج بھی اگر فتنے کا خطرہ نہ ہو اور عورتیں پردہ کر کے پورے اہتمام کے ساتھ آئیں۔ تو جائز ہے۔ ہمارے ہاں بھی عورتیں جمعہ پڑھنے کے لئے آتی ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتی ہیں۔ اور اس وقت اوپر بیٹھی درس بھی سن رہی ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ بڑا نازک ہے۔ فتنے کا دور ہے۔ اس واسطے احتیاط ضروری ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کا یہ واقعہ جو ہم نے تمہیں بتایا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ، یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ، اس کو ہم وحی کرتے ہیں تیری طرف۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ، اور نہ تھے آپ ان کے پاس۔ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ، جس وقت انہوں نے پھینکیں اپنی قلمیں قرعہ اندازی کے لئے۔ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ؟، ان میں کون سرپرست بنے مریم کا۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے منت مانی تھی کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں اس کو دین کے لئے وقف کر دوں گی تو جس وقت حضرت حنہ بنت فاقوذ رحمہا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو جنم دیا تو پاک صاف کر کے مسجدِ اقصیٰ کی انتظامیہ کمیٹی کے پاس پہنچا دیا کہ یہ میری منت ہے وہ میں نے پوری کر دی ہے آگے انتظام کرنا تمہارا کام ہے۔ تو انتظامیہ کمیٹی جو انتیس ۲۹ آدمیوں پر مشتمل تھی۔ ان میں خاصا جھگڑا ہوا۔ کہ ہر آدمی کی خواہش تھی کہ اس کا انتظام میرے سپرد ہو۔ اور اس کی خدمت میں کروں۔ کیونکہ ہمارے

امام خطیب کی بیٹی ہے۔اور کوئی آدمی بھی اپنے دعویٰ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔تو انہوں نے اس کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کرنے پر اتفاق کرلیا۔اور اس کا طریقہ یہ طے پایا کہ ہر ایک اپنی اپنی قلم لے آئے اور اس پر نشانی لگالے اور قریب ہی جو نہر اردن ہے سب حضرات اپنی قلمیں اس میں ڈال دیں۔جس کی قلم رک جائے اور دوسری تفسیر کے مطابق الٹی سمت تیرنے لگے وہ کامیاب ہے۔چنانچہ انتیس ۲۹ آدمیوں نے اپنے اپنے قلم نہر میں ڈال دیئے۔ان میں سے حضرت زکریا علیہ السلام جیت گئے۔کہ خدا کی قدرت سے ان کا قلم جس طرف سے پانی آرہا تھا اس طرف چل پڑا تو سب نے جب خلافِ عادت یہ بات دیکھی تو سب کو یقین ہو گیا اور ہر ایک نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ ،اور نہ تھے آپ ان کے پاس۔اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ☆ جب انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔اور ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کا کفیل میں بنوں۔یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتایا ہے۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اور رسالت کی دلیل ہے۔تو حضرت مریم علیہا السلام جب سنِ بلوغت کو پہنچ گئیں،تو فرشتوں نے آکر آپ کو بشارت دی،آگے اس کا ذکر ہے۔اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ ،جس وقت کہا فرشتوں نے اے مریم!اس مقام پر اجمال ہے۔اور سولہویں پارے میں سورۃ مریم میں تفصیل ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس جس کمرے میں رہتی تھیں اس کی بیرونی دیوار کا جو کونہ تھا۔جہاں دو دیواریں اکٹھی ہوتی تھیں دونوں دیواروں پر کیل ٹھونکے ہوئے تھے۔اور ان کیلوں کے ساتھ ٹاٹ باندھ کر لٹکایا ہوا تھا۔چونکہ سادہ زمانہ تھا تو جب غسل کرنا ہوتا تھا تو ٹاٹ لٹکا لیتی تھیں۔ایک دن ٹاٹ لٹکایا،اور غسل کیا اور کپڑے پہنے۔تو فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، پس وہ فرشتہ متمثل ہوا ان کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں یعنی دیکھا تو ایک موٹا تازہ خوبصورت تندرست نوجوان

سامنے کھڑا ہے حضرت مریم گھبرا گئیں کہ اس تنہائی کے مقام میں اس مرد کا آنا اچھی نیت سے نہیں ہے۔ قَالَتْ، کہنے لگیں۔ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا، میں تجھ سے خدائے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں، اگر تو متقی ہے۔ یعنی اگر تو پرہیزگار ہے رب سے ڈرتا ہے۔ تو میں تجھے رحمٰن کا واسطہ دیتی ہوں۔ چلا جا تو یہاں کیوں آیا ہے۔ اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ، بے شک میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کی طرف سے، یعنی میں جبرائیل ہوں۔ تجھے خوشخبری سنانے کے لئے آیا ہوں۔ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ اور فرشتے بھی تھے۔ مگر متکلم جبرائیل علیہ السلام تھے۔ یہاں یہ الفاظ ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ، بے شک اللہ تعالیٰ تجھے خوشخبری دیتا ہے۔ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ، اپنی طرف سے ایک کلمے کی۔ مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بھی کہتے ہیں۔ اور کلمۃ اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ کی وساطت کے بغیر کلمۂ کن کے ساتھ پیدا فرمایا اور نام بھی اللہ تعالیٰ نے خود رکھا۔ اِسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ، نام اس کا مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہوگا۔ مسیح ان کا لقب اور عیسیٰ ان کا نام تھا۔ (علیہ السلام) محققین فرماتے ہیں کہ لفظِ عیسیٰ الیشوع کا معرب ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا نام عبرانی زبان میں ایشوع تھا۔ اور مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کہتے ہیں۔ اور دجال کو بھی۔ لیکن فقہاء کرام اور محدثینِ عظام اور مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دو طرح سے فرق بیان فرماتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ "مَسَحَ یَمْسَحُ" سے ہے۔ معنیٰ ہے ہاتھ پھیرنا۔ اور اسی سے ہے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ اور مسح کرو اپنے سروں کا یعنی اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نابینے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے، وہ رب کے حکم سے بینا ہو جاتا تھا۔ برص والے کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اس واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح

کہا جاتا ہے۔اور دجال کا نام جو مسیح ہے۔وہ سَاحَ ،یَسِیْحُ ،سَیَاحَۃً سے ہے۔جس کا معنیٰ ہے سیر وسیاحت کرنا۔اور دجال ساری زمین پر پھرے گا۔سوائے چار جگہوں کے۔مکہ مکرمہ،مدینہ منورہ ،بیت المقدس کا شہر اور طور کا پہاڑ ان چار جگہوں کے علاوہ ساری زمین پر اس کے ناپاک قدم پڑیں گے۔اس واسطے اس کو مسیح کہتے ہیں۔مذکورہ چار جگہوں میں بھی داخل ہونے کی بڑی کوشش کرے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کا منہ پھیر دیں گے۔دجال دنیا میں صرف چالیس دن رہے گا۔پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت وہ ایک دن جو سال کے برابر لمبا ہوگا۔تو اس میں نمازیں ایک دن کی پڑھیں گے یا ایک سال کی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازیں ایک سال کی پڑھنی ہیں۔دوسرا دن ایک ماہ کے برابر لمبا ہوگا۔اور نمازیں ایک ماہ کی پڑھنی ہیں۔تیسرا دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا اور نمازیں ایک ہفتے کی پڑھنی ہیں۔باقی سینتیس ر۳۷ دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔یعنی چوبیس گھنٹوں کے۔تو دجال چالیس دن دنیا میں رہے گا۔اور بڑا فتور مچائے گا۔خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ایسی جگہ جائے گا جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوگا۔لوگ کہیں گے اگر تو خدا ہے تو ہم پر بارش برسا۔مسمریزم کے ذریعے اشارہ کرے گا بادل اکٹھے ہو جائیں گے،بارش ہوگی لوگ کہیں گے ہمیں اور کون سا خدا چاہیے،بس یہی خدا ہے۔کوئی کہے گا میرے پاس کوئی شئے نہیں ہے۔میں بھوکا مر رہا ہوں۔زمین پر پاؤں مارے گا زمین سونا چاندی اگل دے گی۔کہے گا اٹھا لے مزے کر۔اور جو اس کو نہیں مانے گا اس کے گھر کا سارا سامان اس کے پیچھے چل پڑے گا کیا پیٹیاں یا چارپائیاں اور کیا پیڑیاں۔مسلمان کا گھر اس طرح صاف ہو جائے گا جس طرح ہتھیلی ہوتی ہے۔مسلمانوں کے لئے کھانے کے واسطے بھی کچھ نہ ہوگا۔ اور مسلمان کی خوراک ہوگی،سبحان اللہ ، الحمدللہ. بعض بدحواس ہوں گے جو یہ کلمات نہ پڑھ

سکیں گے۔ ریت اور مٹی پھانکیں گے، رب تعالیٰ اس کو شکر بنادے گا۔ اور دوسرا فرق مسیح علیہ السلام اور مسیحِ دجال میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اس کو دونوں جگہ مَسْح سے ہی لیا جائے۔ تو فعیل کا وزن فاعل کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اور مفعول کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ مسیح کا لفظ فاعل کے معنیٰ میں ہے۔ مسح کرنے والے۔ اور دجال کے ساتھ مسیح کا لفظ مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی ممسوح عینہٗ اس کی ایک آنکھ کا نور مٹا ہوا ہوگا۔ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ اس کی آنکھ جو کانی ہے وہ باہر نکلی ہوگی۔ اور بڑی بڑی نظر آئے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاد رکھو میں تمہیں اس کی ایک ایسی علامت بتاتا ہوں کہ مجھ سے پہلے کسی پیغمبر نے نہیں بتائی۔ فرمایا! دجال کانا ہوگا۔ اور تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ اس کے جادو اور مسمریزم سے متأثر ہو کر اس کو رب نہ بنالینا۔ اور بڑا کچھ کرے گا مگر اپنی آنکھ ٹھیک نہیں کر سکے گا۔ اس کی رب تعالیٰ اس کو قدرت نہیں دیں گے۔ باقی سب استدراج ہوگا۔ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام رتبے والے ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے زیادہ مقرب کون ہوسکتا ہے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ، اور کلام کرے گا لوگوں کے ساتھ۔ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا، گود میں اور ادھیڑ عمر میں۔ لغتِ عرب میں تیس اور چالیس سال کی درمیانی عمر کو کہولت کہتے ہیں۔ اس وقت بدنی قوتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ اور چالیس سال کے بعد آہستہ آہستہ کم ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس طرح جوانی میں گفتگو کریں گے گود میں بھی اسی طرح گفتگو کریں گے۔ اور گود میں گفتگو کرنے کا ذکر سولہویں پارے میں آتا ہے۔ کہ حضرت مریم علیہا السلام جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر آئیں۔ تو لوگوں نے سوال کیا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا، اے مریم! البتہ تحقیق لائی ہے تو

ایک چیز اوپری۔ کہ یہ کیا حرکت ہے؟ نہ تیری شادی نہ تیرا خاوند، اور بچہ اٹھائے پھرتی ہے۔ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ، پس حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔ کہ اس سے پوچھو کہاں سے آیا ہے؟ "قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا" کہنے لگے ہم کیسے پوچھیں اس بچے سے جو گود میں ہے وہ کیا بات کرے گا تو بتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر شروع فرما دی۔ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ، تحقیق میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا ہوں، نہ اس کی خدائی میں شریک ہوں۔ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا، اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کتاب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور رب تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ یہ ولادت کا پہلا یا دوسرا دن تھا۔ اور یہ سب کچھ سنتے اور دیکھتے ہوئے بھی ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔ نہ مانے بلکہ بدستور آج تک۔ لَقَدِ فْتَرَوْا عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا، البتہ تحقیق باندھا انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہتانِ عظیم کہ معاذ اللہ یہ بچہ حلالی نہیں ہے۔ ہم اس کو نبی کیوں مانیں؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ ضد اور ہٹ دھرمی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ فرمایا! وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اور نیکوں میں سے ہوگا۔ قَالَتْ رَبِّ، کہا اس نے اے میرے رب!۔ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ، کس طرح ہوگا میرا لڑکا۔ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ، اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی بشر نے، نہ جائز طریقے سے اور نہ ناجائز طریقے سے۔ اور سولہویں پارے میں ہے۔ وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا، اور نہیں ہوں میں بدکار کیونکہ بچہ ملنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے۔ اور یہاں دونوں نہیں ہیں۔ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ، اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ، پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ اِذَا قَضٰى اَمْرًا، جب طے کرتا ہے کسی معاملے کو۔ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ، پس پختہ بات ہے کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو۔ كُنْ فَيَكُوْنُ

○ تو ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان الفاظ کے ساتھ خوشخبری سنائی۔ کہ رب دینے والا ہے میں خوشخبری سنانے والا ہوں۔ تمہیں کیا پریشانی ہے۔ (اللہ تعالیٰ سمجھ عطاء فرمائے)

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ، اور اللہ تعالیٰ اس کو تعلیم دے گا کتاب کی۔وَ الْحِكْمَةَ ،اور دانائی کی۔وَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ،اور توراۃ اور انجیل کی۔وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ،اور رسول بنا کر بھیجے گا بنی اسرائیل کی طرف۔انہوں نے کہا۔اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ ،بے شک میں تحقیق لایا ہوں تمہارے پاس۔بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ، بے شک میں بناتا ہوں تمہارے لئے گارے سے۔كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ ،پرندے کی شکل کی طرح۔فَاَنْفُخُ فِيْهِ ،پس میں اس میں پھونک مارتا ہوں۔فَيَكُوْنُ طَيْرًا ،پس ہو جاتا ہے وہ پرندہ، بِاِذْنِ اللّٰهِ،اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ ،اور اچھا کرتا ہوں میں مادر زاد اندھوں کو اور برص والوں کو۔وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ،اور زندہ

کرتا ہوں مُردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کیساتھ۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ ،اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو۔ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ،اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ ،بے شک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے واسطے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اگر ہو تم مومن۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ ،اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اس چیز کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ مِنَ التَّوْرٰىةِ ،توراۃ سے۔ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ ،اور تا کہ میں حلال کر دوں تمہارے واسطے۔ بَعْضَ الَّذِيْ ،بعض وہ چیزیں۔ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ،جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ ،اور میں آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب کی طرف سے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ، پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے۔ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اور میری اطاعت کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ ،بے شک اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ فَاعْبُدُوْهُ ،پس تم اس کی عبادت کرو۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ یہ ہے سیدھا راستہ۔

کل کے درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری سنائی تو انہوں نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ جبکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حالت میں عطا فرمائے گا۔ اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ وہ بچہ بھی عنائیت فرمائے گا۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ، اور اللہ تعالیٰ اس کو تعلیم دے گا کتاب کی۔ کتاب سے کیا مراد ہے؟ تو مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس کی ایک تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ لکھنا مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو لکھنا سکھائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں، سب لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ،وہ اتباع کرتے ہیں رسول کی جو نبی اُمی ہے۔ وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ،

اور نہ لکھتے تھے اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ تو ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو لکھنے کی تعلیم دے گا۔ اور دانائی کی تعلیم دے گا۔ بعض مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور حکمت سے مراد حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے یعنی اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو قرآنِ کریم اور سنت کی تعلیم دیں گے چونکہ اہلِ اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اور اس پر قرآنِ پاک کی آیات اور احادیثِ متواترہ موجود ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے اور چالیس سال تک اس امت پر حکمرانی کریں گے اور قرآن وسنت کے مطابق ہی فیصلے فرمائیں گے۔ لہٰذا قرآن وسنت کا علم ان کے لئے ضروری ہے۔ یہ علم ہوگا تو اس کی روشنی میں فیصلے فرمائیں گے۔ اور اسی کے مطابق خود بھی عمل کریں گے۔ مثلاً بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض تھیں۔ وہ دو نمازیں پڑھتے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو پانچ نمازیں پڑھیں گے اور پانچ ہی پڑھائیں گے۔ جس طرح ہم پڑھتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلی نماز فجر کی نماز ہوگی وہ اس طرح کہ دمشق کی جامع مسجد اُموی میں صبح کی نماز تیار ہوگی۔ امام مہدی علیہ السلام آگے مصلے پر کھڑے ہوں گے اور تکبیر ہو رہی ہوگی کہ پیچھے سے آوازیں آئیں گی، نَزَلَ عِیسیٰ ابنِ مریم (علیہما السلام)، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام مصلے سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کریں گے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔ اور ان کا مقام بہت بلند ہے۔ اور یاد رکھنا کہ بے شک امام مہدی علیہ السلام کا مقام بھی اپنی جگہ بہت بلند ہے۔ مگر وہ کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ امام مہدیؑ کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ تو نبی کے درجے کو کس طرح پہنچ سکتے ہیں؟ کیونکہ پیغمبر، پیغمبر ہے۔ تو

حضرت امام مہدی علیہ السلام جب پیچھے ہٹنے کی کوشش کریں گے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے کندھے پر ہاتھ رکھیں گے اور فرمائیں گے۔تم نماز پڑھاؤ۔میں نے نماز تمہارے پیچھے پڑھنی ہے۔تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلی نماز فجر کی امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہو کر دمشق کی جامع مسجد اموی میں پڑھیں گے پھر یہی پانچ نمازیں پڑھائیں گے۔اور اسی دین پر عمل کریں گے۔آگے فرمایا وَ الْحِكْمَةَ ،اور دانائی کی۔وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ،اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا ان کو تورات اور انجیل۔تورات بنی اسرائیل کی مرکزی کتاب تھی۔اور بڑی جامع مانع تھی آسمانی کتابوں میں قرآنِ کریم کے بعد تورات کا مقام بہت بلند ہے۔اور انجیل اس کا تتمہ ہے۔اور انجیل کی حیثیت تم اس طرح سمجھو کہ ایک ہوتا ہے اخبار اور ایک ہوتا ہے ضمیمہ،اصل اخبار ہوتا ہے،جس میں خبروں کی تفصیل ہوتی ہے۔اور ضمیمے میں دو چار موٹی موٹی باتیں ہوتی ہیں۔تو اصل کتاب تو تورات تھی اور انجیل اس کا ضمیمہ تھا۔وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ،اور رسول بنا کر بھیجا بنی اسرائیل کی طرف۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔اور کسی قوم کے لئے نہیں تھی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا۔اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ ،بے شک میں تحقیق لایا ہوں تمہارے پاس۔بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ،نشانی (معجزہ) تمہارے رب کی طرف سے۔اپنی طرف سے نہیں کیونکہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔معجزے میں نبی کا ذاتی طور پر کوئی دخل نہیں ہوتا۔اور کرامت میں ولی کا ذاتی طور پر کوئی دخل نہیں ہوتا۔آگے نشانی کا ذکر ہے۔اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ ،بے شک میں بناتا ہوں تمہارے لئے گارے سے۔كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ ،پرندے کی شکل کی طرح بنا کر۔فَاَنْفُخُ فِيْهِ ،پس میں اس میں پھونک مارتا ہوں۔فَيَكُوْنُ طَيْرًا ،پس ہو جاتا ہے وہ پرندہ۔بِاِذْنِ اللّٰهِ ،اللہ تعالیٰ کے حکم کے

ساتھ۔ یعنی وہ مٹی سے بنایا ہوا پرندہ سچ مچ اڑ جائے گا۔ رہی یہ بات کہ وہ کون سا پرندہ تھا؟ تو مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چمگادڑ تھا۔ اور چمگادڑ کافی چیزوں میں انسان کے مشابہ ہے۔ لطیفہ۔ ڈارون، ہیکسلے، ہیگل، اور ہیون یہ سائنس دان گزرے ہیں ان مردودوں کی تحقیق یہ ہے کہ انسان پہلے مینڈک تھا۔ پھر بندر بنا دم کٹی تو انسان بن گیا۔ یہ ڈارون کا نظریہ تھا۔ پھر ان کے مقابلے میں ایسے ہی پاگل اور اٹھے وہ افریقہ اور دوسرے ملکوں کے سائنس دان ہیں وہ کہتے ہیں کہ ڈارون کا نظریہ غلط ہے۔ کہ انسان بندر سے بنا ہے۔ بلکہ انسان چمگادڑ سے بنا ہے۔ اے آدم کے بیٹو! انسان کو انسان ہی رہنے دو۔ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ کبھی مینڈک بناتے ہو۔ کبھی بندر بناتے ہو۔ کبھی چمگادڑ بناتے ہو۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے انسان ہی بنایا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ ان لوگوں کی عقلیں ماری گئی ہیں۔ یہ بے وقوف لوگ ہیں۔ انسان جس شکل میں ہے، رب تعالیٰ نے اسی شکل میں پیدا فرمایا ہے۔ باقی سب خرافات ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے چمگادڑ بناتے۔ اس میں پھونک مارتے وہ رب تعالیٰ کے حکم سے اُڑ کر چلی جاتی۔ اور یہ منظر سب لوگ دیکھتے تھے۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ، اور اچھا کرتا ہوں میں مادر زاد اندھوں کو۔ اکمہ، مادر زاد اندھے کو کہتے ہیں۔ اور اس کا طب اور ڈاکٹری کی دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ وہ بینا ہو جاتا تھا۔ اور اس طرح دیکھتا تھا جس طرح میں اور آپ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ وَالْاَبْرَصَ، اور برص والوں کو ٹھیک کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ برص پھلبہری کو بھی کہتے ہیں۔ اور برص کا معنیٰ جذام کا بھی کیا ہے۔ اور جذام میں سوداوی مادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور اس کے مریض کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اور ناک وغیرہ گل کر گر جاتے ہیں۔ اور طب والے کہتے ہیں کہ یہ متعدی

بیاری ہے۔ یعنی ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فِرَّ مِنَ الْمَجْزُوْمِ فِرَارَکَ مِنَ الْاَسَدِ، کوڑھے سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگا جاتا ہے۔ ہاں اگر کسی کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہو تو الگ بات ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھائی بھی ہے اور کھلائی بھی ہے۔ اور یہ دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر عوام کا حال یہ ہے کہ اگر کسی بیمار کی تیمارداری کے لئے جائیں اور اس کے اسی مرض سے بیمار ہو جائیں۔ تو اسی کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ فلاں نے مجھے بھی بیمار کر دیا ہے۔ لہٰذا عقیدے کی اصلاح ضروری ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے قرآن یاد کیا اور پھر بھول گیا۔ اس کو قیامت والے دن کوڑا کر کے اٹھایا جائے گا۔ اس واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ ہر بچے کو حفظ نہ کراؤ پہلے تم اس کا حافظہ دیکھو اگر حافظہ قوی ہے قرآنِ پاک کو یاد رکھ سکتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ حفظ نہ کراؤ۔ کیونکہ یاد کرنا فرض نہیں ہے، فضیلت کی بات ہے۔ لیکن یاد کر کے بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور میں اساتذہ کو بھی سبق دیتا ہوں کہ تم بچے کا اندازہ لگاؤ لڑکا ہو یا لڑکی وہ اس طرح کہ اس کو ایک پارہ یاد کراؤ۔ اور دیکھو کہ کتنی دیر میں یاد کیا ہے۔ منزل کیسی ہے، اگر مضبوط حافظے والا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ قرآنِ پاک کا ترجمہ اور دوسرے دینی علوم اس کو پڑھاؤ۔ کیونکہ یہ بھی دین کا حصہ ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوڑھ کی بیماری والے کو بھی ٹھیک کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ اور ایمان کی شرط کے ساتھ وہ اس طرح کہ بیمار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے کہ دیکھ بھائی ٹھیک اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے۔ میرا کام ہے ہاتھ پھیرنا۔ باقی کارروائی میرے بس میں نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ لیکن یہ وعدہ کر کہ مثال کے طور پر رب تعالیٰ تجھے آنکھیں بینائی والی عنایت فرمادے تو تو ایمان

لے آئے گا۔ یا تو مومن ہو جائے گا۔ اگر وہ کہتا کہ ہاں میں ایمان لے آؤں گا۔ تب ہاتھ پھیرتے تھے۔ اسی طرح برص کے مرض والے کے ساتھ بھی پہلے طے کر لیتے تھے۔ اور تفسیر جلالین وغیرہ میں لکھا ہے کہ تقریباً پچاس ہزار آدمی ان بیماریوں والے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اچھے کیے۔ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ، اور زندہ کرتا ہوں مُردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کیساتھ۔ اس مقام پر تفسیروں میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردوں کو زندہ کیا۔ پہلا حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام تھا۔ ویسے حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے سام، حام، یافث، اور کنعان جس کا نام یام تھا۔ یہ کفر پر مرا۔ باقی تین مسلمان تھے۔ تو سام کو زندہ کیا۔ وہ کچھ مدت زندہ رہا پھر فوت ہوگیا۔ دوسرا عازر رحمہ اللہ تعالیٰ تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوست تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو زندہ کیا۔ اور یہ دیر تک زندہ رہا۔ اس نے شادی بھی کی اور اولاد بھی ہوئی۔ تیسرا ایک بوڑھی عورت تھی۔ اس کا بیٹا تھا۔ اس کے فوت ہونے پر وہ بیچاری غمگین رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو زندہ کیا۔ وہ بھی دیر تک زندہ رہا۔ اور آگے اس سے نسل چلی چوتھا ایک چونگی پر ملازم تھا، عاشر اس کا نام تھا۔ اس کی بیٹی فوت ہوگئی اور یہ بیچارہ بڑا غمگین رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی بیٹی کو زندہ کیا۔ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ، اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو۔ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ، اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ خبریں صرف بنی اسرائیل کی قوم کو دیتے تھے کہ تو فلاں چیز کھا کے آیا ہے اور تو نے گھر کے فلاں کونے میں یہ چیز رکھی ہے۔ اور فلاں کونے میں یہ چیز رکھی ہے۔ اور یہ سب خبریں بطور معجزے کے تھیں۔ اور خاص بنی اسرائیل قوم کے لئے تھیں۔ حالانکہ وہاں اور بھی کافی قومیں آباد تھیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ صرف بنی اسرائیل کے واسطے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لہٰذا ان سب چیزوں کا

تعلق قوم بنی اسرائیل کے ساتھ تھا۔ چنانچہ انجیل متی میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں اور شاگردوں کو درس دے رہے تھے ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں بھی آپ سے کچھ فیض حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا کس خاندان سے تعلق ہے؟ اس نے کہا کہ کنعان کے خاندان سے یہ بنی اسرائیل سے الگ ایک خاندان تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا فیض تیرے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ میرا فیض صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے۔ تو میری کلاس میں شامل ہی نہیں ہے۔ وہ عورت بھی بڑی ضدی تھی بیٹھی رہی اور بار بار کہتی رہی کہ مجھے بھی فیض دو شاگردوں نے کہا کہ حضرت اس عورت سے جان چھڑاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو اس کو بڑے احسن طریقے سے کہہ دیا ہے۔ کہ میرا فیض تیرے لئے نہیں ہے۔ میں تو صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (لیکن افسوس کہ آج ان بھیڑوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیتی چر لی ہے)۔ پھر فرمایا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔ یعنی گھر کے بچوں کے لئے ضرورت کے مطابق جو کھانا تیار کیا ہے۔ وہ کتوں کو نہ ڈالو، یہ مثال ہے کہ میرا وقت تمہارے لئے نہیں ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوۃ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ اور جب قیامت سے پہلے آئیں گے تو وصفِ نبوۃ کے ساتھ آئیں گے کیونکہ نبوۃ چھینی نہیں جاتی۔ مگر آئیں گے امتی ہونے کی حیثیت سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جرنیل اور بادشاہ کمانڈر کی حیثیت سے اسلام کو نافذ کریں گے۔ اور جس علاقے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے وہاں اسلام کے بغیر کوئی اور دین باقی نہیں رہے گا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ، بے شک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے واسطے۔ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ اگر ہو تم مومن۔ یعنی اتنے معجزے تمہیں دکھا دیئے کہ بفضل اللہ تعالیٰ نابینا، بینا ہو گئے مردے زندہ ہو گئے۔ اتنی چیزیں

دیکھ کر بھی اگر تم ایمان نہ لاؤ۔ تو ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ یہودی کہتے تھے کہ یہ ہمارے دین کا مخالف ہے۔ کیونکہ یہودیوں نے دین کی شکل مسخ کر کے رکھ دی تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی اصلاح فرماتے تھے۔ جس طرح آج کل اہلِ بدعت (بریلویوں) نے اس دین کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ جو دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا تھا۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے حاصل کر کے اس پر عمل کیا تھا۔ جو تابعین، تبع تابعینؒ سے چلا آرہا تھا۔ اسے اس حد تک بگاڑا کہ جو بدعات ہیں وہ سنت بن گئی ہیں اور جو سنت کو بیان کرے، حق بیان کرے اس کو وہابی کہہ دیتے ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اصل دین پیش کرتے تو یہودی کہتے کہ یہ ہمارے دین کا مخالف ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کا شبہ دور فرمایا۔ کہ ظالمو! سن لو میں تو وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ، اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اس چیز کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ مِنَ التَّوْرٰةِ، تورات سے۔ یعنی میں تو، تورات کا مصداق ہوں۔ جھٹلانے والا نہیں ہوں۔ میرا تو اصل مذہب ہی تورات ہے۔ تم نے تورات کی تعلیم کو بدل ڈالا ہے۔ میں تصحیح کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کا اس وجہ سے بھی ان کو موقع مل گیا (آٹھویں پارے میں اس کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ) کہ یہود کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ چیزیں حرام فرمائی تھیں۔ مثلاً اونٹ اور بطخ اور شتر مرغ، ان پر حرام تھا۔ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ، یہ سزا ہم نے ان کو دی تھی ان کی شرارت کے سبب سے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان پر حلال فرمادیں۔ یہودیوں کو بڑا مضبوط بہانہ مل گیا کہ دیکھو جی! یہ چیزیں حرام تھیں۔ اور یہ کہتا ہے حلال ہیں۔ یہ ہمارے دین کو بگاڑتا ہے۔ یہودیوں نے احتجاج کیا۔ مظاہرے کئے کہ اس شخص کو روکو۔ اس کو سولی پر لٹکاؤ۔ یہ ہمارے بڑوں کی تعلیم کی

مخالفت کرتا ہے۔ اس وقت رومیوں کی حکومت تھی۔ اور شام کا گورنر تھا ہیروڈ اس نے مرکز کو حالات سے آگاہ کیا اگلی آیات میں بات آرہی ہے کہ جب انہوں نے بہت شور ڈالا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کا پروگرام بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھا لیا۔ فرمایا، وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ، اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے واسطے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔ یعنی جو چیزیں تمہاری سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم پر حلال کر دی ہیں۔ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ، اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ، پس اے لوگو! ڈرو تم رب تعالیٰ سے۔ وَاَطِيْعُوْنِ ○ اور میری اطاعت کرو اور یہ چیزیں چونکہ عموماً انسان سے صادر نہیں ہو سکتیں مثلاً مٹی کا پرندہ بنا کے اڑا دینا۔ مردے کو زندہ کر دینا کوڑھے کو اچھا کر دینا۔ اندھے کو بینا کر دینا۔ تو کہیں یہ نرالی اور اوپری چیزوں کا مجھ سے صدور دیکھ کر مجھے رب نہ سمجھ لینا۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ، بے شک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یہ تو معجزے ہیں رب تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر صادر کئے ہیں۔ فَاعْبُدُوْهُ، پس تم اس کی عبادت کرو اس کی یعنی عبادت صرف رب کی کرنی ہے۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ یہ ہے سیدھا راستہ۔ جس کی دعوت دینے کے لئے میں آیا ہوں۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾

فَلَمَّا، پس جس وقت۔ اَحَسَّ عِیْسٰی محسوس کیا عیسیٰ علیہ السلام نے۔ مِنْهُمْ، ان بنی اسرائیلیوں سے۔ الْكُفْرَ، کفر۔ قَالَ، فرمایا۔ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ، کون میری مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے تک۔ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ، کہا حواریوں نے۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ، ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے

مددگار ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ، ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ پر۔ وَاشْهَدْ، اور اے عیسیٰ علیہ السلام گواہ بن جانا۔ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ O، بے شک ہم فرمانبردار ہیں۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا، اے ہمارے رب ہم ایمان لائے۔ بِمَآ اَنْزَلْتَ، اس چیز پر جو تو نے نازل کی۔ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ، اور ہم نے پیروی کی رسول کی۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ O، پس تو لکھ ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں سے۔ وَمَكَرُوْا، اور ان کافروں نے تدبیریں کیں۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ، اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ O، اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سے سب سے بہتر ہے۔ اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى، جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ علیہ السلام۔ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ، بے شک میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں۔ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ، اور اپنی طرف تجھے اٹھانے والا ہوں۔ وَمُطَهِّرُكَ، اور تجھے پاک کرنے والا ہوں۔ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، ان لوگوں سے جو کافر ہیں۔ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ، اور کرنے والا ہوں ان لوگوں کو۔ اتَّبَعُوْكَ، جنہوں نے تیری پیروی کی۔ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا، اوپر ان لوگوں کے جو کافر ہیں۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، قیامت کے دن تک۔ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ، پھر میری طرف ہی ہے تمہارا لوٹنا۔ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ، پس میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان۔ فِيْمَا، ان چیزوں میں۔ كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ O، کہ جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، پس بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا، پس میں ان کو سزا دوں گا سخت سزا۔ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ O، اور نہیں ہوگا ان کا کوئی مدد گار۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اور بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، اور عمل کئے انہوں نے اچھے۔ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ، پس ان کو اللہ تعالیٰ پورے پورے اجر دے گا۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ O، اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظالموں کے ساتھ۔

اس سے پہلی آیات میں ان معجزات کا ذکر تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔ مثلاً مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارنا اور اس کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن کر اڑ جانا۔ اور مادر زاد اندھے کا بینا ہو جانا۔ اور پھل بہری والے کا ٹھیک ہو جانا۔ مردوں کا زندہ ہونا۔ اور یہ سب کچھ لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا مگر لوگ ضد پر اڑے رہے اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے۔ حالانکہ یہ کوئی معمولی نشانیاں نہیں تھیں۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ کہ ایک آدمی اس بات پر ڈٹا ہوا ہے کہ میں نہیں مانتا۔ تو اس کو کون منوا سکتا ہے؟ تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے حجت پوری کر دی۔ زبانی طور پر بھی ان کو سمجھایا اور عملی طور پر یہ سارے معجزے بھی ان کو دکھائے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اس کا ذکر ہے فرمایا۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ، پس جب محسوس کیا عیسٰی علیہ السلام نے ان بنی اسرائیلوں سے کفر کہ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھ سن کر بھی انکار کر دیا ہے الٹا میرے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں۔ تو قَالَ، فرمایا۔ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ، رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کون میری مدد کرے گا؟ کیونکہ عالمِ اسباب میں دارومدار اسباب پر ہے۔ اگرچہ اسباب میں اثر رب رکھتا ہے مگر اسباب کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے میری مدد کون کرے گا؟ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ، کہا حواریوں نے۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ، ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہنے کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حواری حور سے ہے اور حور کے معنیٰ ہیں سفیدی کیونکہ ان کے دل بڑے صاف تھے۔ جو دل میں ہوتا تھا زبان پر بھی وہی ہوتا تھا ان میں دورنگی نہیں تھی۔ کہ دل کسی طرف ہو اور

زبان کسی طرف ہو تو اس واسطے ان کو حواری کہا گیا ہے کہ وہ دل کے بڑے صاف تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے چہرے سفید تھے یعنی سفید فام لوگ تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے۔ کپڑے سفید کرتے تھے اس واسطے ان کو حواری کہا گیا۔ غریب تھے لیکن تھے مومن اور یاد رکھنا دنیا میں جو جائز پیشے ہیں ان سے اسلام نہیں روکتا اور یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ سفید کپڑے پہنتے تھے۔ اس واسطے ان کو حواری کہا گیا ہے کیونکہ حور کے معنیٰ سفیدی کے ہوتے ہیں یہ ساری وجوہ تفسیروں میں موجود ہیں تو یہ حواری اگرچہ بہت تھوڑے آدمی تھے مگر مخلص تھے۔ اور اخلاص کا اثر کچھ اور ہوتا ہے تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاچکے ہیں۔ وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○، اور اے عیسیٰ علیہ السلام گواہ بن جانا بے شک ہم فرمانبردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بھی ہیں۔ اور آپ کی فرمانبرداری بھی کریں گے۔ پھر ان حواریوں نے دعا کی۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ، اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس چیز پر جو تو نے نازل کی عیسیٰ علیہ السلام پر۔ یعنی کتاب انجیل نازل فرمائی وحی نازل فرمائی۔ اور ان پر جو معجزات نازل فرمائے ہم سب پر ایمان لائے۔ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ، اور اے پروردگار ہم نے تیرے رسول عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ ○، پس تو اے پروردگار ہمیں لکھ دے ان لوگوں کیساتھ جو حق کی گواہی دینے والے ہیں۔ یعنی ہمیں بھی حق کی گواہی دینے والوں میں شامل فرما۔ کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ اے پروردگار تو ہمارا رب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ اور ان پر جو کتاب نازل ہوئی ہے حق ہے اور ان کو جو معجزات دیئے گئے ہیں حق ہیں ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ وَمَكَرُوْا، اور ان کافروں نے تدبیریں کیں۔ وَمَكَرَ اللّٰہُ، اور اللہ تعالیٰ نے بھی

تدبیریں کیں تفسیروں میں موجود ہے اور تاریخ میں بھی مذکور ہے کہ شام کا صوبہ تھا رومیوں کی بادشاہی تھی۔ اور ہیرورد اس وقت رومیوں کی طرف سے شام کا گورنر تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بڑا شور مچایا احتجاج کیا جلوس نکالے نعرے بازی کی کہ ایک ایسا شخص کہ نسب بھی معلوم نہیں ہے وہ نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ سب جادو ہے اور یہ جادوگر ہے۔ بڑا شور مچایا گلیوں میں محلوں میں کیونکہ اکثریت ان کی تھی اور حواری تو گنتی کے لوگ تھے۔ جو اکثر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس رہتے تھے۔ تاکہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے یہودی احتجاج کرتے ہوئے گورنر کے پاس گئے اور کہا کہ تم ہمارے حاکم ہو گورنر ہو ہماری پریشانی کا سدِ باب کرو۔ اس شخص نے ہمارے دین میں فتور ڈالا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اصلاحات کی تھیں وہ گورنر کے سامنے رکھیں اور کہا کہ ہمارے باپ دادا یہ کرتے تھے۔ اور یہ اس طرح کہتا ہے اور جو کچھ ہمارے باب دادا کرتے تھے اس سے ہمیں روکتا ہے لہٰذا اس کو سولی پر لٹکاؤ اس کو اس طرح سمجھو جس طرح آج کل اہلِ بدعت ہیں کہ جتنی بدعات ہیں وہ ان کا دین ہے اور اہلِ سنت والجماعت کی علامات سمجھی جاتی ہیں اور جو بدعات کا رد کرے اس کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتے ہیں۔ اور اس کو وہابی کہتے ہیں اور جس کو وہابی کہہ دیا بس وہ اچھوت بن گیا لہٰذا ایک دفعہ وہابی کہہ دینا کافی ہے۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ہمارے گاؤں میں ایک ہندو دوکاندار تھا محلے کی مسجد کا امام روزانہ اس سے تھوڑی سی نسوار مانگ کر لے جاتا اور پیسے نہیں دیتا تھا۔ (امام نسوار کا عادی تھا اور شرعاً نسوار مکروہ ہے)۔ ایک دن اس ہندو دوکاندار نے کہا میاں جی تم روزانہ مفت نسوار لے جاتے ہو میں بھی کمزور آدمی ہوں اور میرے بال بچے بھی ہیں۔ اور یہ

نسوار میں خرید کر لاتا ہوں مجھے کوئی پیسہ دھیلا دے دیا کرو۔ میاں جی کو یہ بات بڑی ناگوار گزری کہ مجھ سے پیسے مانگتا ہے۔ کہنے لگا میں تیرا علاج کر لیتا ہوں۔ نماز کا وقت ہوا مسجد میں پہنچے نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر مقتدی جانے لگے تو میاں جی نے آواز دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں نے تمہارے ساتھ ایک بات کرنی ہے۔ مقتدی بیٹھ گئے تو میاں جی نے کہا کہ فلاں ہندو دوکاندار وہابی ہو گیا ہے اس سے سودا نہ لینا کئی دن گزر گئے اس سے کسی نے سودا نہ خریدا وہ بے چارہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا ایک دن مولوی صاحب وہاں سے گزرے تو کہنے لگے تجھے پتہ چل گیا ہے نا! اس کو تو پتہ چل ہی گیا تھا کہ میاں جی نے مجھے وہابی بنا دیا ہے ہندو نے کہا میاں جی میں توبہ کرتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو اور نسوار جتنی چاہتے ہو لے جایا کرو۔ مگر میرے سے یہ وہابیت کی دم اتار دو۔ (ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر نامی ایک انگریز تھا اس نے وہابی کا لفظ ایجاد کیا۔ اس نے کہا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ ایک ایسی دم لگا دی ہے کہ ساری زندگی اتارتے پھریں اترے گی نہیں) تو جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کا مطالبہ کیا تو گورنر نے کہا دیکھو ملک میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں حوصلے سے کام لو یہ پھر گورنر کے پاس گئے اور کہنے لگے............ اگر تم نے کچھ نہ کیا تو پھر ہم خود اس کا علاج کریں گے گورنر نے مرکز کو خط لکھا کہ بنی اسرائیلیوں میں سے ایک آدمی ہے وہ نئی نئی باتیں کرتا ہے اور سب لوگ اس کے مخالف ہو گئے ہیں اور اس کو سولی پر لٹکانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ مرکز نے کہا کہ اگر ایک آدمی کو سولی پر لٹکانے سے ملک میں امن قائم ہوتا ہے تو لٹکا دو کونسا وہ ہمارے چچے کا بیٹا ہے۔ پولیس رومی تھی کیونکہ حکومت رومیوں کی تھی جس طرح ہم پر انگریز مسلط تھے پولیس والوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیادہ شناخت نہیں تھی۔ کیونکہ ان کو ملاقات

کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا۔ انہوں نے شمعون قرینی کو سولی پر لٹکا دیا۔ کیونکہ اس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملتی جلتی تھی۔ جس طرح میرے ساتھ میرے چھوٹے بھائی صوفی عبدالحمید کی شکل ملتی ہے اس کی وضع قطع بالکل میری طرح ہے ایک آدھ دفعہ دیکھنے والا ہمارے درمیان فرق نہیں کرسکتا۔ کہ بڑا کون ہے اور چھوٹا کون ہے رند کون ہے؟ اور صوفی کون ہے؟ بالکل اسی طرح شمعون قرینی کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملتی تھی اور یہ بات خود انگریز تسلیم کرتا ہے کہ جس کو سولی پر لٹکایا گیا وہ شمعون قرینی تھا۔ چنانچہ برٹانیکا انسائیکلو پیڈیا میں اس کی تصریح موجود ہے تو شمعون قرینی کو سولی پر لٹکا کر وہ مطمئن ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھالیا اور وہ اس وقت بھی آسمانوں پر زندہ موجود ہیں قیامت کے قریب زمین پر نازل ہوں گے۔ اور ان کے نازل ہونے کی نشانیاں قریب آرہی ہیں۔ دیکھو کب نازل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو انہوں نے تدبیریں کیں مارنے کی۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ، اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی بچانے کی۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ☆، اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سے سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ، جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ (علیہ السلام)! بے شک میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں۔ نوجوان ساتھیو! یاد رکھنا۔ مرزائیت کا فتنہ بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور باوجود اس کے کہ وہ قانوناً بھی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جاچکے ہیں۔ اور ان پر اس بات کی پابندی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔ مگر پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ بیرون ملک بھی انہوں نے کئی مسلمانوں کو مرتد کیا ہے۔ اور ملک میں بھی کم نہیں ہوئے۔ بلکہ یہاں بھی لوگوں کو مختلف لالچ دے کر (مال کا، ملازمتوں کا، باہر بھیجنے والوں کے لئے ویزوں کا) احمدی بنا رہے

ہیں اور وہ بے ایمان ویزے لے کر احمدی بن کر باہر جاتے ہیں اور اپنا ایمان ضائع کردیتے ہیں لوگوں کو مغالطہ ہے کہ ہم نے زبانی طور پر اس طرح کر کے داؤ لگایا ہے کہ ویزا حاصل کرلیا ہے بے شک چاہے وہ دل میں خوش ہوں مگر ایسا کرنے سے وہ کافر ہو گئے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں فلاں کام کروں تو ہندو ہو جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں، یا یہودی ہو جاؤں تو شریعت میں وہ ایسا ہی ہو گیا چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے لہٰذا میں ایک اہم مسئلہ سمجھانا چاہتا ہوں اس کو نوٹ کرلیں۔ اس پر تمام اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور مرزائی قادیانی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور اس آیتِ کریمہ سے دھوکہ دیتے ہیں۔ اِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ، اور ترجمہ کرتے ہیں جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تجھے وفات دوں گا۔ پھر کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں ہے کہ میں تجھے وفات دوں گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ تو عوام جن کو علم سے مَس نہیں ہے وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ واقعی قرآن میں مُتَوَفِّیْکَ کا لفظ موجود ہے۔ اب ذرا غور سے بات کو سمجھیں یہ جو لفظ ہے۔ مُتَوَفِّیْ، اس کا مجرد مادہ وفات نہیں ہے بلکہ وَفَا ہے اگر مجرد مادہ وفات ہو تو معنیٰ ہے فوت ہونا اور جب باب تفعُّل پر لے جائیں گے تو معنیٰ ہوگا وفات دینا۔ اور اگر مجرد مادہ وفا ہو تو معنیٰ ہے پورا کرنا چنانچہ مقولہ ہے۔ "اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا" ۔ شریف آدمی جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اسی طرح وعدہ وفا مشہور لفظ ہے۔ اور جب اس کو باب تفعُّل پر لے جائیں گے تو معنیٰ بنے گا پورا پورا لینا۔ تو اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ، کا معنیٰ بنتا ہے بے شک میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں یہ یہودی تیرا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے اور اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ یہ وفات سے ہے اور اس کا معنیٰ ہے۔

"مُمِیتُکَ"۔ کہ میں تجھے مارنے والا ہوں۔ تو مُتَوَفِّیْ، اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور اسمِ فاعل میں مضارع کی طرح حال کا معنیٰ بھی آتا ہے اور استقبال کا معنیٰ بھی آتا ہے۔ تو اس صورت میں معنیٰ بنے گا "اے عیسیٰ! میں تجھے اپنے وقت پر وفات دوں گا"۔ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ، اور اب میں اپنی طرف تجھے اٹھاتا ہوں۔ لہٰذا اس صورت میں بھی قادیانیوں کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں۔ اور چھٹے پارے میں آتا ہے۔ "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" ۔ حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا بلکہ بات ان کے لئے مشتبہ کردی گئی۔ مزید فرمایا۔ "وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ"۔ اور نہیں قتل کیا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اسی طرح متواتر درجے کی احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے زمین پر تشریف لائیں گے۔ اس موضوع پر میرا چھوٹا سا رسالہ ہے۔ "توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام"۔ اس میں قرآن کریم کی آیات کی تفسیر بھی ہے اور احادیث بھی باحوالہ ذکر کی ہیں اور علم کلام فقہ، تاریخ، اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حوالے بھی ذکر کئے ہیں۔ اس کا مطالعہ کر لینا۔ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، اور تجھے پاک کروں گا ان لوگوں سے جو کافر ہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ میں تجھے پاک کروں گا ادھر قادیانی کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سرینگر میں ہے۔ اور حوالہ دیتا ہے فرانس کے ایک انگریز کا۔ جیسے روح ویسے فرشتے، جیسا مرزا اور اس کے دعوے ویسے ہی اس کی نبوت کے لئے گواہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شام میں تھے اور وہاں مسلمان بھی تھے۔ اگرچہ تھوڑے تھے مگر

تھے ضرور۔ اور اس زمانے میں کشمیر تو خالص کفر گڑھ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اچھا پاک کیا کہ جہاں تھوڑے بہت مسلمان تھے وہاں سے نکال کر کفر گڑھ میں پہنچا دیا۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ ، اور کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی۔ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، اوپر ان لوگوں کے جو کافر ہیں قیامت کے دن تک۔ صاحب روح المعانی اور علامہ رازی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کامل پیروی تو کی ہے مسلمانوں نے اور ناقص پیروی کی ہے عیسائیوں نے اور ان دونوں کا آج تک یہودیوں پر تسلط چلا آرہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج اگر امریکہ بے ایمان اور فرانس اور برطانیہ شیطان اسرائیل کی پشت پناہی سے ہٹ جائیں تو اسرائیل چند گھنٹے نہیں ٹھہر سکتا۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی عیسائیوں نے اور کفر کیا یہودیوں نے۔ تو عیسائیوں کی یہودیوں پر آج تک فوقیت چلی آرہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○، پھر میری طرف ہے تمہارا لوٹنا پس میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان ان چیزوں میں کہ جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ وہ فیصلہ اس طرح ہوگا کہ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا، پس میں ان کو سزا دوں گا سخت سزا۔ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وہ قتل ہوں گے جزیہ دیں گے، اور ہمیشہ ڈرتے رہیں گے، اس وقت اس علاقے میں مسلمانوں کی افرادی قوت بہت زیادہ ہے کہ بارہ کروڑ ہیں اور یہودی اسی لاکھ بھی نہیں ہیں۔ مگر ساری دنیا میں یہودی اسلحہ کے اعتبار سے تیسرے نمبر پر ہیں۔ اور اس اسلحہ سے شہزادے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ یہودی بزدل ہیں۔ اگر کسی وقت جذبات میں آکر چند نوجوان کھڑے ہو جائیں تو یہودیوں کا

پاخانہ خطا ہو جاتا ہے۔اور پوچھتے پھرتے ہیں کیا ہوا کیا بنا جو قوم موت سے ڈرتی ہے وہ ترقی نہیں کرسکتی کاش کہ ان بے غیرت مسلمانوں میں کچھ غیرت آجائے۔تو بڑی بات ہے۔مگر یہ بہت بے غیرت بن گئے ہیں شام نے امریکہ سے رقم لے کر صلح کی ہے۔اور مصر نے امریکہ سے رقم لے کر نہ لڑنے کا معاہدہ کیا ہے۔او بے ایمانو! کچھ تو خیال کرو یہ نام کے مسلمان ہیں حقیقت میں پرلے درجے کے بے ایمان ہیں اور سب سے بڑے شیطان سعودیہ کے حکمران ہیں جنہوں نے ایک لاکھ بیس ہزار امریکی فوج لاکر عرب میں بٹھائی ہے۔حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے۔"اَخْرِجُوْا لِیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ"۔ یہود و نصاریٰ کو عرب کے جزیرہ سے نکال دو۔یہ حدیث جب علماء کرام نے ممبروں پر پڑھی تو سعودی حکومت کو تکلیف ہوئی اور انہوں نے علماء کرام کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا۔اس وقت بھی سینکڑوں علماءِ کرام جیلوں میں پڑے ہیں۔تاکہ شہزادوں کی حکومت برقرار رہے۔ اقتدار بہت بری چیز ہے۔اگر صحیح نہ ہو تو پھر ایسی ہی کارروائی ہوتی ہے۔تو فرمایا میں ان کو سخت سزا دوں گا۔دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔وَمَا لَهُمْ مِنْ نّٰصِرِیْنَ ،اور نہیں ہوگا ان کا کوئی مددگار۔وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ،اور بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے۔اور عمل کیے انہوں نے اچھے۔فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ، پس ان کو اللہ تعالیٰ پورا پورا اجر دے گا۔وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ○،اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظالموں کے ساتھ۔اللہ تعالیٰ ظالموں کے ظلم سے بچائے اور محفوظ رکھے......آمین!

ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ ۝ ع

ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ، یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے، اس کو ہم تلاوت کرتے ہیں آپ پر۔ مِنَ الْاٰیٰتِ، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے۔ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ۝، اور وہ ذکر ہے جو حکمت والا ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی، بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال۔ عِنْدَ اللّٰهِ، اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ کَمَثَلِ اٰدَمَ، ایسی ہے جیسے مثال ہے آدم علیہ السلام کی۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ، اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا مٹی سے۔ ثُمَّ قَالَ لَهٗ، پھر کہا اس کو۔ کُنْ، ہو جا۔ فَیَکُوْنُ ۝، پس وہ ہو گئے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ، حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔ فَلَا تَکُنْ، پس ہرگز نہ ہو۔ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝، شک کرنے والوں سے۔ فَمَنْ حَآجَّکَ، پھر جو شخص جھگڑا کرے تیرے ساتھ۔ فِیْهِ، عیسیٰ علیہ السلام

کے متعلق۔ مِنۡ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ، بعد اس کے کہ تیرے پاس علم آچکا۔ فَقُلۡ، پس کہہ تو۔ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا، بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو۔ وَاَبۡنَآءَکُمۡ اور تم اپنے بیٹوں کو۔ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو۔ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ، اور ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو۔ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ، پھر ہم مباہلہ کریں۔ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ، پس ڈالیں ہم اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ○ جھوٹوں پر۔ اِنَّ هٰذَا، بے شک یہ۔ لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ، البتہ بیان ہے سچا۔ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ، اور نہیں ہے کوئی الٰہ اللہ تعالیٰ کے سوا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ، اور بے شک اللہ تعالیٰ۔ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ○ البتہ وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا، پس اگر وہ اعراض کریں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ، پس بے شک اللہ تعالیٰ۔ عَلِيۡمٌ، جانتا ہے۔ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ○ فساد کرنے والوں کو۔

دو تین رکوع پہلے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر چلا آرہا ہے اور یہ سارے واقعات عجیب وغریب ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا کہ دنیا میں اس کی کوئی اور نظیر موجود نہیں ہے۔ پھر پیدائش کے ساتھ ہی بات چیت شروع کر دینا کہ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِيًّا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں وہ مجھے کتاب دے گا اور نبی بنائے گا۔ پھر ان کے معجزات بھی عجیب وغریب ہیں مٹی کے گارے سے بنے ہوئے پرندے کا اُڑ جانا برص والے مریض کا ٹھیک ہو جانا مُردوں کا زندہ ہونا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اُٹھایا جانا تو یہ سارے عجیب وغریب واقعات ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ذٰلِکَ نَتۡلُوۡهُ عَلَيۡکَ، یہ واقعات اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم تلاوت کرتے ہیں آپ پر۔ مِنَ الۡاٰيٰتِ، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ☆، اور ایسا ذکر ہے جو بڑا محکم اور حکمت والا ہے۔کوئی شک شبہے والی بات نہیں ہے۔یہ بات تم پہلے تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ ساٹھ آدمیوں پر مشتمل نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا تھا اس وفد میں ان کے سیاسی لیڈر اور مذہبی رہنما بھی تھے۔عاقب ابن عبدالمسیح ان کا سیاسی لیڈر تھا ایہم سید نظم ونسق کا امیر تھا اور ابو حارثہ ابنِ علقمہ مذہبی رہنما تھا اور اس وقت نجران کے علاقے میں اس سے بڑا پادری کوئی نہ تھا اس وفد کا اصل مقصد تو سیاسی پناہ حاصل کرنا تھا مگر مذہبی گفتگو بھی ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ میں رہے ہیں اور پیدا ہوئے ہیں اور یہ بات بھی تسلیم کرتے ہو کہ وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بیماری تندرستی بھی ان کے ساتھ لگی ہوئی تھی تو ایسی شخصیت اِلٰہ اور معبود تو نہیں بن سکتی یہ ساری باتیں تسلیم کرنے کے بعد کہنے لگے کہ ہم ان کو رب کا بیٹا مانتے ہیں اور کہنے لگے کہ اگر وہ رب کے بیٹے نہیں ہیں تو تم بتاؤ کہ رب کے بغیر ان کا باپ کون ہے؟ کوئی باپ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے کہ فلاں آدمی ان کا باپ ہے یہ تو مرزا غلام احمد قادیانی ملعون کی خرافات ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف نجار تھا۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ بہن بھائی تھے۔لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔مرزا قادیانی کے کفر کیلئے تو بس اتنی بات ہی کافی ہے یاد رکھنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ تھا نہ بہن بھائی تھے آپ تنِ تنہا تھے اور حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے رب تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں پیدا فرمایا تھا۔تو عیسائیوں نے ضد کی کہ بتاؤ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ رب نہیں ہے تو اور کون ہے؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ، بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے

ہاں ایسی ہے جیسے مثال ہے آدم علیہ السلام کی۔ اگر تمہاری منطق مان لیں کہ جس کا ظاہر طور پر باپ نہ ہو اس کا باپ رب ہے اور وہ رب کا بیٹا ہے تو پھر کہو نا کہ آدم علیہ السلام بھی رب کے بیٹے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو والدہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تو نہ والدہ ہے نہ والد۔ تو پھر آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے بیٹے ہوئے اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پوتے اور پڑپوتے ہوئے۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا مٹی سے پھر کہا اس کو ہو جا پس وہ ہو گئے۔ یعنی جس طرح آدم علیہ السلام کو مٹی سے کلمہ کن کے ساتھ پیدا فرمایا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے کلمہ کن کے ذریعہ پیدا فرمایا۔ جس طرح آدم علیہ السلام کا ماں باپ نہیں ہے۔ مگر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ رب کے بیٹے ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو رب کا بیٹا کہنا جائز نہیں ہے۔ ایک اور تشبیہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام مرد تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا کس طرح پیدا فرمایا یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر چونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے اور قرآن پاک میں موجود ہے۔ "وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا"۔ اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کے جوڑے کو لہٰذا ہم مانتے ہیں۔ تو مرد کی پسلی سے اللہ تعالیٰ نے عورت پیدا فرمائی۔ حضرت مریم علیہا السلام عورت ہیں۔ ان سے مرد پیدا فرمایا۔ ایک اور مشابہت بھی ہے کہ آدم علیہ السلام زمین پر پیدا ہوئے پھر اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو جنت میں لے گئے۔ پھر زمین پر اتارا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیدا فرمایا پھر آسمانوں پر لے گئے اور قیامت سے پہلے پھر زمین پر اتاریں گے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں نہ اِلٰہ ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ، حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔

فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ہ پس ہرگز نہ ہو شک کرنے والوں میں سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے یہ حقیقت ہے اس میں ہرگز شک نہ کرنا۔ کیونکہ جب کوئی بات قرآن پاک میں آجائے تو اس کے یقینی، قطعی اور محکم ہونے کے بارے میں ہرگز شک نہ کرو کہ اللہ کی ذات سے زیادہ کوئی ذات سچی نہیں ہے۔ اور اس کے کلام سے سچا کوئی اور کلام نہیں ہے۔ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ، پس جو شخص جھگڑا کرے تیرے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بعد اس کے کہ تیرے پاس علم آچکا۔ تو آپ ان کو مباہلے کا چیلنج دیں۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَاءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ، پس کہہ تو بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو۔ اور تم اپنے بیٹوں اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو۔ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ہ پھر ہم مباہلہ کریں پس ڈالیں ہم اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔ مباہلہ کا معنیٰ ہے عاجزی کے ساتھ دعا کرنا کہ دونوں فریق کھلے میدان میں آجائیں اور اپنا عقیدہ اور نظریہ بیان کریں اور گڑگڑا کر دعا کریں اور کہیں کہ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اپنا عقیدہ اور نظریہ یہی بیان فرمایا۔ اور بعد میں بھی یہی بیان کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے۔ نہ اس کا بیٹا ہے نہ بیٹی نہ ماں، نہ باپ، نہ بیوی اس کی صفت ہے۔ "لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ" نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ آگے اس سے اولاد چلی ہے اور تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہو۔ اور اس کا شریک بناتے ہو۔ اور میدان میں اپنے عقیدے کو بیان کرو۔ پھر ہم دعاء کرتے ہیں کہ اے پروردگار جس کا عقیدہ سچا ہے اس کو نجات دے اور جس کا عقیدہ جھوٹا ہے اس کو تباہ کر دے تاکہ لوگ دیکھیں۔ اور بات ان پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ

جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے ساتھیوں کے علاوہ گھر کے یہ افراد حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر میدان میں تشریف فرما ہوئے۔ اور ان پر کمبل ڈال دیا۔ اور عورتوں کو ساتھ لے جانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہ سمجھا۔ پھر ان کو فرمایا کہ آؤ میدان میں تاکہ مباہلہ کریں لیکن عیسائیوں نے رات کو ہی آپس میں مشورہ کر لیا تھا کہ مباہلہ نہیں کرنا۔ کہنے لگے یہ تو تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور پیغمبر سے جو مباہلہ کرتا ہے وہ بچ کے نہیں جاسکتا۔ باقی ہم ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے ہیں۔ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔ لہٰذا ہم نے مباہلہ نہیں کرنا۔ اور یہ بات اپنی قوم کو بھی نہیں بتانی۔ ورنہ وہ شور مچائیں گے کہ تم نے مباہلہ کیوں نہیں کیا۔ اور مباہلہ کسی قیمت پر نہیں کرنا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ حضرت تم بھی رب کو مانتے ہو، ہم بھی رب کو مانتے ہیں۔ تم بھی قیامت کے قائل ہو، ہم بھی قیامت کے قائل ہیں۔ تم بھی آسمانی کتابوں کو مانتے ہو، ہم بھی آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں۔ تم بھی پیغمبروں کو مانتے ہو ہم بھی مانتے ہیں تم بھی نمازیں پڑھتے ہو۔ ہم بھی پڑھتے ہیں۔ تم بھی روزے رکھتے ہو، ہم بھی روزے رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے۔ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفادار رعیت ہیں۔ ہم پر جو ٹیکس اور جزیہ عائد ہوتا ہے وہ ہمیں بتاؤ ہم ادا کریں گے۔ اس طرح بات کو ٹالا اور چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اگر مباہلہ کرتے تو اسی مقام پر ختم ہو جاتے۔ ایک بھی بچ کر زندہ نہ جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے ساتھ مباہلہ کرنا اور بچ کے جانا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے ساتھ جزیہ یہ طے ہوا کہ تیس عدد اونٹ، تیس عدد گھوڑے، تیس عدد نیزے، تیس عدد خود، تیس عدد زرہیں، اور دو ہزار سوٹ کپڑوں کے سالانہ

ادا کریں گے۔ معاہدہ طے ہوگیا۔ تحریر لکھی گئی اور وہ واپس چلے گئے۔ یہاں جزیئے کا مفہوم بھی سمجھ لیں۔ غیر مسلم جو اسلامی ملک میں آباد ہیں ان میں سے جو جواں سال ہیں اور فوج میں بھرتی نہیں ہونا چاہتے، وہ جزیہ ادا کریں گے۔ اور اگر فوج میں بھرتی ہو جائیں اور حکومت اس پر اعتماد بھی کرے تو ان پر کوئی جزیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بچے پر کوئی جزیہ نہیں، بوڑھے پر کوئی جزیہ نہیں۔ ان کے جو مذہبی پیشوا ہیں ان پر بھی کوئی جزیہ نہیں۔ صرف جوانوں پر ہوگا۔ کیونکہ ملک میں آخر ان کے بھی کارخانے ہیں، زمینیں اور باغات ہیں، دکانیں ہیں۔ ملک محفوظ ہوگا تو وہ بھی محفوظ ہوں گے اور اگر ملک محفوظ نہ رہا تو وہ بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ اس لئے ملکی دفاع اور اپنے مال و جان کے تحفظ کے لئے ٹیکس ادا کریں۔ تو یہ ملکی دفاع اور جان مال کے تحفظ کے لئے جو تھوڑی سی رقم دیں گے اس کا نام جزیہ ہے۔ اور یہ نہ تو عقل کے خلاف ہے، اور نہ ہی نقل کے۔ وہ جزیہ کتنا ہوگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں جو امیر ترین آدمی ہوتا تھا۔ اس سے سالانہ اڑتالیس درہم لئے جاتے تھے۔ جو اس وقت تقریباً پندرہ سو روپے بنتے ہیں۔ اور درمیانے قسم کے آدمی سے چوبیس درہم سالانہ اور معمولی آمدنی والے سے بارہ/۱۲ درہم لئے جاتے تھے۔ اور جس علاقے میں ان کی حفاظت کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا۔ وہاں ان کو جزیئے کی رقم واپس دے دی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ چیف کمانڈر تھے۔ انہوں نے عراق کے علاقے میں اپنے فوجی افسروں کو تحریری حکم بھیجا کہ غیر مسلموں سے جو تم نے جزیہ وصول کیا ہے وہ ان کو واپس کردو۔ کیونکہ اس وقت ہماری رومیوں کے ساتھ جنگ ہے۔ ہم ان کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہیں کرسکتے لہٰذا دیانت داری کا تقاضا ہے کہ ان کی رقم ان کو واپس کردو۔ چنانچہ وہ رقم واپس کردی گئی۔ جب ان کو رقم واپس کی گئی تو انہوں نے سوال کیا کہ یہ رقم تم نے واپس کیوں

کی ہے؟ تو ان کو آگاہ کیا گیا کہ یہ رقم ہم لیتے ہیں تمہاری جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے۔ اور اس وقت ہم خود لڑائی کا شکار ہیں لہٰذا تمہارا تحفظ نہیں کر سکتے۔ اس واسطے جزیئے کی رقم واپس کر دی ہے یہ جن کو جزیئے کی رقم واپس کی گئی عیسائی تھے اور جن کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی تھی رومی وہ بھی عیسائی تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان عیسائیوں نے دعاء کی کہ رب تعالیٰ تمہیں فتح نصیب فرمائے۔ اور تم کامیاب ہو کر واپس آؤ۔ اسلام میں ٹیکس کی حقیقت آپ حضرات نے سمجھ لی۔ اب اپنی حکومت کا حال بھی سن لیں۔ راہوالی کے سیٹھ محمد یوسف صاحب تین بھائی تھے۔ ان کے بڑے بھائی کا نام عبداللہ تھا۔ وہ فوت ہو گئے اور ایک کا نام سعید تھا۔ غالباً وہ زندہ ہیں۔ اور سیٹھ محمد یوسف صاحب بھی فوت ہو گئے رحمہم اللہ تعالیٰ۔ آگے ان کی اولاد در اولاد ہے۔ آپ میں جو بوڑھے ہیں انہوں نے سیٹھ محمد یوسف صاحب کو دیکھا ہوگا۔ میرے ساتھ ان کو بڑا انس اور پیار تھا۔ دینی مدارس قائم کرنے کے لئے ہم نے کئی جگہ جلسے کئے۔ لوگوں کو ترغیب دی۔ الحمد للہ ملک، بیرون ملک آج بھی حفظ و ناظرہ کے مدارس موجود ہیں، تو سیٹھ صاحب کا گتے کا کارخانہ تھا، فیکٹری تھی۔ میں نے کہا سیٹھ صاحب یہ جو تم نے کارخانہ لگایا ہے تمہارے سے حکومت کوئی ٹیکس بھی لیتی ہے؟ ہنس پڑے اور کہنے لگے سو میں سے ترانوے روپے حکومت ٹیکس لیتی ہے۔ میں نے کہا پھر تمہارے پاس کیا بچا؟ پھر ہنس پڑے اور کہنے لگے ہمیں سات روپے بچتے ہیں اور ان میں بھی فلاں فلاں ٹیکس ہے۔ آج پورا ٹیکس کون ادا کرتا ہے؟ اگر یہ کارخانہ دار اور تاجر حضرات پورا پورا ٹیکس ادا کر دیں اور ہمارے حکمرانوں نے جو اربوں روپے اپنے کھاتوں میں جمع کئے ہوئے ہیں وہ ان سے واپس لے لئے جائیں۔ تو پھر ہمیں کسی سے قرضہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور قرض دینے والوں نے ہمیں ایسے شکنجے میں کسا ہوا ہے کہ مہاجن بننے سے جان چھڑانا آسان ہے مگر

ان کے شکنجے سے نکلنا مشکل ہے۔تو عیسائیوں کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں بالکل غلط ہے صحیح بات وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن کے ساتھ بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ، بے شک یہ بیان جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہوا ہے حق ہے۔وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ، اور نہیں ہے کوئی اِلٰہ اللہ تعالیٰ کے سوا۔معبود صرف پروردگار ہے۔نہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔نہ ان کی والدہ، نہ کوئی ولی، نہ کوئی امام، نہ کوئی فرشتہ، نہ کوئی پیغمبر۔وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝، اور بے شک البتہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔فَاِنْ تَوَلَّوْا،پس اگر یہ لوگ حق کی بات سننے سے گریز کریں۔فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢبِالْمُفْسِدِيْنَ ۝، پس بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو خوب جانتا ہے۔وہ خود ان سے نمٹ لے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

قُلْ ، کہہ دے۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ، اے کتاب والو۔ تَعَالَوْا، آؤ۔ اِلٰى كَلِمَةٍ، ایک بات کی طرف۔ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، جو برابر ہے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان۔ اَلَّا نَعْبُدَ ، یہ کہ ہم نہ عبادت کریں۔ اِلَّا اللّٰهَ ،مگر صرف اللہ تعالیٰ کی۔ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا، اور نہ ہم شریک کریں اس کے ساتھ کسی چیز کو۔ وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا، اور نہ بنائیں ہم میں سے بعض بعض کو۔ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، رب تعالیٰ کے سوا کارساز۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا، پس اگر وہ لوگ پھر جائیں۔ فَقُوْلُوا، پس تم کہو۔ اشْهَدُوْا، تم گواہ بن جاؤ۔ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ، اے کتاب والو! لِمَ تُحَآجُّوْنَ، کیوں جھگڑا کرتے ہو تم؟ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ، ابراہیم علیہ

السلام کے بارے میں۔ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ، اور نہیں اتاری گئی توراۃ۔ وَ الْاِنْجِیْلُ، اور انجیل۔ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِہٖ، مگر ان کے بعد۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ کیا پس تم نہیں سمجھتے۔ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ، خبردار! تم یہ ہو۔ حَاجَجْتُمْ، جھگڑا کرتے ہو۔ فِیْمَا، ان چیزوں کے بارے میں۔ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ، جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم ہے۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ، پس کیوں تم جھگڑا کرتے ہو؟ فِیْمَا، ان چیزوں کے بارے میں۔ لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ، جن کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے۔ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ اور تم نہیں جانتے۔ مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا، نہیں تھے ابراہیم علیہ السلام یہودی۔ وَّلَا نَصْرَانِیًّا، اور نہ نصرانی۔ وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا، اور لیکن تھے ایک طرف کے ہونے والے۔ مُّسْلِمًا، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار۔ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ اور نہ تھے شرک کرنے والوں میں سے۔

اس سے پہلی آیات میں تفصیل کے ساتھ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ساٹھ آدمیوں پر مشتمل نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ جس میں سیاسی زعماء، ان کے سردار اور مذہبی راہنما بھی تھے۔ یہ خاصے پڑھے لکھے لوگ تھے ان کے آنے کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ ہم تمہاری باوفا رعیت بن کے رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے اوپر جو قانون لاگو ہیں ہمیں ان سے آگاہ کیا جائے اور ہمارے ذمہ جو ٹیکس ہے وہ بتایا جائے۔ مگر مذہبی گفتگو بھی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کا چیلنج بھی دیا۔ مگر ان کو مباہلہ کے لئے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چونکہ اس مقام پر خاصا مجمع تھا۔ جس میں یہودی بھی تھے۔ عیسائی بھی تھے۔ مشرک بھی تھے، مجوسی بھی تھے، (مجوسی انجیل کو نہیں مانتے) اور صابئین بھی تھے۔ جن کا دعویٰ تھا کہ ہم زبور کو مانتے ہیں اگرچہ یہ گنے چنے افراد تھے۔ سرزمین عرب میں زیادہ تر آبادی

مشرکوں کی تھی۔دوسرے نمبر پر یہودی تھے۔تیسرے نمبر پر عیسائی، صابی اور مجوسی بھی اکادکا ہوتے تھے۔اوراس موقع پر سب لوگ موجود تھے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو دعوت دو قُلْ، اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیں۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ ،اے کتاب والو! یعنی جو آسمانی کتابوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کو ہمارا خطاب ہے۔تَعَالَوْااِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ ، بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ،آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے، مُسَلَّمْ ہے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان یعنی ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہو۔ہم تو دل سے مانتے ہیں اور عمل سے اس کا ثبوت دیتے ہیں، اور تم صرف زبان سے اقرار کرتے ہو مگر عمل اس کے خلاف کرتے ہو۔ وہ بات یہ ہے کہ۔ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ ، یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کہتے وہ بھی تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔جیسے آج کل بعض جاہل قسم کے لوگ کہتے یہی ہیں۔کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ہے۔مگر قبروں پر بھی جھکتے ہیں۔مرادیں بھی مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ان کی تعظیم ہے، عبادت نہیں ہے۔حالانکہ کسی سے مراد مانگنا تکلیف میں پکارنا، طواف کرنا عبادت ہے، نذرونیاز دینا، منت ماننا عبادت ہے۔تو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کرتے۔مگر عملی طور پر کررہے ہیں۔یہی حال تھا یہود ونصاریٰ اور دوسرے گمراہ فرقوں کا۔کہتے تھے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے۔مگر غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا ، اور نہ ہم شریک کریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئے کو۔زبانی طور پر وہ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے، نہ ذات میں نہ صفات میں، نہ افعال میں۔اور تمہیں ہم اسی چیز کی دعوت دیتے ہیں کہ جس طرح

تم زبانی طور پر دعویٰ کرتے ہو عمل بھی اس کے مطابق کرو۔ وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ، اور نہ بنائیں ہم میں سے بعض بعض کو رب تعالیٰ کے سوا کارساز۔ یعنی ہم بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے اور تم بھی دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں۔ لہٰذا اس پر عمل بھی کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب نہ بناؤ۔ مگر یہ بھی ان کا فقط دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ عملی طور پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ"۔ (پارہ ۱۰) انہوں نے رب بنالیا اپنے مولویوں اور پیروں کو، اور عیسیٰ علیہ السلام کو۔ حضرت ابنِ حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے مشرک تھے، اور پڑھے لکھے تھے۔ پھر عیسائی ہو گئے۔ اور عیسائیوں کے پادری بن گئے۔ ان کو تبلیغ کرتے۔ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے تھے۔ ان کا باپ بڑا سخی تھا۔ آج بھی سخاوت کی دنیا میں اس کا نام ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بھائی فلاں تو حاتم طائی ہے۔ طے قبیلے کی طرف نسبت ہے اس کی طرف نسبت کی وجہ سے طائی کہا جاتا ہے۔ طائی خود تو مسلمان نہیں ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عدی ابنِ حاتم کو توفیق عطاء فرمائی اور یہ ۱۰ھ میں مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی۔ "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ"۔ (الآیۃ) کہ اہلِ کتاب نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنالیا ہے۔ تو حضرت عدی ابنِ حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں عیسائیوں کا پادری اور مبلغ رہا ہوں مگر میرے علم میں نہیں ہے کہ ہم نے مولویوں کو اور پیروں کو رب بنایا ہوا تھا۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے مولوی اور پیر بغیر کسی شرعی دلیل کے

جو تمہیں کہتے تھے تم مانتے تھے یا نہیں؟ اور بغیر کسی شرعی دلیل جس چیز کو حلال کہتے تھے تم حلال سمجھتے تھے اور جس چیز کو حرام کہتے تھے اس کو تم حرام سمجھتے تھے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا تو ہم کرتے رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو رب بنانا ہے۔ کسی آدمی کی بات تب حجت ہے کہ وہ دلیل کے ساتھ کرے کہ یہ بات قرآن میں آئی ہے یا حدیث میں آئی ہے۔ یا اجتہادی مسئلہ ہے۔ اور فقہ اسلامی سے پیش کرتا ہے تو ٹھیک ہے یہ سب وہی احکامات ہیں مولوی پیر اگر اپنی طرف سے کچھ کہتا ہے بغیر کسی شرعی دلیل کے تو نہ مانو اگر مانو گے تو شرک کے مرتکب ہو گے۔ کیونکہ۔ "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"۔ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مولوی پیر کا ذاتی حکم کوئی حیثیت نہیں رکھتا آج کل کے جاہل قسم کے لوگ تعویز لینے کے بعد کہتے ہیں کہ بتاؤ کہ ہم کون سی چیز کھانی چھوڑ دیں؟ کیونکہ غلط کار لوگوں نے ذہن بنا دیا ہے کہ تعویذ تب اثر کرتا ہے جب کوئی چیز کھانی چھوڑ دو اسی قسم کی ایک عورت تعویذ کرانے آئی تھی۔ بڑی اڑیل کہنے لگی بتاؤ میں کون سی چیز کھانی چھوڑ دوں؟ میں نے کہا بی بی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال فرمائی ہیں وہ کھاؤ اور جو حرام فرمائی ہیں ان کے نزدیک نہ جا پھر کہنے لگی نہیں بتاؤ میں کون سی چیز کھانی چھوڑ دوں؟ میں نے کہا بی بی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال فرمائی ہیں وہ کھاؤ اور جو حرام فرمائی ہیں ان کے نزدیک نہ جا۔ لیکن وہ پھر کہنے لگی کہ بتاؤ میں کون سی چیز نہ کھاؤں؟ تو میں نے کہا کہ میرا مغز نہ کھا باقی سب کچھ کھا۔ اس سے اندازہ کرلیں کہ کہاں تک ذہن بنا ہوا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں چیز چھوڑ دے کوئی کہتا ہے فلاں چیز چھوڑ دے۔ کوئی کہتا ہے فلاں جگہ نہ جانا، سوتک ہے سوتک۔ سوتک لگائی ہوئی ہے یہی تو شرکیہ رسمیں ہیں۔ جو مولوی پیر کہہ دیں۔ اس پر آمین کہنی ہے۔ حالانکہ شرعی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

احکامات کے مقابلہ میں اگر کوئی کسی مولوی اور پیر کا حکم مانتا ہے تو مشرک ہے۔ تو پھر فرمایا ان کو یہ دعوت دو۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا، پس اگر وہ لوگ پھر جائیں۔ یعنی نہ مانیں۔ فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ تو اے مومنو! تم کہہ دو۔ اے اہل کتاب تم گواہ بن جاؤ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ یعنی اے اہلِ کتاب اگر تم نہیں مانتے نہ مانو ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کے اوصاف میں کوئی شریک ہے۔ نہ کوئی پیر نہ کوئی مولوی، نہ کوئی پیغمبر، نہ کوئی بڑا، نہ کوئی چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑی مسلم شخصیت ہیں۔ اور یہ بات بھی آپ کئی دفعہ سن چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس درجے اور اس شان کا کوئی اور نہیں ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد درجہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد درجہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں یہ منتخب بزرگ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مذاہب میں مسلّم شخصیت تھیں۔ ہر آدمی اپنی کڑی ان کے ساتھ ملاتا تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے تھے۔ عیسائی کہتے تھے کہ ہمارے تھے۔ صابی کہتے تھے کہ ہمارے تھے۔ اور اس بات پر ان کا آپس میں بڑا شور شرابہ ہوتا تھا۔ اس کو تم اس طرح سمجھو جس طرح آج کل کے مشرک اور بدعتی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ فقہ حنفی چونکہ مشہور ہے۔ اس واسطے یہ اپنی کڑی فقہ حنفی کے ساتھ ملاتے ہیں ورنہ حقیقت میں مشرکوں اور بدعتیوں کا فقہ حنفی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ الحمدللہ! میں نے فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب کا مطالعہ کیا ہے۔ میں اس وقت باوضو

ہوں۔اور ترمذی شریف میرے سامنے موجود ہے میں پورے دعویٰ سے یہ بات کہتا ہوں کہ شرک اور بدعت کی جتنی تردید فقہ حنفی میں ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے۔فقہ حنفی کی کوئی مستند کتاب دیکھ لیں۔مثلاً شامی ہے، بحر الرائق ہے۔اور تو اور عالمگیری ہی دیکھ لیں۔یہ اورنگزیب عالمگیرؒ کے حکم سے پانچ سو علمائے کرام نے مرتب کی تھی۔اور ہندوستان کے لئے قانون بنایا تھا۔میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ وہ پانچ سو علمائے کرام ایسے تھے کہ اس وقت ساری دنیا میں علم وعمل کے اعتبار سے ان میں سے ایک عالم کی بھی نظیر نہیں ملتی۔تو عالمگیری میں دیکھ لیں شرک اور بدعت کی کتنی تردید ہے۔مگر اس کے باوجود یہ مشرک اور بدعتی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔اسی طرح یہودی اور عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسلّم شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔اور آپس میں جھگڑتے تھے۔اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ، اے کتاب والو! کیوں جھگڑا کرتے ہو تم؟ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں۔وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰۃُ وَ الْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِہٖ، حالانکہ نہیں اتاری گئی توراۃ اور انجیل، مگر ان کے بعد توراۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال بعد نازل ہوئی ہے اور انجیل تقریباً ساڑھے تین ہزار سال بعد نازل ہوئی ہے۔اور توراۃ کا مذہب یہودیت ہے، اور انجیل کا مذہب نصرانیت ہے۔بڑی عجیب بات ہے کہ کتابیں بعد میں نازل ہوئیں اور مذہب والے پہلے آگے چلے گئے۔کیا کہتے ہو۔اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ٥، کیا پس تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔کہ قانون بعد میں بنا ہے اور ماننے والے پہلے آگے چلے جاتے ہیں۔ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ، خبردار! تم یہ ہو، جھگڑا کرتے ہو۔فِیْمَا لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ، ان چیزوں کے بارے میں جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم

ہے۔ جھگڑا کرتے رہے ہو اور کرتے ہو لیکن۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ، پس کیوں تم جھگڑا کرتے ہو؟ ان چیزوں کے بارے میں، جن کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے۔ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ رب تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کسی کے علم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا اب تم رب تعالیٰ کا فیصلہ سن لو۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا، نہیں تھے ابراہیم علیہ السلام یہودی، اور نہ عیسائی، اور لیکن تھے ایک طرف کے ہونے والے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار۔ حنیف کا معنیٰ ہے ایک طرف ہو کے رہنے والا، مُوَحِّدٌ، مُسْلِمٌ۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○، اور نہ تھے شرک کرنے والوں میں سے۔ اور تم سر سے لے کر پاؤں تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہو۔ اور اپنی کڑی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملاتے ہو۔ اور مکے کے مشرک بھی کہتے تھے کہ ہم نسل کے اعتبار سے بھی اور مسلک کے اعتبار سے بھی ابراہیمی ہیں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ یہ سب تمہارے خالی دعوے ہیں۔ اب اتنی واضح بات کے بعد بھی کوئی نہ مانے تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ۚۖ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰی هُدَی اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤی اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ ۚ لا یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ ، بے شک لوگوں میں سے زیادہ قریب۔ بِاِبْرٰهِیْمَ ، ابراہیم علیہ السلام کے۔ لَلَّذِیْنَ ، البتہ وہ لوگ ہیں۔ اتَّبَعُوْهُ ، جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ وَهٰذَا النَّبِیُّ ، اور ہمارے یہ نبی ان کے قریب ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ، اور اللہ

تعالیٰ دوست ہے مومنوں کا۔ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ ، پسند کیا ایک گروہ نے۔ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ، اہل کتاب میں سے۔ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ، اس بات کو کہ تمہیں گمراہ کردیں۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ، اور وہ نہیں گمراہ کرسکتے۔ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ،مگر اپنی جانوں کو۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ،اور وہ نہیں سمجھتے۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ،اے اہلِ کتاب!۔ لِمَ تَكْفُرُوْنَ ،کیوں انکار کرتے ہو؟۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ،اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ☆ ،اور حالانکہ تم گواہی دیتے ہو۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ،اے کتاب والو!۔ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ ،کیوں خلط ملط کرتے ہو حق کو۔ بِالْبَاطِلِ، باطل کے ساتھ۔ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ،اور کیوں چھپاتے ہو حق کو۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ،اور حالانکہ تم جانتے ہو۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ،اور کہا ایک گروہ نے اہلِ کتاب میں سے۔ اٰمِنُوْا، ایمان لاؤ۔ بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ ،اس چیز پر جو نازل کی گئی۔ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا،ان لوگوں پر جو ایمان لائے۔ وَجْهَ النَّهَارِ ،دن کے ابتدائی حصے میں۔ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ ،اور انکار کرو اس کے آخری حصے میں۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ،تاکہ وہ بھی دین سے پھر جائیں۔ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا ،اور نہ تصدیق کرنا۔ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ،مگر اس کی جس نے تمہارے دین کی پیروی کی۔ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى ،کہہ دے! بے شک ہدایت۔ هُدَى اللّٰهِ ،اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ ،ضد اس لئے کرتے ہو کہ دیا جائے کوئی اور۔ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ ،مثل اس چیز کے جو دیئے گئے تم۔ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ ،یا وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ۔ عِنْدَ رَبِّكُمْ ،تمہارے رب کے ہاں۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ،کہہ دے، بے شک فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ،دیتا ہے وہ فضیلت جس کو وہ چاہے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ،اور اللہ تعالیٰ کشائش کرنے والا ہے، جاننے والا ہے۔ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ ،خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ۔ مَنْ يَّشَآءُ، جس کو چاہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ،اور اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ جو ہمارا دین ہے ہمارے عقائد اور نظریات ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھی یہی تھے۔ اور ہر ایک اپنی کڑی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جوڑتا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی سختی کے ساتھ تردید کرتے تھے۔ کہ ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو رب تعالیٰ نے ان سب کے دعوے کی تردید فرمائی کہ جھوٹے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے نہ مشرک تھے۔ بلکہ وہ موحد اور فرمانبردار تھے۔ اور اب جن لوگوں کا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تعلق ہے وہ بیان فرمارہے ہیں۔ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ، بے شک لوگوں میں سے زیادہ قریب ابراہیم علیہ السلام کے البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحیح معنی میں ان کی پیروی کی۔ وَهٰذَا النَّبِيُّ ، اور ہمارے یہ نبی ان کے قریب ہیں۔ ان کا ان کے ساتھ تعلق ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اور ان لوگوں کا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تعلق ہے جو ایمان لائے۔ جیسے، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین اور یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تعلق کے دعوے بالکل باطل ہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام تو شرک کی جڑیں کاٹنے والے تھے۔ اور تم سر سے لے کر پاؤں تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہو۔ تمہارا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ او ظالمو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو گھر خالص رب تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا تھا تم نے اس کی بیرونی دیواروں پر تین سو ساٹھ/۳۶۰ بت نصب کئے ہوئے ہیں اور ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے بھی تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ بھی تھا۔

ان کی تم تقسیم کر کے پوجا کرتے ہو کہ آج اس کی پوجا اور چڑھاوا کل اس کی پوجا اور چڑھاوا۔
رب کے گھر کو تم نے بت خانہ بنایا ہوا ہے تم کس منہ سے اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے ہو؟ اور جن کا
صحیح معنیٰ میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تعلق ہے ان کی تم نفی کرتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ یہ صابی
ہیں ان کا ابراہیم علیہ السلام کے دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ صدیوں
تک عربوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا سچا دین رائج رہا ہے
یہ سارے لوگ صحیح العقیدہ تھے۔ پہلا بدبخت اور منحوس شخص جس نے عرب کی سرزمین میں شرک
کی بنیاد رکھی قبیلہ بنو خزاعہ کا عمرو ابن الُحَیٰ ابن قمعہ'' تھا۔ یہ شخص آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے گزرا ہے اس شخص کی اخلاقی
حالت کا ذکر بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ اس شخص نے اپنی لاٹھی کے ساتھ کنڈی
لگائی ہوئی تھی جس طرح مچھلیاں پکڑنے والی کنڈی ہوتی ہے طواف کرتے وقت دیکھتا جس
شخص کی چادر یا کمبل اچھا ہوتا اس کنڈی کے ذریعے کھینچ لیتا وہ آدمی اپنے دھیان میں طواف
کرتا رہتا۔ (لوگ بھی تھوڑے ہوتے تھے اب تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کافی ہوگئی ہے)۔ اگر کسی کو
پتہ چل جاتا تو کہتا کہ معاف کرنا یہ کنڈی ویسے ہی اڑ گئی ہے۔ تو جو بے ایمان طواف کرتے
وقت لوگوں کی چادریں اتارتا تھا اس پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ "اَوَّلُ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ"۔
یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے سائبہ کی رسم ڈالی۔ سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بزرگوں کے نام
پر تقرب کے طور پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بزرگ ان پر راضی رہیں جیسے گوجرانوالہ میں
تمہیں کئی گائیں اور بیل آوارہ پھرتے نظر آئیں گے یہ جاہل لوگوں نے پیروں کے نام پر
چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان کو چھیڑتا مارتا کوئی نہیں ہے۔ کہ پیر ہمیں نقصان پہنچائے گا۔ یہاں

تک کہ اگر وہ کسی کی دوکان یا ریڑھی میں منہ ڈال دیں تو بڑے پیار سے ہٹاتے ہیں جس طرح بچے کو کیونکہ یہ پیر صاحب کی گائے ہے۔اس کی تردید اللہ تعالیٰ نے ساتویں پارہ میں فرمائی ہے۔ "مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَائِبَةٍ" ۔اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ نہیں بنایا نہ سائبہ بنایا ہے۔اور اس زمانے میں موحد بھی تھے جیسا کہ تم سن چکے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت زید بن عمرو ابن نفیل یہ زمانہ جاہلیت کے موحدین میں سے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ نبوۃ سے پہلے یہ فوت ہوگئے۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو ان لوگوں میں سے ہوتے جنہوں نے سب سے پہلے کلمہ پڑھا۔اور جو ایمان والے ہیں۔وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ O ،اور اللہ تعالیٰ دوست ہے مومنوں کا۔یعنی محبت ایمان والوں سے ہی کرتا ہے آگے فرمایا۔کہ یہ گمراہی میں اتنے آگے چلے گئے ہیں جو لوگ راہ راست پر ہیں ان کو بھی گمراہ کرنے کے درپے ہیں فرمایا۔وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ، پسند کیا ایک گروہ نے اہل کتاب میں سے اس بات کو کہ تمہیں گمراہ کردیں۔ان میں پڑھے لکھے خبیثوں کی ایک جماعت تھی جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے حیلے سوچتے رہتے تھے اور وہ گمراہ کس طرح کرتے تھے۔اس کا ذکر آگے تیسری آیت کریمہ میں آرہا ہے یعنی ان کا طریقہ واردات کیا تھا۔وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ،اور وہ نہیں گمراہ کرسکتے مگر اپنی جانوں کو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے پختہ قسم کے لوگ تھے ہماری طرح لوٹے نہیں تھے۔کہ صبح کچھ شام کو کچھ۔دن کو کچھ اور رات کو کچھ بلکہ بڑے پختہ اور مضبوط مسلمان تھے۔یہ ان کو تو گمراہ نہ کرسکے مگر اس کا وبال ان کی جانوں پر پڑا کہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہوا انہوں نے بڑا زور لگایا۔منصوبے بنائے گمراہ کرنے کے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو مخلص مومن تھے پھسلے نہیں۔ہاں وہ لوگ جو

مسلمان ہی منافقانہ طور پر ہوئے ان کی بات الگ ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں مگر اسلام نہیں چھوڑا۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ہے "اَلْاِصَابَة فِیْ تَمِیْزِ الصَّحَابَه" ۔جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات وواقعات ہیں۔اس میں نوعمر بچی کا ذکر کرتے ہیں۔اس کا نام عرینہ اور کنیت ام شریک تھی۔ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کی توفیق عطاء فرمائی اور وہ مسلمان ہوگئی۔گھر کے سارے افراد ماں باپ ،بہن بھائی۔ نے مارا پیٹا کہ کلمہ چھوڑ دے مگر اس نے یہ سب کچھ برداشت کیا کلمہ نہیں چھوڑا۔ایک دفعہ دور کے سفر کا اتفاق ہوا کوئی خوشی غمی کا سفر تھا۔سب گھر والوں نے جانا تھا۔اس کو بھی ساتھ لے گئے اور سب نے ایکہ کیا کہ اس کو پانی نہیں دینا۔سفر میں عموماً پیاس زیادہ لگتی ہے مجبور ہو کر کلمہ چھوڑ دے تب پانی ملے گا۔ ماں سے مانگا، باپ سے مانگا، بھائیوں سے بہنوں سے سب نے یہی جواب دیا بالآخر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی کہنے لگے اس کے منہ میں شہد ڈالو گرم ہوتا ہے تلخی لگے گی پانی مانگے گی اور مجبور ہو کر کلمہ چھوڑ دے گی۔مگر اس اللہ کی بندی نے کلمہ نہ چھوڑا اور پانی انہوں نے نہ دیا۔سب انتظار میں تھے کہ اب مری اور اب مری۔لیکن اسی اثنا میں آسمان سے پانی کا بھرا ہوا ایک ڈول رسی کے ساتھ لٹکتا ہوا اس کے سینے پر آرکا۔اس نے وہ پانی پیا اور جان بچی جن کے ذہن صاف تھے۔انہوں نے جب یہ عجیب کرشمہ دیکھا تو اسلام کے قائل ہو گئے اور کلمہ پڑھ لیا اور جو ضدی تھے آخر دم تک ضد پر اڑے رہے مرد تو درکنار عورتوں نے بھی کلمہ نہیں چھوڑا۔حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں کے بارے میں تاریخ کے اندر مختلف واقعات آتے ہیں ایک یہ کہ ابوجہل نے ان کا ایک پاؤں ایک اونٹ کے ساتھ

باندھ دیا اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ کے ساتھ باندھ دیا۔ اسی طرح ایک بازو ایک اونٹ کے ساتھ اور دوسرا بازو دوسرے اونٹ کے ساتھ اور کہا کہ کلمہ چھوڑ دے ورنہ اونٹوں کو مخالف سمتوں پر دوڑا دوں گا اور تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی مگر حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے کلمہ نہیں چھوڑا اور یہ بھی آتا ہے کہ ان کے نازک مقام پر برچھا مار کر ان کو شہید کر دیا۔ مگر انہوں نے کلمہ نہیں چھوڑا تو یہودیوں نے بھی گمراہ کرنے کے بڑے حیلے کیے مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پھسلا نہیں سکے۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝، اور وہ اہلِ کتاب سمجھتے نہیں ہیں کہ ہماری اس بدرستانی کا نتیجہ کیا نکلے گا؟۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ، اے اہلِ کتاب! کیوں انکار کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝، اور حالانکہ تم گواہی دیتے ہو۔ یہودی نجی محفلوں میں ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ یہ وہی رسول ہیں جنہوں نے آنا تھا۔ "اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ"۔ وہ پاتے ہیں اس کو لکھا ہوا اپنے پاس توراۃ میں اور انجیل میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور علامتیں انجیل میں بھی اور توراۃ میں بھی تھیں۔ آپس میں بیٹھے ہوئے کہتے تھے۔ "اِنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ"۔ بے شک یہ سچا رسول ہے۔ اور جب باہر نکلتے تو کہتے کہ یہ وہ نہیں ہے وہ اور ہے اب اس کا کیا علاج ہے؟ تو فرمایا۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ، اے کتاب والو! کیوں خلط ملط کرتے ہو حق کو باطل کے ساتھ۔ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ، اور کیوں چھپاتے ہو حق کو؟۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝، اور حالانکہ تم جانتے ہو۔ حق اور باطل کے درمیان امتیاز کر سکتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں مگر تم خلط ملط کرتے ہو کوئی بات حق کی کرتے ہو اور کوئی باطل کی۔ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنا بہت بڑا گناہ ہے اسی واسطے

شریعت نے شرک کے بعد سب سے زیادہ تردید بدعت کی، کی ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَامَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"۔ جس کسی نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہو گی۔ یعنی کسی شخص نے دین کے معاملہ میں کوئی ایسی چیز نکالی جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ یہ بات میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ سو گناہ کبیرہ کا اتنا گناہ نہیں جتنا ایک بدعت کا ہے۔ اس واسطے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا جانتا ہے کہ میں گناہ کر رہا ہوں۔ اور دیکھنے والا بھی سمجھتا ہے کہ یہ گناہ کر رہا ہے۔ تو گناہ سے دین کا نقشہ نہیں بدلتا۔ اور بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ غیر دین، دین بن جاتا ہے۔ اور کرنے والا دین سمجھ کر کرتا ہے۔ اور دیکھنے والا بھی یہی سمجھتا ہے کہ دین کا کام ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ مجمع الزوائد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کے بارے میں علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "رُوَاتُہٗ مُوَثَّقُوْنَ"۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!۔ "اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْحَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ کُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ"۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ یعنی بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ ایک تو بدعت کی نحوست اتنی ہوتی ہے کہ بدعتی میں توبہ کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ دوسرا یہ کہ وہ تو نیکی سمجھ کے کر رہا ہے ثواب سمجھتا ہے توبہ کیوں کرے۔ توبہ تو آدمی گناہ سے کرتا ہے۔ مثلاً دیکھو تمہارے سامنے قرآنِ کریم ہے۔ جس کا پڑھنا بھی ثواب دیکھنا بھی ثواب، ہاتھ لگانا بھی ثواب، سمجھنا بھی ثواب، تو جب اٹھو گے کہو گے۔ "الحمدُللہ"۔ تیرا شکر ہے پروردگار! ہم نے تیری کتاب کو دیکھا، پڑھا، اور سمجھا ہے یہ تو نہیں کہو گے کہ یا اللہ! میری توبہ میں نے درس سنا۔ کیونکہ عبادت ہے۔ عبادت

سے توبہ نہیں ہے توبہ تو گناہ سے ہے۔ تو بدعتی بدعت کو عبادت اور نیکی سمجھ کے کرتا ہے۔ اس واسطے اس سے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اگلی آیتِ کریمہ میں ان کا طریقہ واردات بیان فرماتے ہیں کہ وہ کس طرح گمراہ کرتے ہیں؟۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ،اور کہا ایک گروہ نے اہلِ کتاب میں سے۔ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ ،ایمان لاؤ! اس چیز پر جو نازل کی گئی ان لوگوں پر جو ایمان لائے دن کے ابتدائی حصے میں۔ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ،اور انکار کرو اس کے آخری حصے میں۔ اہلِ کتاب کے پانچ سات پڑھے لکھے غنڈے اکٹھے ہوئے۔ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا منصوبہ بنایا کہ اس طرح کرو کہ صبح کے وقت جہاں مسلمانوں کا مجمع ہو وہاں جا کر کہہ دو کہ ہم بھی مومن ہیں۔ اور جو کچھ تمہارے اوپر نازل ہوا ہے قرآن پاک اور دوسرے احکامات ہم ان پر ایمان لائے ہیں مسلمان خوش ہو جائیں گے کہ دیکھو جی! یہودی مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور جب سورج غروب ہونے لگے تو ان کے مجمع میں یہ کہہ کر واپس آ جاؤ کہ ہمیں اسلام میں کوئی سچائی نظر نہیں آئی۔ اس واسطے ہم اپنے پہلے مذہب پر چلے گئے ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ،تا کہ وہ بھی دین سے پھر جائیں۔ اس طرح مسلمان سوچیں گے کہ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ اسلام قبول کیا۔ اگر ضد ہوتی تو اسلام قبول ہی نہ کرتے پھر ایک دن بھی اسلام میں نہیں رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سچا نہیں ہے۔ تو وہ شک میں پڑ کر اسلام سے منحرف ہو جائیں گے۔ یہودیوں کا حیلہ اور تدبیر دیکھو! لیکن مسلمانوں پر ان کا کوئی حیلہ بھی کامیاب نہ ہوا۔ اور ان کو یہ بھی سمجھا کے بھیجا گیا تھا۔ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ،اور نہ تصدیق کرنا مگر اس کی جس نے تمہارے دین کی پیروی کی۔ یعنی مومنوں کی دل سے تصدیق نہ کرنا۔ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ،اے نبیؐ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیں! بے شک ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ وہ جس کو چاہے دے اور تم اس واسطے ضد کرتے ہو کہ اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ، یہ کہ دیا جائے کوئی مثل اس چیز کے جو تم دیئے گئے ہو۔ یعنی جس طرح تمہیں رسالت ملی تمہارے پیغمبروں پر کتابیں نازل ہوئیں وحی نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت عطاء فرمائی۔ اس طرح ان کو کیوں ملی ہے۔ اب ہمیں کیوں نہیں ملی۔ اس بنیاد پر تم یہ حرکتیں کرتے ہو۔ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ، یا وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ تمہارے رب کے ہاں۔ یعنی اگر تم نے ان کی تصدیق کر دی تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے کہ اے پروردگار! ان لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کرنے کے باوجود تیرے آخری نبی اور تیری کتاب قرآن پاک کو تسلیم نہ کیا۔ اس طرح اہلِ اسلام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے تم پر غالب آجائیں گے لہٰذا اسلامتی اسی میں ہے کہ صرف اس کی تصدیق کی جائے جو تمہارے دین کا متبع ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کی تصدیق نہ کرنا۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں! بے شک فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ یُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ، دیتا ہے وہ فضیلت جس کو وہ چاہے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○، اور اللہ تعالیٰ کشائش کرنے والا ہے، جاننے والا ہے۔ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ، خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ جس کو نبی بنانا ہے اور اس پر وحی نازل کرنا ہے۔ اس میں بندوں کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نہ ہی نبوۃ کسبی چیز ہے۔ کہ محنت کر کے کوئی نبی بن جائے۔ حاشا و کلا۔ اہلِ اسلام کا یہ اتفاقی عقیدہ ہے کہ رب جسے چاہے نبوۃ دے یہ اس کی مہربانی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوۃ ختم کر دی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوۃ ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ قادیانیوں کا باطل عقیدہ ہے کہ عبادت کرتے کرتے آدمی بلند مقام پر پہنچ جائے تو اس کو نبوۃ مل جاتی ہے جیسا کہ مرزا بشیر الدین محمود ملعون نے سیرۃ مہدی میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص عبادت کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جائے جو بہت بلند ہو تو اس کو نبوۃ مل جاتی ہے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم''۔ تو یاد رکھنا نبوۃ کسبی چیز نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○، اور اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ، اور اہلِ کتاب میں سے بعض۔ مَنْ، وہ ہیں۔ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ، اگر تو ان کے پاس امانت رکھے بہت سارا مال۔ يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ، وہ ادا کردیں گے اس مال کو تجھے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ، اور ان اہلِ کتاب میں سے وہ بھی ہیں۔ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ، اگر تو اس کے پاس امانت رکھے

صرف ایک دینار۔ لَّا یُؤَدِّہٖۤ اِلَیْکَ ،نہیں ادا کرے گا وہ اس دینار کو تجھے۔ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِمًا ،مگر جب تک قائم رہے تو اس پر کھڑا۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ قَالُوْا ،یہ اس وجہ سے کہ بے شک انہوں نے کہا۔ لَیْسَ عَلَیْنَا ،نہیں ہے ہم پر۔ فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ،ان پڑھ لوگوں کے مال لینے میں کوئی الزام کا راستہ۔ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللہِ الْکَذِبَ ،اور یہ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ۔ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ O ،اور حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ بَلٰی ،کیوں نہیں ان پر الزام کا راستہ۔ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ ،جو اپنا عہد پورا کرے گا۔ وَاتَّقٰی ،اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا۔ فَاِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ O ،پس بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔ O اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ ،بے شک وہ لوگ جو خریدتے ہیں۔ بِعَھْدِ اللہِ ،اللہ تعالیٰ کے عہد کے بدلے۔ وَاَیْمَانِہِمْ ،اور اپنی قسموں کے بدلے۔ ثَمَنًا قَلِیْلًا ،تھوڑی قیمت۔ اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ ،وہ لوگ ہیں کوئی حصہ نہیں ہوگا ان کے لئے اچھائی کا۔ فِی الْاٰخِرَۃِ ،آخرت میں۔ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللہُ ،اور اللہ تعالیٰ ان سے پیار کا کلام نہیں کرے گا۔ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْہِمْ ،اور نہ ان کی طرف نگاہِ شفقت فرمائیں گے۔ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ،قیامت کے دن۔ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ ،اور نہ ان کو اللہ تعالیٰ پاک کرے گا۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O ،اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وَاِنَّ مِنْھُمْ ،اور بے شک ان اہلِ کتاب میں سے۔ لَفَرِیْقًا ،ایک گروہ ایسا ہے۔ یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَھُمْ بِالْکِتٰبِ ،جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ۔ لِتَحْسَبُوْہُ ،تاکہ تم سمجھو اس کو۔ مِنَ الْکِتَابِ ،کتاب سے۔ وَمَاھُوَ مِنَ الْکِتَابِ ،حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے۔ وَیَقُوْلُوْنَ ،اور وہ کہتے ہیں۔ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللہِ ،یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وَمَا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللہِ ،حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللہِ الْکَذِبَ ،اور وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ۔ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ O ،حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

اس سے پہلے بھی اہلِ کتاب کا ذکر تھا۔ اور اب بھی اہلِ کتاب کا ذکر ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ، اور اہلِ کتاب میں سے بعض وہ ہیں اگر تو ان کے پاس امانت رکھے بہت سارا مال۔ يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ، وہ ادا کر دیں گے اس مال کو تجھے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تفسیر اور احادیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ ایک مسافر آیا جو کہ تاجر تھا۔ اس کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ساڑے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ اس وقت کے لحاظ سے تقریباً پانچ چھ لاکھ رقم بنتی ہے۔ اس تاجر نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ شریف آدمی ہے۔ ان کو الگ بلایا اور کہنے لگا کہ میں مسافر ہوں اور تاجر آدمی ہوں۔ میرے پاس کچھ رقم ہے میں تمہارے پاس امانت رکھنا چاہتا ہوں۔ جب میں واپس جانے لگوں گا واپس لے لوں گا۔ فرمایا! رکھ دے۔ وہ شخص سونا بغیر کسی گواہ اور تحریر کے ان کے پاس امانت رکھ کر چلا گیا۔ جو جو کام اس نے کرنے تھے کئے اور کچھ عرصہ کے بعد واپس آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں اب واپس گھر جانا چاہتا ہوں اور میں نے تمہارے پاس امانت رکھی تھی۔ وہ مجھے واپس کر دیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس وقت یہودی تھے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مگر فطرتِ سلیمہ کے مالک اور نیک طبع آدمی تھے۔ انہوں نے سارا سونا لاکر ان کے حوالے کر دیا۔ اتنی بڑی رقم کا سونا اور اس پر گواہ کوئی نہیں تحریر کوئی نہیں ہے۔ مگر دیانت داری بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دیانت کی برکت سے ایمان کی توفیق عطاء فرمائی۔ اور مسلمان ہو گئے۔ ان کا سارا گھرانہ علمی تھا۔ مرد اور عورتیں سب توراۃ کے ماہر تھے۔ یہ اپنی پھوپھی سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں اور علامتیں سنا کرتے تھے وہ انہوں نے نوٹ کی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ

تشریف لائے تو یہ آپ کو ملنے کے لئے پہنچ گئے۔ پہلی مجلس میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ۔ "اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ"۔ آپس میں سلام کو عام کرو۔ یعنی ایک دوسرے کو کثرت کے ساتھ سلام کرو۔ ربط اور تعلق پیدا ہوگا۔ "اَطْعِمُوا الطَّعَامَ"۔ جن کو رب تعالیٰ نے مال کی توفیق عطاء فرمائی ہے وہ غریبوں کو کھانا کھلائیں۔ "وَصَلُّوْا بِالَّیْلِ وَ النَّاسُ نِیَامٌ"۔ راتوں کو اٹھ کر نمازیں پڑھا کرو۔ اس حال میں کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ "وَلِیْنَ الْکَلَامُ"۔ اور گفتگو کرو نرمی کے ساتھ۔ سختی نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ابتدائی تقریر سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بشرہ دیکھا تو فیصلہ کیا۔ "اِنَّ ھٰذَا الْوَجْهَ لَیْسَ بِوَجْهِ کَذَّابٍ"۔ بے شک یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ سب کے سامنے کلمہ شہادت۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ یہود کو علم ہوا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ تو ان کا پارہ بہت چڑھا اور بہت غصے ہوئے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ وہ اثر ورسوخ والا آدمی ہے۔ اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ اور دوسرے لوگوں پر بھی اثر پڑے گا۔ حقیقت معلوم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا پروگرام بنایا۔ ادھر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آرہے ہیں۔ اس وقت مسجد نبوی نہیں بنی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر رہائش پذیر تھے۔ اور کمرے کی ایک جانب پردہ لٹکایا ہوا تھا اگر کوئی عورت آتی تو پردے کی اوٹ میں بیٹھ جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا

حضرت معلوم ہوا کہ یہودی آپ کے پاس آرہے ہیں۔ میں پردے کے پیچھے چلا جاتا ہوں۔
اور آپ ان سے میرے بارے میں اور میرے والد کے بارے میں پوچھنا کہ وہ کیسے آدمی
ہیں؟ چنانچہ یہودی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فر
مایا کہ یہ بتاؤ کہ عبداللہ ابن سلام تم میں سے کیسا شخص ہے یہود نے کہا۔"خَیْرُنَا وَابْنُ
خَیْرِنَا"۔ہم میں سے سب سے بہتر اور سب سے بہتر کا بیٹا ہے۔ہم میں سے سب سے بڑا عالم
ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے۔"اَعْلَمُنَا وَابْنُ اَعْلَمِنَا"۔ہم میں سے سب سے افضل
اور سب سے افضل کا بیٹا ہے۔"اَفْضَلُنَا وَابْنُ اَفْضَلِنَا"۔ہمارا سردا ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا
ہے۔"سَیِّدُنَا وَابْنُ سَیِّدِنَا"۔بخاری شریف میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر
عبداللہ ابن سلام مسلمان ہو جائے تو کیا پھر تم مسلمان ہو جاؤ گے یہودی کہنے لگے۔"اَعَاذَهُ اللّٰهُ
مِنَ الْاِسْلَام"۔اللہ تعالیٰ اس کو اسلام سے بچائے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر
واقعۃً وہ مسلمان ہو جائے تو پھر تم کیا کہو گے؟ کہنے لگے بڑا سمجھدار آدمی ہے۔وہ اسلام قبول
نہیں کرے گا یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پردے سے باہر تشریف
لے آئے اور بلند آواز سے کہا۔"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ
مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔یہودی کہنے لگے۔"شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا"۔ہم میں سے بڑا شرارتی
ہے اور اس کا باپ بھی بڑا شرارتی تھا۔اس سے یہودیوں کا اندازہ کرو کہ مجلس نہیں بدلی وقت
نہیں بدلا۔لوگ بھی وہی ہیں، کس طرح بدلے۔حضرت عَبداللہ بن سلام چونکہ مضبوط آدمی
تھے۔اس واسطے انہوں نے کسی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔اور حدیث پاک میں آتا ہے۔"اَلْمُؤْمِنُ
الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ"۔تگڑا مومن بہتر ہے کمزور مومن سے۔کیونکہ مضبوط ہوگا

تو خود بھی ایمان پر قائم رہے گا اور دوسروں کا بھی خیال رکھے گا۔ ویسے اللہ تعالیٰ سب مومنوں کی قدر کرتا ہے۔ مگر "اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ"۔ طاقتور مومن زیادہ محبوب ہے اللہ تعالیٰ کو کمزور مومن سے۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے بھی بڑے دیانت دار تھے۔ اہلِ کتاب میں بڑے بڑے بددیانت بھی تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ، اور ان اہلِ کتاب میں سے وہ بھی ہیں اگر تو اس کے پاس امانت رکھے صرف ایک دینار۔ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ، نہیں ادا کرے گا وہ اس دینار کو تجھے۔ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىٕمًا، مگر جب تک قائم رہے تو اس پر کھڑا۔ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کا ایک بہت بڑا پیر اور مولوی تھا۔ فخاص ابن عازورا اس کی وضع قطع شکل و صورت ایسی تھی کہ آدمی کو شبہ پڑتا تھا۔ کہ شاید خضر علیہ السلام یہی ہیں۔ اور گفتگو کا انداز ایسا تھا کہ لوگ شوق سے سنتے تھے۔ قریش خاندان کا ایک مسافر مدینہ طیبہ آیا تو فخاص کو شکل و صورت سے بڑا بزرگ خیال کر کے اس کے پاس گیا۔ اس وقت اس کے شاگرد اور مرید بھی اس کے پاس موجود تھے۔ اس مسافر نے کہا غریب آدمی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ یہ میرے پاس ایک دینار ہے تمہارے پاس امانت رکھتا ہوں جب میں واپس گھر جاؤں گا تم سے لے لوں گا۔ وہ مسافر کچھ عرصہ کے بعد آیا اس وقت بھی فخاص کے مرید اور شاگرد اس کے پاس موجود تھے۔ کہنے لگا کہ اب میرا گھر جانے کا ارادہ ہے لہٰذا میرا وہ دینار جو میں نے تمہارے پاس امانت رکھا تھا۔ واپس دے دو۔ فخاص نے اس مسافر کی طرف گھور کر دیکھا اور کہنے لگا کونسا دینار اور کب تو نے امانت رکھی تھی؟ خواہ مخواہ بزرگوں پر بہتان لگا رہا ہے؟۔ دوڑ جا یہاں سے۔ اس کو جھڑک دیا۔ وہ بے چارہ باہر چلا گیا شاگردوں اور مریدوں نے کہا حضرت

اس نے ایک دینار تمہارے پاس امانت کے طور پر رکھا تو تھا تم بھول گئے ہو۔ فخاص کہنے لگا اس بات کو چھوڑو یہ اَن پڑھ لوگ ہیں۔ ہم نے فیسیں دے کر تعلیم حاصل کی ہے۔ ان کا مال کھانا ہمارے لئے جائز ہے۔ یہ تو ہمارے گدھے ہیں جس طرح چاہو ان پر سواری کرلو۔ اس کے مریدوں میں کوئی تجربہ کار آدمی تھا۔ وہ اس مسافر کے پاس آیا اور کہا کہ یہ ہمارے پیر صاحب ہیں۔ ان کو میں جانتا ہوں یہ اس طرح دینار نہیں دیں گے میں تجھے طریقہ بتاتا ہوں۔ اس طرح کر تجھے دینار مل جائے گا تو جا کر اس کو کہہ کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میرا دینار دے دے۔ ورنہ میں محلوں میں، گلیوں میں پھروں گا اور شور مچاؤں گا۔ کہ فخاص بن عازورا میرا دینار کھا گیا ہے۔ اس مسافر نے جب اس طرح جا کر کہا تو گھبرایا اور جیب سے ایک دینار نکال کر اس کی طرف پھینکا۔ اور کہا کہ خواہ مخواہ ویسے ہی بدنام کرتا ہے۔ لے یہ دینار اور نکل جا یہاں سے تو جو شخص اتنا بد دیانت ہو کہ ایک دینار پر بے ایمان ہو جائے جب کہ اس وقت تقریباً دینار کی قیمت دو سو روپیہ ہے۔ تو ایسے شخص کو رب تعالیٰ ایمان جیسی دولت کیوں عطاء فرمائے۔ برتن صاف ہوگا تو اس میں کوئی چیز پڑے گی۔ اور اگر غلاظت سے بھرا ہوا ہو تو اگر اس میں اچھی چیز بھی ڈالو گے تو خراب ہو جائے گی۔ تو اس جیسوں سے امانت ڈنڈے کے ساتھ ہی وصول کرنی ہے۔ کیونکہ ان کا نظریہ ہے۔ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ، یہ اس وجہ سے کہ بے شک انہوں نے کہا نہیں ہے ہم پر ان پڑھ لوگوں کے مال لینے میں کوئی الزام کا راستہ۔ یعنی جس طرح چاہو اور جس طریقے سے چاہو اِن اَن پڑھوں سے مال لینا درست ہے زبردستی یا دھوکے سے یا تجارت میں خیانت کر کے ہر طرح جائز ہے جب انسان اتنا بد دیانت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اسلام جیسی عزیز متاع کیوں نصیب کرے۔ پھر یہ بات اللہ

تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں امیوں کا مال کھانے کی اجازت دی۔فرمایا،
وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ،اور یہ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ۔ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ☆،اور
حالانکہ وہ جانتے ہیں۔اگر کوئی شخص غلط فہمی کا شکار ہوتو وہ الگ بات ہے جان بوجھ کر کہنا کہ ہم
بڑے نیک اور پرہیز گار لوگ ہیں۔اور پڑھے ہوئے ہیں اور یہ ان پڑھ لوگ ہمارے گدھے
اور ٹٹو ہیں۔ان پر سوار ہو جاؤ یہ ہمیں رب کا حکم ہے۔فرمایا! یہ بالکل جھوٹ بولتے ہیں۔ بَلٰی
،کیوں نہیں ان پر الزام کا راستہ۔ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ ،جو اپنا عہد پورا کرے گا۔ وَاتَّقٰی ،اور
اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا۔جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنا عہد پورا کیا
اور ان کو رب کا خوف تھا ورنہ اگر وہ رقم ہضم کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔اور یہ ان کے لئے
آسان تھا۔کیونکہ نہ تحریر تھی اور نہ کوئی گواہ تھا۔کافی رقم کا سونا تھا۔دیکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔
اور دوسری طرف فخاص بن عازورا کے پاس جب رقم رکھی گئی تو اس کے شاگرد اور مرید دیکھ
رہے تھے۔اور انہوں نے یاددہانی بھی کرائی مگر اس نے ان کو بھی جھڑک دیا۔تو ایسوں کو اللہ
تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ○،پس بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت
کرتا ہے۔آگے ایک اور واقعہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت اشعث
بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہودی کے ساتھ کنویں کے سلسلہ میں جھگڑا تھا۔یہودی کہتا تھا
کہ کنواں میرا ہے اور حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ کنواں میرا ہے۔اور
حقیقت میں تھا بھی حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا اور یہودی نے ویسے ہی ناجائز قبضہ
کیا ہوا تھا اور اس زمانے میں آج کی طرح رجسٹری انتقال وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔کہ کام پختہ
ہو جائے لوگوں نے کہا جھگڑو نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرالو۔حق کا فیصلہ ہو جائے

گا۔ چنانچہ یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اور اپنا مُدّعا بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تو دعویٰ کرتا ہے کہ کنواں تیرا ہے تو کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ (کیونکہ اسلام کا ضابطہ ہے۔"اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَ الْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ" ۔کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہیں۔اور منکر پر قسم آتی ہے یعنی مدعی اگر گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی) حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت یہ کنواں جدی پشتی ہمارے پاس چلا آرہا ہے۔میرے بڑوں نے جب یہ کنواں کھودا تھا اس وقت میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔اس وقت کے گواہ تو میرے پاس نہیں ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! یہ تو فاسق فاجر آدمی ہے اس طرح تو یہ سارے مدینہ پر قبضہ کر لے گا۔اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ، بے شک وہ لوگ جو خریدتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کے بدلے اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت۔یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا عہد کیا تھا مگر ایمان نہیں لائے وہ وعدہ پورا نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم دیا تھا امانت کے ادا کرنے کا۔لیکن یہ حق دار کو امانت ادا نہیں کرتے اور قسم کے بدلے حقیر مال خریدتے ہیں اور دنیا ساری ہی قلیل ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا و مافیہا کی قدر اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا تو جو دنیا کی خاطر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور عہد پورا نہیں کرتے اور امانت ادا نہیں کرتے۔ اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ، وہ لوگ ہیں کوئی حصہ نہیں ہوگا ان کے لئے اچھائی کا آخرت میں۔ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ ، اور اللہ تعالیٰ ان سے پیار کا کلام نہیں فرمائیں

گے۔محبت کی گفتگو نہیں ہوگی۔ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ،اور نہ ان کی طرف نگاہِ شفقت فرمائیں گے قیامت کے دن۔ویسے دیکھے گا تو سب کو۔یعنی مطلقاً دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔شفقت سے دیکھنے کی نفی ہے۔ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ،اور اللہ تعالیٰ ان کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O ،اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔آگے یہودیوں کی ایک شرارت کا ذکر ہے۔فرمایا۔وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ ،اور بے شک ان اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ۔ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ ،تاکہ تم سمجھو اس کو کتاب سے۔ وَمَاهُوَ مِنَ الْكِتَابِ ، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پڑھے لکھے لوگ بھی ہوتے تھے اور ان پڑھ بھی ذہین بھی اور غبی بھی ،شہری بھی اور دیہاتی بھی ،اور ہر مجلس کا یہی حال ہوتا ہے۔تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ "رَاعِنَا"۔حضرت ہماری رعایت فرمائیں کہ ہم سب سمجھیں۔اور یہودی زبان تھوڑی سی دبا کر کہتے تھے۔"رَاعِيْنَا"۔کہ عین کے بعد یا پیدا ہو جاتی تھی تو اس کا معنیٰ بنتا ہے متکبر جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں میں بری رعونت ہے یعنی تکبر ہے تو پہلے پارے میں تم یہ بات پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ بولنے سے منع فرما دیا۔فرمایا! "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا" ۔اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہو اور" اُنْظُرْنَا " کہو کہ حضرت ہم پر شفقت فرماؤ۔کیونکہ ایسے ملتے جلتے الفاظ سے یہ لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے کا واقعہ ہے ایک طالب علم نے چوری کی مقدمہ اساتذہ کے سامنے پیش ہوا قسم پر فیصلہ طے ہوا۔چور نے قسم اٹھالی کہ میں نے چوری نہیں کی۔دوسرے ساتھیوں نے ملامت کی کہ تو نے چوری ہمارے سامنے کی ہے۔اور قسم اٹھالی ہے

تو اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے قسم کن الفاظ کے ساتھ اٹھائی ہے ساتھیوں نے کہا کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی ہے کہنے لگا نہیں میں نے تو" اَلّاں" کی قسم اٹھائی ہے۔ "اَلّاں" کدو کی طرح ایک سبزی ہوتی ہے کدو گول ہوتا ہے اور یہ لمبی ہوتی ہے۔ تو لہجے سے کتنا فرق ہو گیا زبر زیر سے فرق ہو جاتا ہے جیسے "بَکْرِی" اور بِکْرِی" ۔ معلوم مجہول پڑھنے سے فرق ہو جاتا ہے۔ جیسے تُھوک اور تھوک تو اسی طرح یہودی دھوکا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ ،اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ ، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ،اور وہ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ ، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ ہم ہیرا پھیری کر رہے ہیں۔ اور اسی طرح کی ہیرا پھیری کرنا بڑا سخت گناہ ہے حدیث میں آتا ہے کہ جس نے جھوٹی قسم اٹھائی یا شہادت میں غلط بیانی کی تو وہ چور کی طرح مجرم ہے اور آج وہ زمانہ ہے کہ کوئی سچی گواہی نہیں دے سکتا۔ عام لوگ تو عام ہیں ججوں کا یہ حال ہے کہ بے چارے جب بیان لیتے ہیں تو نقاب پہن لیتے ہیں۔ کہ ہمیں پہچان نہ لیں اور بعد میں مار نہ دیں یہ حالات ہیں کہ غنڈہ گردی دنیا میں عام ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۔ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

مَا كَانَ لِبَشَرٍ ، نہیں حق پہنچتا کسی بشر کو۔ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ ، اس کے بعد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتاب دی ہو۔ وَالْحُكْمَ ، اور حکم دیا ہو۔ وَ النُّبُوَّةَ ، اور نبوۃ دی ہو۔ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ ، پھر کہے لوگوں کو۔ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ ، ہو جاؤ تم میرے بندے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ سے ورے ورے۔ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ، اور لیکن وہ یہ کہے گا کہ ہو جاؤ تم رب والے۔ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ ، اس واسطے کہ تم تعلیم دیتے ہو کتاب کی۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ O ، اور اس واسطے کہ تم پڑھتے ہو کتاب کو۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ ، اور وہ تم کو حکم نہیں دے گا۔ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ ، اس بات کا کہ تم بنالو فرشتوں کو۔ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ، اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو رب۔ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ ، کیا وہ تمہیں حکم کرے گا کفر کا۔ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

کافی تفصیل کے ساتھ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ۸ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور سارا عرب اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گیا۔ اور نجران بھی عرب کا علاقہ تھا۔ اور وہاں عیسائیوں کی اکثریت تھی۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم اب الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ اور اگر مقابلہ

کرتے ہیں تو مشکل بات ہے ۔لہٰذا بہتر ہے کہ ان کی حکومت کو تسلیم کرلو اس مقصد کے لئے ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے الگ الگ رہنا پسند نہ کیا جس کی وجہ سے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا ان کے آنے کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ ہم تمہاری رعیت بننے کے لئے آئے ہیں مگر پڑھے لکھے لوگ تھے علمی گفتگو بھی ہوئی جس کا ذکر پہلے ہوا ہے اس گفتگو میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے بڑوں کو کہا تھا کہ مجھے رب سمجھنا اس واسطے ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بندے ہیں اور وہ ہمارے رب ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ، نہیں حق پہنچتا کسی بشر کو اس کے بعد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتاب دی ہو اور حکم دیا ہو اور نبوۃ دی ہو۔ اب قیود کے بعد پیغمبروں کے علاوہ دوسرے بشر خارج ہو گئے کیونکہ دوسروں پر نہ تو کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ نہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوۃ عطاء فرمائی ہے نہ ان پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس میں صرف اور صرف پیغمبر آتے ہیں تو جو بشر پیغمبر ہے اس کو حق نہیں پہنچتا کہ یہ چیزیں ملنے کے بعد۔ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، پھر وہ کہے لوگوں کو ہو جاؤ تم میرے بندے اللہ تعالیٰ کے سوا یہ تو پیغمبر کا حق ہی نہیں ہے۔ اور یہ اس کی شان کے لائق ہی نہیں ہے۔ یہ تمہاری خانہ ساز باتیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ تم میرے بندے بن جاؤ۔ نہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ہے نہ موسیٰ علیہ السلام نے نہ کسی اور پیغمبر نے فرمایا ہے اسی آیتِ کریمہ کے پیشِ نظر مفسرین کرام، فقہائے کرام، اور محدثینِ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے لکھا ہے کہ عبد النبی، عبد الرسول، عبد المصطفیٰ نام رکھنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ عبد سے مراد غلام ہے۔ تو اس صورت میں عبد النبی کا معنی بنے گا غلام نبی اور عبد الرسول کا غلام

رسول اور عبد المصطفیٰ کا غلام مصطفیٰ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ عبد سے مراد اگر بندہ ہو جیسے عبد اللہ، عبد الرب اور عبد الکریم میں ہے تو پھر خالص شرک ہے۔ اور اگر غلام والا معنی لیں تو شرک تو نہیں ہے۔ مگر مکروہ ہے۔ کیونکہ لفظ "ذو معنیین" ہے۔ اور ایسا لفظ بولنا کہ جس کا ایک معنیٰ ایسا نکلتا ہو کہ جس سے لوگ غلط فائدہ اٹھائیں تو وہ بولنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہ بات تم سن چکے ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے راعنا کا لفظ بولتے تھے جس کے معنیٰ ہیں ہماری رعایت فرمائیں لفظ بھی صحیح تھا اور کہنے والوں کی نیت بھی درست تھی۔ لیکن یہودی اس کو زبان دبا کر راعینا بولتے تھے جس کا معنیٰ متکبر، چرواہا اور جاہل بنتا ہے۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی ۔ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لفظ کے بولنے سے منع فرما دیا کیونکہ یہودی اس سے غلط فائدہ اٹھاتے تھے۔ لہٰذا ایسا لفظ جس کا مفہوم شریعت کے خلاف نکل سکتا ہو اور لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت۔ "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" ۔ کے الفاظ کے ساتھ درود پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں تو حضرت نے فرمایا۔ کہ یہ بھی درود کے مختصر الفاظ ہیں لیکن پڑھنے والا اس نظریئے کے ساتھ پڑھے کہ اس درود کو فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچاتے ہیں اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھ کر پڑھے گا تو کفر اور شرک ہوگا اور اب چونکہ لوگوں کے ذہن خراب ہیں اور وہ۔ "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" ۔ سے یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں اس واسطے عام آدمی یہ الفاظ کہنے اور بولنے سے گریز کرے تاکہ باطل کی تائید نہ ہو ورنہ فِیْ نَفْسِہٖ یَا رَسُوْلُ اللّٰہِ کہنا اور محض پیار اور محبت میں کہنا جائز اور صحیح ہے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ کوئی آدمی راستے پر چلتے چلتے گر پڑے اور کہے ہائے او

میری ماں یا باپ تھے او میری بے بے اب ماں اور بے بے وہاں موجود تو نہیں ہیں۔ مگر محبت ہوتی ہے اس واسطے بے ساختہ زبان پر ان کا نام آتا ہے اسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہ سمجھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا نظریہ نہ ہو تو یا رسول اللہ کہنا صحیح ہے۔ لیکن عوام چونکہ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھتے ہیں اور آپ سے مدد مانگتے ہیں اس واسطے یہ لفظ نہیں بولنے چاہییں۔ اور جتنے بھی موہوم الفاظ ہیں ان کا یہی حکم ہے۔ مثلاً ایک شخص ''یا علی مشکل کشا'' کہتا ہے۔ اور اس کی علی سے مراد رب کی ذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام علی بھی ہے۔ "وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ" ۔ تو یہ کہنا فی نفسہٖ صحیح ہے۔ مگر عوام میں یہ جملہ اس وقت تک نہ بولے جب تک ان کو سمجھا نہ دے کہ بھائی علی اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور میں جو کہتا ہوں یا علی مشکل کشا تو اس سے میری مراد رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور اگر یہ تشریح نہیں کرے گا تو لوگ سمجھیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مدد مانگ رہا ہے۔ جو کہ عوام کا ذہن بنا ہوا ہے یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ مشکل کشا کا لفظ کتابوں میں آتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہوا ہے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ حل فرمادیتے تھے۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سمجھ عطاء فرمائی تھی۔ ایک موقعہ پر ایک مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "قَضِيَّةٌ وَلَا اباحَسنٍ" ۔ مشکل مسئلہ پیش آیا ہے۔ اور ابوالحسن علی موجود نہیں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب تھا۔ حَلَّا المهاقل ۔ مشکل مسائل کی گرہ کھولنے والا۔ بعض بزرگان دین کے شجروں میں جو یہ الفاظ آتے ہیں کہ پروردگار علی مشکل کشا کے واسطے۔ چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے شجرہ میں بھی یہ لفظ ہیں اے پروردگار یہ میرا کام کر علی مشکل کشا

کے واسطے تو اس سے یہی مراد ہے مشکل مسائل کی گرہ کھولنے والا یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مافوق الاسباب لوگوں کی مشکلیں حل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ کسی ناسمجھ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا کہ تم دیوبندی ایک طرف تو کہتے ہو کہ علی مشکل کشا کہنا شرک ہے اور دوسری طرف تمہارے شجروں میں علی مشکل کشا کے لفظ موجود ہیں۔ تو حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات میں موجود ہے فرماتے ہیں دیکھو بھائی! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور میں مشکل سے مشکل مسئلے حل فرماتے تھے۔ عربی میں ان کو "حلال المعاقل" ۔ کہتے تھے۔ مشکل مسئلوں کی گرہ کھولنے والا اور فارسی والوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے مشکل کشا تو مشکل کشا سے یہ مراد ہے باقی ہماری مشکلیں رب تعالیٰ ہی حل فرماتے ہیں رب کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں ہے۔ تو مسئلہ یہ ہے کہ ایسا نام نہ رکھو جس سے شرکیہ مفہوم نکلتا ہو۔ ناموں میں بہتر نام وہ ہیں جن میں رب تعالیٰ کی طرف نسبت ہو جیسے عبداللہ ہے عبدالرب ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ سب سے اچھے وہ نام ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جیسے عبداللہ، عبدالرحمن، عبدالرحیم، عبدالجلیل، عبدالکریم، عبدالرب، عبدالمؤمن، عبدالمهیمن، عبدالمنعم، عبدالمحسن، عبدالمقیت، عبدالمبین، عبدالمتین، دوسرے نمبر پر وہ نام ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے جیسے محمد قاسم، حسین احمد، غلام محمد، پھر وہ ہیں جن میں دوسرے پیغمبروں کے نام آئیں۔ جیسے محمد ابراہیم، محمد اسماعیل، محمد داؤد، محمد اسحاق، محمد زکریا۔ پھر وہ نام ہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ہیں جیسے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان ناموں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور اجازت بھی دی کہ صحیح ہیں۔ اگر کسی صحابی کی نام غلط ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدل دیتے تھے دیہات سے ایک موٹا تازہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور اس کے ساتھ

ایک کتا بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ بھائی تیرا نام کیا ہے؟ کہنے لگا میرا نام ظالم ہے اور میرے کتے کا نام راشد ہے۔ اور راشد کا معنیٰ ہے ہدایت یافتہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو بندہ ہو کے بھی ظالم ہے اور وہ کتا ہو کے راشد ہے۔ فرمایا میں نے نام بدلنا ہے آج کے بعد تیرے کتے کا نام ظالم ہے اور تیرا نام راشد ہے۔ اپنے علاقے میں جا کر لوگوں کو بتا دینا۔ منیب الطبع اور سلیم الطبع شخص تھا کوئی قیل و قال نہیں کی کہنے لگا۔ حضرت ٹھیک ہے اور اگر اَڑنا چاہتا تو کہہ سکتا تھا کہ حضرت میرا کوئی اور نام رکھ دو کتے کا نام تو میرا نہ رکھو اور بعضے اَڑ بھی جاتے تھے جیسے رئیس التابعین حضرت سعید ابن المسیب رحمہ اللہ کے دادا حضرت حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت سعید مشہور تابعی ہیں۔ ان کے باپ میتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ اور دادا حزن رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔ یہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً نام دریافت فرماتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میرا نام حزن ہے۔ اور حزن کے معنیٰ ہیں کھردرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نام اچھا نہیں ہے۔ اگر تو چاہے تو میں تیرا نام سہیل رکھ دوں۔ سہیل کے معنی ہیں نرم۔ حضرت حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضرت اس میں شرعی طور پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں گناہ تو نہیں ہے۔ کہنے لگے یہ نام میرے باپ دادا نے رکھا ہے۔ لہٰذا میں حزن ہی ٹھیک ہوں۔ حضرت سعید رحمہ اللہ ابن میتب فرماتے ہیں کہ قدرتی طور پر وہ دادے والی سختی ہم میں بھی ہے کاش کہ ہمارا دادا اس وقت مان لیتا اور ان کا نام سہل ہو جاتا۔ اور ہم میں بھی نرمی ہوتی تو ناموں میں اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا مہمل اور اجنبی نام نہیں رکھنا چاہیے۔ عورتیں کئی مہمل قسم کے نام لے آتی ہیں۔ اور پوچھتی ہیں کہ اس کا کیا معنی ہے؟ تو ساری لغتیں تو یاد نہیں ہوتیں۔ جس زبان کا لفظ ہے اس لغت میں

دیکھ لو کیا معنیٰ ہے؟اور عورتوں کے ناموں میں وہ نام اچھے ہیں جو صحابیاتؓ کے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے نام ہیں اور ایسے ناموں سے گریز کرنا چاہیے جن کے شرکیہ معنیٰ بنتے ہوں۔ تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں تو کسی پیغمبر نے یہ سبق نہیں دیا کہ تم میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہ تعلیم دیتے ہیں۔ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ،اور لیکن (وہ یہ کہے گا کہ) ہو جاؤ تم رب والے۔ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ ،اس واسطے کہ تم تعلیم دیتے ہو کتاب کی۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ O ،اور اس واسطے کہ تم پڑھتے ہو کتاب کو۔ خطاب تو عیسائیوں کو ہے اور وہ کتاب پڑھتے بھی تھے۔ اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے مگر وہ بات کہ جس سے ان پر زد پڑتی تھی اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ،اور وہ تم کو حکم نہیں دے گا اس بات کا کہ تم بنالو فرشتوں کو اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو رب۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو رب بنایا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنایا اور صابیوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنایا۔ پھر ان کی پوجا شروع کر دی۔ اور آج کل بعض جاہل قسم کے لوگ تعویذات پر لکھتے ہیں یا جبرائیل، یا میکائیل، یا اسرافیل، یا عزرائیل (علیہم السلام) وغیرہ۔ یہ بالکل ناجائز ہے۔ اس واسطے کہ کام تو سارے رب کرتا ہے فرشتوں کے تو بس میں ہی کچھ نہیں ہے۔ ان کو پکارنے کا کیا فائدہ وہ تو رب تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگ جب آگ کے بھٹے میں ڈالنے لگے تو جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے میرے لائق کوئی خدمت ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ "حسبی اللہ"۔ مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O کیا وہ تمہیں حکم کرے گا کفر کا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اسلام سکھانے کے لئے آتا ہے؟ یا کفر

سکھانے کے لئے آتا ہے؟ کیا وہ تمہیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم عبدالمسیح علیہ السلام، عبدموسیٰ علیہ السلام، عبدداؤد علیہ السلام، عبدالرسول اور عبدالمصطفےٰ بن جاؤ۔ یہ تو کفر کی بات ہے۔ پیغمبر یہ تعلیم نہیں دیتے وہ تو تعلیم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بندے بنو اور نام بھی وہ رکھو جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو یا اس میں نبی کا نام آئے۔ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور عورتیں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن کے ناموں والے نام رکھیں ناموں کا اثر ہوتا ہے۔ ابھی تم بخاری شریف کی حدیث سن چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)......!

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ، اور جس وقت لیا اللہ تعالیٰ نے۔ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ، وعدہ پیغمبروں سے۔ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ ، وہ چیز جو میں تمہیں دوں گا۔ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ، کوئی کتاب اور دانائی۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ، پھر آئے گا تمہارے پاس رسول۔ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ، تصدیق کرنے والا ہوگا اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ ، البتہ ضرور تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ، اور البتہ ضرور تم

اس کی مدد کرو گے۔ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ ، فرمایا پروردگار نے کیا تم نے اقرار کیا؟۔ وَاَخَذْتُمْ ، اور لیا تم نے۔ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ، اس پر میرا وعدہ۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ، کہنے لگے ہم نے اقرار کیا۔ قَالَ فَاشْهَدُوْا ، رب تعالیٰ نے فرمایا پس گواہ بن جاؤ۔ وَاَنَا مَعَكُمْ ، اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ O، گواہوں میں سے۔ فَمَنْ تَوَلّٰى ، پس جس نے اعراض کیا۔ بَعْدَ ذٰلِکَ ، اس کے بعد۔ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O، پس وہی لوگ نافرمان ہیں۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللهِ ، کیا اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کوئی اور دین۔ يَبْغُوْنَ ، یہ تلاش کرتے ہیں۔ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ ، اور اسی کے سامنے جھکی ہوئی ہے وہ مخلوق۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ، خوشی کے ساتھ اور جبراً۔ وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ O، اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللهِ ، آپ کہہ دیجئے ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ، اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ، اور اس چیز پر جو نازل کی گئی ابراہیم علیہ السلام پر۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ، اور اسماعیل علیہ السلام پر، اور اسحٰق علیہ السلام پر، اور یعقوب علیہ السلام پر۔ وَالْاَسْبَاطِ ، اور ان کی اولاد در اولاد پر۔ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى ، اور اس چیز پر جو دی گئی موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو۔ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ، اور سب نبیوں کو جو دی گئی ان کے رب کی طرف سے۔ لَا نُفَرِّقُ ، ہم نہیں تفریق کرتے۔ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ، ان میں سے کسی ایک کے درمیان۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ O اور ہم اسی رب تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں۔

اس سے پہلے تم یہ بات خاصی تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور ان کے آنے کا اصل مقصد تو اتنا ہی تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باوفا رعایا ہیں ہم پر جو ٹیکس وغیرہ عائد

ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل ہمیں بتا دو۔ لیکن چونکہ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ مختلف قسم کی علمی باتیں بھی ہوئی۔ جن کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آخر میں انہوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ ٹھیک ہے تم نبی ہو گے مگر عربوں کے لئے۔ ہم جو بنی اسرائیلی ہیں یا دوسری قومیں ہیں۔ ان کے لئے تمہاری نبوۃ تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار تو اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے لیا کہ میرے اس پیغمبر پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ جو سب سے بعد میں آئے گا۔ اور تمام پیغمبروں نے اس کا اقرار کیا کہ ہم مانتے ہیں اور ان پیغمبروں میں موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں، عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ اور داؤد علیہ السلام بھی ہیں۔ تو اے یہودیو، اور عیسائیو! اور صابیو! تمہارے پیغمبر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کریں۔ اور تم کس باغ کی مولی ہو کہ انکار کرو اور کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ صرف عربوں کے لئے ہے۔ ہمارے لئے نہیں ہے۔ یہ تمہارا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اتنی عام تھی کہ میں نے تمام پیغمبروں سے اس کا اقرار لیا فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ، اور جس وقت لیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ پیغمبروں سے۔ یہ وعدہ کب لیا گیا۔ اس بارے میں دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم ازل، عالم ارواح، عالم میثاق میں ساری مخلوق کی ارواح کو اکٹھا کیا اور ان کو ادراک اور شعور عطاء فرمایا اور سب کو کہا "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" ؟۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ "قَالُوْا بَلٰى"۔ سب نے جواب دیا اور کہا کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے۔ تو جس مقام پر اپنی الوہیت کا وعدہ لیا تھا وہیں پر تمام پیغمبروں کو الگ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا اقرار لیا کہ میں ایک نبی بھیجوں گا

اس پر سب کا ایمان لانا ضروری ہے۔ سب نے کہا ہمیں منظور ہے۔ اکثر یہی تفسیر بیان کرتے ہیں اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ دنیا میں جب پیغمبر تشریف لائے سب سے الگ الگ وعدہ لیا گیا۔ مثلاً جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ ایک نبی آئے گا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر تمہارے دور میں آجائے تو اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ میرا ایمان ہے۔ اسی طرح جب شیث علیہ السلام تشریف لائے تو ان سے وعدہ لیا گیا اور جب نوح علیہ السلام تشریف لائے تو انسے وعدہ لیا گیا، پھر جب ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو ان سے وعدہ لیا گیا۔ یعنی جو پیغمبر جس وقت دنیا میں تشریف لائے ان سے اس وقت وعدہ لیا گیا۔ اور وعدہ اس عنوان سے لیا گیا۔ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ، البتہ وہ چیز جو میں تمہیں دوں گا۔ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَةٍ، کوئی کتاب اور حکمت، اور نبوۃ۔ یعنی میں تمہیں کتاب دوں گا وحی آئے گی حکم دوں گا دانائی کی باتیں دوں گا یہ تمہارا منصب ہے اس کو سمجھ لو کہ تم کون ہو؟ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ، پھر آئے گا تمہارے پاس رسول۔ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ، تصدیق کرنے والا ہوگا اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے۔ توحید رسالت معاد، جو بھی اصولی باتیں ہیں وہ ان کی تصدیق کرے گا پھر وہ پیغمبر جب تمہارے پاس آئے تو یہ وعدہ کرو۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ، البتہ ضرور بضرور تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ، اور البتہ ضرور تم اس کی مدد کرو گے۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے لیا۔ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ؟ فرمایا پروردگار نے کیا تم نے اقرار کیا؟۔ اس وعدے کا کہ وہ آخری پیغمبر جب آئے گا اس پر ایمان لاؤ گے اور اگر تمہارے دور میں آگیا تو اس کی مدد بھی کرو گے۔ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ، اور لیا تم نے اس پر میرا وعدہ۔ اور مان لیا۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا، پیغمبروں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم

اس عہد کو پورا کریں گے۔ آنے والے پیغمبر پر ایمان بھی لائیں گے اور اگر ہمارے دور میں آیا تو ہم اس کی مدد بھی کریں گے۔ قَالَ فَاشْهَدُوْا ، رب تعالیٰ نے فرمایا پس گواہ بن جاؤ کہ تم نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ جو پیغمبر بعد میں آنا ہے تم اس پر ایمان لاؤ گے اور اگر تمہارے دور میں آ گیا تو اس کی مدد بھی کرو گے۔ وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ، اور حق کے گواہوں میں سے میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ کہ انہوں نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے۔ اب دیکھو کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا وعدہ لے اور اگر ان کے دور میں آ جائیں تو امداد کا بھی وعدہ اور تمام پیغمبر اس کا اقرار کریں۔ اور ان پیغمبروں کا نام لینے والے یہ کہیں کہ ان کی نبوۃ ہمارے لئے نہیں ہے۔ کیا ان کی یہ بات درست ہے؟ مگر دنیا میں کوئی خاموش نہیں رہتا۔ کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتا رہتا ہے۔ عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ"۔ جو چیز ساری حاصل نہ ہو ساری چھوڑی نہ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بندے کو ساری نہ ملے تو کچھ نہ کچھ تو ملنی چاہیے پھر وہ پیغمبر عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مقصد کے لئے زندہ رکھا ہوا ہے۔ وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کریں گے اور "لَتَنْصُرُنَّهٗ" کا پورا پورا ثبوت دیں گے۔ وہ اس طرح کہ جامع مسجد دمشق میں امام مہدی علیہ السلام صبح کی نماز کی تیاری کرا چکے ہوں گے کہ فرشتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے لے کر آئیں گے اور جامعہ مسجد دمشق کے منارہ پر لا کر بٹھائیں گے۔ وہ منارہ سفید رنگ کا آج بھی موجود ہے۔ جب میں دمشق گیا تھا تو میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دروازہ بند تھا اور اندر نہیں جا سکا۔ اس وقت کھولنے کی اجازت نہیں

تھی۔ اور انتظار میں نے نہیں کیا۔ چونکہ وقت تھوڑا تھا۔ پھر سیڑیوں کے ذریعہ نیچے تشریف لائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی آوازیں شروع ہو جائیں گی۔ اس وقت امام مہدی علیہ السلام مصلے پر کھڑے ہو چکے ہوں گے جب سنیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو چکے ہیں۔ تو مصلے سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہیں گے کہ حضرت نماز پڑھاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ نہیں۔ اب میری حیثیت امتی کی ہے تمہارے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ تو پہلی نماز فجر کی جامع مسجد دمشق سوق حمیدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھیں گے نماز کے بعد اعلان ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا چکے ہیں مسلمانوں کی خوشی کی کوئی حد نہیں ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاد کا حکم دیں گے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسرائیل کے علاقے میں ایک مقام ہے۔ جس کا نام ہے ''لُدّ'' اس کے دروازے پر دجال کو اپنے ہاتھ مبارک سے قتل کریں گے یعنی سچا مسیح جھوٹے مسیح کو قتل کرے گا۔ پھر یہود و نصاریٰ اور دوسرے کافروں کے ساتھ لڑائی ہوگی۔ جن علاقوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اثر و رسوخ ہوگا ان علاقوں میں اسلام کے بغیر کوئی دین نہیں رہے گا۔ اسلام ہی اسلام ہوگا۔ یہی پانچ نمازیں اور تیس روزے ہوں گے جو ہم پڑھتے اور رکھتے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن و حدیث کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔ اور اس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد و نصرت فرمائیں گے۔ اور پختہ عہد کرنے کے بعد۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ، پس جس نے اعراض کیا اس کے بعد۔ یعنی پیغمبروں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا اقرار کیا اور دوسرے

لوگ اعراض کریں گے۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ، تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ کہ پیغمبر تو اقراری ہوں اور امتی کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اور دین ہمارے لئے نہیں ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ ہمارے لئے ہمارا اپنا مذہب ہے یہ کیسی منطق ہے؟ بھائی! بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب اپنے دور میں حق تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذہب اپنے دور میں حق تھا۔ اسی طرح باقی پیغمبروں کا۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو پہلے سب دین منسوخ ہو گئے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ آسمان میں ستارے ہیں کسی کی روشنی کم ہے اور کسی کی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ" ۔ (پارہ نمبر۱۴) اور لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں۔ یعنی لوگ ستاروں سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں مگر جب سورج طلوع ہو جائے تو پھر ستاروں کی روشنی کی کیا ضرورت ہے۔ دوسرے پیغمبر ستاروں کی مانند ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب نبوۃ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ستاروں کی روشنی تلاش کرنے والا دیوانہ اور مجنون ہے۔ اسے پاگل خانے میں بند کرنا چاہیے۔ ان پیغمبروں کی شریعتیں اپنے اپنے زمانے میں حق اور سچ تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو سارے دین ختم اور منسوخ ہو گئے اب کامیابی صرف اسلام میں ہے۔ فرمایا! اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ، کیا پس اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کوئی اور دین یہ تلاش کرتے ہیں۔ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، اور اسی کے سامنے جھکی ہوئی ہے وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں یا جو بھی رب کی مخلوق ہے۔ سب اس کے احکام مانتے ہیں اور اس کے احکام کے سامنے جھکے ہوئے ہیں

اور جو زمین میں ہیں وہ رب کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ طَوْعًاوَّ كَرْهًا، کوئی خوشی کے ساتھ جھکا ہوا ہے اور کوئی مجبوراً۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ جو مسلمان ہیں وہ سارے خوشی کے ساتھ رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں اور جو جہاد میں قید ہو کر آتے ہیں پہلے تو وہ مجبور ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دیتا ہے اور وہ سچے دل سے قبول کر لیتے ہیں تو وہ جبر اب خوشی میں تبدیل ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں تشریعی اور تکوینی۔ تشریعی یہ ہیں کہ مثلاً تم رب پر ایمان لاؤ۔ پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ کتابوں پر ایمان لاؤ۔ فرشتوں پر ایمان لاؤ۔ تقدیر پر ایمان لاؤ۔ نمازیں پڑھو، روزے رکھو، قیامت پر ایمان لاؤ۔ قبر حشر پر ایمان لاؤ۔ یہ شرعی احکام ہیں۔ اور مومن ان کو خوشی کے ساتھ دل سے تسلیم کرتے ہیں اور تکوینی احکام یہ ہیں۔ مثلاً رب تعالیٰ کسی کو بیمار کرتا ہے۔ کسی کو مارتا ہے، کسی کو اولاد دے کر چھین لیتا ہے۔ کبھی کو مال دے کر چھین لیتا ہے۔ تو اس کے تکوینی احکام جبراً مانتے ہیں۔ ہے کوئی جو انکار کرے کہ میں نے بیمار نہیں ہونا؟ میں نے مرنا نہیں ہے۔ یا میں اپنی اولاد کو مرنے نہیں دوں گا۔ یا مال ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ تو تکوینی احکام مومن کافر سب مانتے ہیں مومن خوشی کے ساتھ راضی برضاء الٰہی ہوتے ہیں اور کافر رب کے یہ احکام ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ☆، اور اسی ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یعنی جانا سب نے رب کے پاس ہے۔ اور جب انسان اپنے ذہن میں یہ نکتہ بٹھائے گا کہ میں نے رب تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ اور رب تعالیٰ نے مجھ سے نیکی بدی کا سوال کرنا ہے تو پھر تیاری بھی کرے گا۔ دیکھو! سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے امتحان ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بچے خود بھی تیار کرتے ہیں۔ ماں باپ بھی تیاری کراتے ہیں۔ استاد بھی مجبور کرتے ہیں کہ تیار کرو

سب کو فکر لگی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ امتحان آخرت کے امتحان کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح بچوں کا کھیل ہوتا ہے۔ مگر اس کی کتنی تیاری ہوتی ہے؟ افسوس کہ آخرت کے سچے اور حقیقی امتحان کی تیاری بہت کم ہے۔ ہم میں سے کتنے اللہ کے بندے ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی فرماں برداری کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور اپنے نصاب کی پوری زکوٰۃ نکالتے ہیں اور عشر ادا کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالکل نہیں ہیں۔ بلکہ مجموعی حیثیت سے کہتا ہوں کہ نسبت کیا ہے؟ سو میں سے کتنے آدمی رب تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرنے والے ہیں؟ تو جب یہ بات ذہن میں بٹھائے گا کہ رب تعالیٰ کے پاس جانا ہے تو پھر اس کی تیاری بھی کرے گا آگے فرمایا۔ اہلِ کتاب نے تو حصے کئے ہوئے ہیں۔ کہ یہودی کہتے ہیں کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ صابی کہتے ہیں ہم حضرت داؤد علیہ السلام کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہماری وسعتِ قلبی اور فراخ دلی بھی سن لو! فرمایا۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ، اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا، اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ، اور اس چیز پر جو نازل کی گئی ابراہیم علیہ السلام پر اور اسماعیل علیہ السلام پر، اور اسحٰق علیہ السلام پر، اور یعقوب علیہ السلام پر۔ وَالْاَسْبَاطِ، اور ان کی اولاد در اولاد کی طرف۔ جو نازل کی گئی ہے کیونکہ اسباط جمع ہے سبط کی اور سبط کے معنیٰ ہیں بیٹا اور پوتا جو معنیٰ ہوں گے اولاد در اولاد اور خاص طور پر وہاں چونکہ یہودی اور عیسائی تھے جن کے ساتھ بات ہو رہی تھی۔ اس واسطے خصوصیت کے ساتھ فرمایا۔ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

وَعِيْسٰى، اور ہم اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو دی گئی موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو۔ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ، اور سب نبیوں کو جو دی گئی ان کے رب کی طرف سے ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ او ظالمو! ہم تو سارے پیغمبروں کی قدر کرتے ہیں اور ان کی طرف جو رب کی طرف سے احکام نازل ہوئے ہیں ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ،ہم نہیں تفریق کرتے ان میں سے کسی ایک کے درمیان۔ اوپر چونکہ اٰمَنَّا ہے۔ اس واسطے تفریق سے مراد ایمان کی تفریق ہے کہ ہم ایمان کے سلسلے میں تفریق نہیں کرتے کہ "نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ" ۔بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں۔ بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے۔ کہ سارے اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے۔ اور اپنے اپنے زمانہ میں بہترین نمونہ تھے۔ باقی رہی بات درجوں کی تو وہ پیغمبروں کے اپنے اپنے درجے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" ۔ یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ اور پندرویں/ ۱۵ پارے میں آتا ہے۔ "وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ" ۔ البتہ تحقیق ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت عطاء فرمائی ہے۔ تمام پیغمبروں میں سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ وَعَلٰى هٰذَا القیاس دوسرے پیغمبر ہیں۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ☆ اور ہم اسی رب تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں۔ ہم تمہاری طرح نہیں ہیں۔ کہ اپنی خواہشات پر چلیں۔ ان نجران کے لوگوں نے آخری پیغمبر کے متعلق یہ شوشہ چھوڑا کہ نبی ہوں گے مگر ہمارے لئے نہیں ہیں بھائی! جب تمام پیغمبروں نے وعدہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا اور نصرۃ کرنے کا۔ تو تم کون ہوتے ہو نہ

ماننے والے؟ پھر تمہارا ان پیغمبروں پر ایمان کیا ہے کہ جس کو تمہارے پیغمبر مانتے ہیں اس کو تم نہ مانو۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور کہنے کی توفیق عطاء فرمائیں ...... آمین!۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

وَمَنْ يَّبْتَغِ ، اور وہ شخص کہ جس نے تلاش کیا۔ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا ، اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ۔ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ، پس ہرگز وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا ۔ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ ، اور وہ شخص آخرت میں ۔ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ، نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۔ كَيْفَ يَهْدِي

اللہ ، کیسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ قَوْمًا كَفَرُوْا ، اس قوم کو جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ، ایمان لانے کے بعد۔ وَشَهِدُوْا ، اور انہوں نے گواہی دی۔ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ ، کہ بے شک وہ رسول برحق ہے۔ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ، اور آگئیں ان کے پاس واضح دلیلیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ O ، اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ ، وہ لوگ بدلا ان کا۔ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ ، بے شک ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ ، اور فرشتوں کی۔ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ O ، اور تمام انسانوں کی۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ، ہمیشہ رہیں گے اس لعنت میں۔ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ، نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ O ، اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ، مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی۔ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ، اس کے بعد۔ وَاَصْلَحُوْا ، اور اصلاح کر لی۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O ، پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ، ایمان لانے کے بعد۔ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ، پھر بڑھ گئے وہ کفر میں۔ لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ، ہرگز نہیں قبول کی جائے گی ان کی توبہ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ O ، اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ وَمَاتُوْا ، اور مرے اس حالت میں۔ وَهُمْ كُفَّارٌ ، کہ وہ کافر تھے۔ فَلَنْ يُّقْبَلَ ، پس ہرگز نہیں قبول کی جائے گی۔ مِنْ اَحَدِهِمْ ، ان میں سے کسی ایک سے۔ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا ، سونے سے بھری ہوئی زمین۔ وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ، اور اگرچہ وہ اس کو بطور فدیہ کے دے دے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ، یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ O ، اور نہیں ہوگا ان کا کوئی مددگار۔

پہلے سے یہ بات تفصیل کے ساتھ چلی آرہی ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے اور ان کے ساتھ مل کر یہود نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ اول تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے اور اگر نبی ہوں بھی دوسروں کے لیئے ہوں گے ہمارے لئے نہیں ہیں کل کے درس میں تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اتنی عام ہے کہ عام تو عام آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاصوں کے بھی یعنی پیغمبروں کے بھی نبی اور رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا تمام پیغمبروں نے اقرار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور نصرۃ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور ان پیغمبروں میں موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ تو ان کے پیغمبر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کو تسلیم کریں اور یہ انکار کریں۔ اور پیغمبروں کے ماننے کا دعویٰ بھی کریں تو اس دعوے کی کیا حیثیت ہے۔ پھر تو سیدھی سادھی بات ہے کہ ان اہلِ کتاب نے اپنے پیغمبروں کو ہی نہیں مانا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد پہلے کے تمام ادیان منسوخ ہو گئے ہیں اب کامیابی صرف اسلام میں ہے۔ ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ، اور وہ شخص کہ جس نے تلاش کیا اسلام کے علاوہ کوئی اور دین پس ہرگز وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ بے شک اپنے وقت میں حضرت داؤد علیہ السلام کا دین بھی صحیح تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دین پیش کیا اپنے وقت میں وہ بھی صحیح تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو دین پیش کیا اپنے زمانے میں وہ بھی حق تھا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو پہلی ساری شریعتیں منسوخ ہوگئیں۔ اب کل کائنات کے واسطے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول ہیں اور سب کی نجات اسی دین میں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے۔ اس دین کو صحیح معنیٰ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے

سمجھا۔ اور عمل کیا پھر یہ دین اطراف عالم میں پھیلا۔ اور عرب کے بعد افغانستان، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش میں جڑیں مضبوط ہوئیں۔ ... ان لوگوں نے دین کو سمجھا یہاں کا گیا گزرا مسلمان بھی ضروریات دین سے واقف ہے۔ فرائض کی پابندی تو الگ بات ہے۔ یہاں مستحبات کی پابندی کرنے والے بھی موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دین میں بعض چیزیں تو فرض واجب اور سنت مؤکدہ ہیں کہ جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور چھوڑنے والا گناہ گار ہے۔ اور بعض چیزیں مستحب ہیں۔ کہ جن کے کرنے سے ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر گرفت نہیں ہوتی۔ تو الحمد للہ! ان علاقوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو دین کے مستحبات سے بھی واقف ہیں سب کی بات تو نہیں ہو رہی مگر موجود ہیں۔ دوسرے ملکوں میں اتنا بھی نہیں ہے۔ سوائے سعودیہ کے کہ سعودی باشندے عقائد اور نظریات میں تو پختہ ہیں مگر عمل نہیں ہے۔ اور باقی ملکوں کے لوگ فرائض سے بھی ناواقف ہیں وہ دین کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں اس سے اندازہ کر لیں۔ دوپہر کے وقت ہم مدینہ طیبہ سے چلے اور ذوالحلیفہ پہنچے جس کو آج کل بئر علی کہا جاتا ہے۔ ذوالحلیفہ کے نام سے لوگ آج کل واقف نہیں ہیں مغربی علاقے کے ایک آدمی نے بالکل ننگا ہو کر غسل کرنا شروع کر دیا۔ وہاں کثیر تعداد میں مرد و عورتیں موجود تھیں۔ غسل کرنے کے بعد جب اس نے احرام کے کپڑے پہن لئے اور اس سے پوچھا گیا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی ہے تو کہنے لگا کہ میں نے حدیث پر عمل کیا ہے۔ ترمذی شریف میں حدیث آتی ہے۔ "تَجَرَّدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْغُسْلِ قَبْلَ الْاِحْرَامِ"۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے سے پہلے غسل کے لئے کپڑے اتارے تو کپڑے اتارنے کا یہ معنی تو نہیں تھا جو اس نے سمجھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگے ہو کر غسل کیا۔ معاذ اللہ

تعالیٰ۔ غسل کے وقت لوگ کپڑے اتارتے ہی ہیں۔ اور اتارنے جائز بھی ہیں۔ یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم لوگوں کے سامنے ننگے ہو جاؤ۔ اور کیا اس کا نام ہے حدیث پر عمل کرنا؟ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور اس کا جواب کا نوں ا ہے نہ ہے۔ تو ایسے کم علم لوگ ہیں اور آج سے تقریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ یہود نے ایسے لوگوں کی اس لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عمدہ کاغذ پر اچھی طباعت کے ساتھ تحریف شدہ قرآن کریم شائع کروایا۔ اور ان علاقوں میں بھیجا جہاں نہ تو قرآن کریم کے حافظ تھے اور نہ ہی دین سے زیادہ واقف تھے۔ اس وقت رسائل اور اخبارات میں اکیس بائیس تحریفات شائع ہوئی تھی۔ ان میں ایک یہ تھی کہ آیت۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ، اور جو شخص اسلام کو تلاش کرے گا بطور دین کے تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ یعنی جس نے اب دین اسلام کو قبول کیا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آیت کا صحیح مطلب یہ ہے ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا پس اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا''۔ اور تحریفات بھی اسی طرح کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے جمال عبدالناصرؒ کو جو اس وقت مصر کا صدر تھا اور قرآن کا حافظ تھا اور عمل میں ویسا ہی تھا جیسے مصری ہوتے ہیں کہ ان کے قاریوں نے بھی ڈاڑھیاں صاف کی ہوتی ہیں۔ بس آوازیں ہی آوازیں ہیں بہر حال پھر بھی اس کو اسلامی غیرت آئی اور اس نے دین کے بڑے اچھے کام کئے۔ ان میں سے ایک کام یہ کیا کہ قاہرہ میں ایک مستقل ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جو چوبیس گھنٹے چلتا ہے اور آج تک اس سے قرآن کریم نشر ہوتا چلا آرہا ہے۔ تاکہ مسلمان اپنے کانوں سے اس قرآن کریم کو سنیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ علماء اور قراء کے وفد بنا کر ان علاقوں میں

بھیجے جہاں یہودیوں نے تحریف شدہ قرآن تقسیم کیے تھے۔ تاکہ ان کو جاکر آگاہ کریں کہ اصل قرآن یہ ہے جو ہمارے پاس ہے اور جو یہودیوں نے طبع کراکر تقسیم کیا ہے اس میں غلطیاں ہیں اور تیسرا کام یہ کیا کہ قرآن پاک کے صحیح نسخے لاکھوں کی تعداد میں طبع کراکر تقسیم کئے اور اب یہ کام سعودیہ نے بھی کیا ہے کہ اچھے سائز میں عمدہ کاغذ پر طبع کراکر دنیا بھر میں قرآن کریم تقسیم کیا جارہا ہے۔ سادہ بھی اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کراکے بھی انگریزی زبان میں بروہی زبان میں اور بروہی زبان کے ترجمہ والا ایک نسخہ میری طرف بھی بھیجا جو میرے پاس موجود ہے۔ اردو ترجمہ اور تفسیر کے لئے انہوں نے علماء سے مشورہ کیا۔ تو علماء کرام نے ان کو بتایا کہ اس وقت اردو زبان میں بہترین ترجمہ اور مختصر تفسیر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ اور سورۃ بقرہ کی تفسیر اس وقت لکھی جب آپ مالٹا کے مقام میں قید تھے۔ اور سورۃ آلِ عمران سے لے کر آخر تک کی تفسیر حضرت کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے کی۔ جنہوں نے پاکستان بننے کے بعد مغربی پاکستان میں جھنڈا لہرایا تھا۔ اور مشرقی پاکستان میں جھنڈا مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لہرایا تھا۔ اور مالٹا میں قید ہونے کا سبب یہ تھا کہ انگریز اپنے ٹاؤٹ شریف حسین مکہ کے ذریعہ حضرت شیخ الہند سے ترکوں کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کہ فتویٰ دو کہ ترکی کافر ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مصطفیٰ کمال پاشا یا چند اشخاص کے کفر کی وجہ سے میں سارے ترکی کو کافر نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھیوں نے عرب دشمنی میں اسلام اور خلافت کی مخالفت شروع کر رکھی تھی اور خلافت کے خاتمہ کے لئے سازشوں کے علاوہ انہوں نے ایک باغیرت عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کو معزول کرا دیا تھا۔ بعد میں مصطفیٰ کمال

اتاترک نے ترکی کا صدر بننے پر خلافت کے خاتمہ اور اسلامی قوانین کی منسوخی کے ساتھ ساتھ قرآن شریف عربی میں پڑھنے اور اذان عربی میں دینے پر بھی پابندی لگادی تھی۔ جس طرح ترکوں نے کل قانون پاس کیا ہے کہ سولہ سال کی عمر تک کوئی دین حاصل نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہی عمر ہوتی ہے۔ دین حاصل کرنے کی تو جو سولہ سال تک دین حاصل نہیں کرے گا اس کے بعد اس کو فرصت نہیں ملے گی بے دین اور بے ایمان ہی مرے گا مگر اس کے باوجود ترکی میں مسلمان بھی ہیں اور اربکان وغیرہ ڈٹے ہوئے ہیں کہ ہم اس قانون کو تسلیم نہیں کرتے۔ تو چند آدمیوں کے کفر کی وجہ سے سب کو تو کافر نہیں کیا جا سکتا۔ یہی بات حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مصطفیٰ کمال جیسے چند افراد کی وجہ سے سارے ترکوں کو میں کافر کس طرح کہوں؟ تو حضرت کا یہ جرم تھا کہ انہوں نے ترکوں کو کافر کہنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کو گرفتار کر کے مالٹا کی جیل میں ڈال دیا گیا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے فتویٰ لینے کی وجہ یہ تھی کہ سارا ہندوستان ان کے علم تقویٰ اور سیاست پر اعتماد کرتا تھا۔ تو اگر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ یہ فتویٰ دے دیں تو ہمارے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ ترجمہ اور تفسیر جو انہوں نے مالٹا کی اسیری کے ایام میں لکھا تھا سعودی حکومت نے کروڑوں کی تعداد میں طبع کرایا۔ لیکن بعض فرقوں کو ناگوار ہوا کہ دیوبند مکتبہ فکر کے عالم کا ترجمہ کیوں طبع ہوا اور اس پر انہوں نے شور برپا کیا تو سعودی حکومت نے دوبارہ علماء کو اکٹھا کیا۔ کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ تو علماء نے کہا کہ یہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ اور تعصب اور ضد سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ و تفسیر بالکل صحیح اور درست ہے۔ تو سعودی حکومت نے ان کے احتجاج کو بالکل مسترد کر دیا۔ (اب یہ ترجمہ شائع نہیں ہو رہا۔ بلکہ اس کی جگہ محمد جونا گڑھی کا

ترجمہ شائع ہورہا ہے)۔تو بات یہ ہورہی تھی کہ یہودیوں نے ان کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تحریف شدہ قرآن کریم طبع کرا کے ان میں تقسیم کردیا۔اور نمونے کے طور پر میں نے ایک تحریف بیان کی۔کہ آیت ''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ''۔سے غیر کا لفظ نکال دیا،اور معنیٰ بن گیا۔''اور جو شخص اسلام کو تلاش کرے گا،اپنائے گا دین کے طور پر پس اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا''۔حالانکہ آیتِ کریمہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا پس اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا۔ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ، اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔یہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ جو اس وقت قرآن اور صاحب قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ان کو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں۔کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے۔''اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ''۔(پارہ ۹) یہ رسول امی وہ ہے کہ اس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تو راۃ میں اور انجیل میں۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں اور اوصاف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک ان کو توراۃ میں بھی لکھا ہوا ملتا تھا۔اور انجیل میں بھی لکھا ہوا ملتا تھا۔اور پہلے پارے میں تم پڑھ چکے ہو۔''وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ كَفَرُوْا''۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے یہود و نصاریٰ جب دشمنوں سے لڑتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تھے۔کہ اے پروردگار! نبی آخرالزمان کے وسیلے سے ہمیں کافروں پر فتح عطاء فرما۔''فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ''۔پس جب وہ نبی برحق ان کے پاس آ گیا اور انہوں نے ان کو پہچان بھی لیا تو انکار کردیا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ

قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ، کیسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد۔ وَشَهِدُوْٓا ، اور انہوں نے گواہی دی ۔ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ ، کہ بے شک وہ رسول برحق ہیں۔ یعنی پہلے ایمان بھی لے آئیں۔ اور یہ بھی کہیں کہ وہ رسول برحق ہیں۔ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ، اور آگئیں ان کے پاس واضح دلیلیں۔ کہ اس پیغمبر سے معجزات صادر ہوئے اور ان کو انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا پھر بھی کفر پر اڑے رہے۔ تو یہ ظالم ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ O ، اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔ رب تعالیٰ ہدایت ان کو دیتا ہے ایمان ان کو دیتا ہے جو اس کے طالب ہوں زبردستی کسی کو ایمان نہیں دیتا۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ ، وہ لوگ ہیں بدلہ ان کا۔ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ ، بے شک ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ ، اور فرشتوں کی لعنت ہے۔ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ O ، اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ جو پیغمبر کے آنے سے پہلے اس کے طفیل اور وسیلے سے دعائیں کریں اور ان کے تشریف لانے کے بعد کہیں کہ یہ وہی پیغمبر ہے جس نے آنا تھا۔ اور ایمان لانے سے انکار کریں تو وہ ملعون ہیں۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ، ہمیشہ رہیں گے اس لعنت میں۔ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ، نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ O ، اور فیصلے کے بعد ان کو مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔ ایسا نہیں ہوگا جس طرح دنیا میں فیصلے ہوتے ہیں۔ اور سزا مؤخر ہو جاتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد دی جاتی ہے۔ وہاں کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ جس وقت فیصلہ ہوگا فوراً سزا ہوگی۔ ہاں وہ لوگ سزا سے بچ جائیں گے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ، مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد۔ وَاَصْلَحُوْا ، اور اپنے عقائد اور اعمال کو درست کیا۔ اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق عقائد بنائے۔ اور پہلے والے عقائد اور اعمال چھوڑ دیئے۔ فَاِنَّ

اللہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ، پس بے شک اللہ تعالیٰ، بخشنے والا مہربان ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ، ایمان لانے کے بعد۔ کہ پہلے ایمان لائے پھر منکر ہو گئے۔ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا ، پھر بڑھ گئے وہ کفر میں۔ یعنی مزید پختہ ہو گئے۔ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ، ہرگز نہیں قبول کی جائے گی ان کی توبہ۔ اس توبہ کی کیا حیثیت ہے؟ کہ کفر پر بھی اڑے رہیں اور منہ سے توبہ، توبہ بھی کہتے رہیں۔ تو یہ توبہ تو نہیں ہے بلکہ یہ تو خالص مکاری ہے۔ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ O ، اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ وَمَاتُوْا ، اور مرے اس حالت میں۔ وَهُمْ کُفَّارٌ ، کہ وہ کافر تھے۔ فَلَنْ یُّقْبَلَ ، پس ہرگز نہیں قبول کی جائے گی۔ مِنْ اَحَدِهِمْ ، ان میں سے کسی ایک سے۔ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا ، سونے سے بھری ہوئی زمین۔ اور چوبیسویں/۲۴ پارے میں آتا ہے۔ "وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا" ۔ اور اگر ہو بے شک ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا۔ "مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" ۔ جو کچھ ہے زمین میں سارے کا سارا۔ "وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ" ۔ اور اس جیسا مزید بھی اس کے ساتھ۔ "لَافْتَدَوْا بِهٖ" ۔ پھر وہ فدیہ دے دیں اس کے ساتھ۔ "مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ" ۔ برے عذاب سے قیامت کے دن۔ یعنی قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے میرے بندے! بتا یہ زمین سونے کی بھری ہوئی ہو اس طرح کہ سطح زمین سے لے کر آسمان تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک سونے سے بھری ہو۔ اور اتنی دنیا اور بھی تصور کر لے کہ وہ بھی سونے سے بھری ہوئی ہو۔ تو کیا تو یہ فدیہ کے طور پر دے کر جان چھڑانے کے لئے راضی ہے۔ کہے گا یا رب! میں راضی ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہاں سونا ہوگا کس کے پاس۔ اور ہو بھی کہ رب تعالیٰ وہاں دے دے۔ تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَ

لَوِ افْتَدٰی بِہٖ ، اور اگر چہ وہ اس کو بطور فدیہ کے دے دے۔ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ، یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وَّ مَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ O ، اور نہیں ہوگا ان کا کوئی مددگار۔ بے یارومددگار رہوں گے۔ اس واسطے آج تمہیں وہاں کے واقعات وحالات بتارہے ہیں تاکہ قیامت کے لئے تیاری کرلو۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾

وقف جبرئیل علیہ السلام

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ، ہرگز تم حاصل نہیں کر سکتے کامل نیکی ۔ حَتّٰی تُنْفِقُوا ، یہاں تک کہ تم خرچ کرو ۔ مِمَّا تُحِبُّوْنَ ، اس چیز میں سے جس کو تم پسند کرتے ہو ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ ، اور جو چیز بھی تم خرچ کروگے ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○ ، پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے ۔ كُلُّ الطَّعَامِ ، ہر قسم کی خوراک ۔ كَانَ حِلًّا ، حلال تھی ۔ لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ، بنی اسرائیل کے لئے ۔ اِلَّا مَا

حَرَّمَ ،مگر وہ جو حرام قرار دی۔ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ، اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰۃُ ،اس سے پہلے کہ توراۃ نازل کی جاتی۔ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰۃِ ،آپ کہہ دیجئے! پس لاؤ تم توراۃ۔ فَاتۡلُوۡهَاۤ، پس تم اس کو پڑھو۔ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ O ،اگر تم سچے ہو۔ فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ،پس جس نے گھڑا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ۔ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ،اس کے بعد۔ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ O ،پس وہی لوگ ہیں ظالم۔ قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے! سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ فَاتَّبِعُوۡا، پس تم پیروی کرو۔ مِلَّۃَ اِبۡرٰهِیۡمَ ،ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی۔ حَنِیۡفًا، جو ایک طرف ہونے والے تھے۔ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ O ،اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ ،بے شک پہلا گھر۔ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ،جو مقرر کیا گیا لوگوں کی عبادت کے لئے۔ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ ،البتہ وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ مُبٰرَکًا ،برکت والا۔ وَّ هُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ O ،اور ہدایت ہے جہان والوں کے لئے۔ فِیۡهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ ،اس میں کئی نشانیاں ہیں، صاف، صاف۔ مَّقَامُ اِبۡرٰهِیۡمَ ،ایک ان میں سے مقامِ ابراہیم ہے۔ وَمَنۡ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ،اور جو اس میں داخل ہوگا، ہوگا امن والا۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ ،اور اللہ تعالیٰ کے واسطے لوگوں پر لازم ہے۔ حِجُّ الۡبَیۡتِ ،بیت اللہ کا حج۔ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا ،جو طاقت رکھتا ہے اس کی طرف راستے کی۔ وَمَنۡ کَفَرَ ،اور جس نے انکار کیا۔ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ O ،پس بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے جہان والوں سے۔

اس سے پہلے ذکر تھا کہ اگر کافر سونے سے بھری ہوئی زمین بھی فدیے کے طور پر دیں تو قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ اور ایمان والے تھوڑی چیز

بھی خرچ کریں تو قبول ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ سمجھاتے ہیں کہ چیز کیسی خرچ کرنی چاہیے۔ فرمایا! لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ، ہرگز تم حاصل نہیں کر سکتے کامل نیکی۔ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس چیز میں سے جس کو تم پسند کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ردی اور بیکار چیز خرچ کرنے میں کوئی ثواب نہیں ہے۔ تیسرے پارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ"۔ اور نہ ارادہ کرو ادنیٰ چیز کا اس سے خرچ کرو تم اور تم خود اس کو لینے کے لئے تیار نہیں ہو۔ یعنی جس چیز کو تم خود لینے کے لئے تیار نہیں ہو۔ اس کو تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیوں خرچ کرتے ہو؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بڑا قیمتی باغ تھا۔ جب آیت سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا حضرت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم کامل نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم وہ چیز نہ خرچ کرو جو تمہیں محبوب ہے۔ حضرت میرے پاس اور مال بھی ہے مگر یہ باغ جس کا نام بیرحاء ہے یہ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ باغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرتا ہوں۔ جہاں آپ کا جی چاہے اس کو صرف کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض فرمایا۔ "بَخٍ، بَخٍ"۔ واہ واہ تو نے اچھا کیا ہے۔ پھر فرمایا تیری برادری میں جو غریب لوگ ہیں ان میں تقسیم کر اس واسطے کہ اپنی برادری میں جو غریب لوگ ہوں وہ صدقہ خیرات کے زیادہ مستحق ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ"۔ قرابت داروں کو ان کا حق دے۔ تو "ذَوِی الْقُرْبٰى" کا بڑا حق ہے۔ مگر اس کے واسطے کچھ شرطیں ہیں۔ محض قرابت دار ہونا کافی نہیں ہے۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو مشرک کافر نہ ہو کیونکہ زکوٰۃ، فطرانہ وغیرہ کافر مشرک کو نہیں دیے جا سکتے۔ یعنی زکوٰۃ فطرانہ وغیرہ کافر، مشرک کو دینا جائز نہیں ہیں۔ دوسری شرط یہ

ہے کہ وہ دیندار ہو۔ یعنی نماز روزے کا پابند ہو۔ بے دین کو زکوٰۃ فطرانہ وغیرہ دینا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ "لَایَأْکُلُ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ" ۔ تیرا کھانا صرف پرہیز گار کھائے۔ بے دین کھا کر قوت والا ہو کر رب تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا تو بھی اس میں شریک ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سبق دیا ہے کہ تم اس وقت تک کامل نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک وہ چیز نہ خرچ کرو جو تمہیں عزیز اور پیاری ہو۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ ، اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے۔ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ O ، پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ یعنی معاملہ تمہارا رب کے ساتھ ہے۔ اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ دو رکوع سے پہلے یہ بیان ہوا تھا کہ "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" ۔ (بے شک تمام لوگوں میں سے اعمال اور عقائد کے اعتبار سے ابراہیم علیہ السلام کے قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقائد اور اعمال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب ہیں۔ اور وہ جو مومن ہیں)۔ یہودیوں نے جب یہ آیتِ کریمہ سنی تو شوشہ چھوڑا کہ تم کہتے ہو کہ اس پیغمبر کو اور تمہیں ابراہیم علیہ السلام کا قرب حاصل ہے۔ اور تمہارے اعمال و عقائد ابراہیم علیہ السلام والے ہیں۔ یہ تمہارا کہنا غلط ہے۔ اس واسطے کہ ابراہیم علیہ السلام تو اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اور نہ اونٹنی کا دودھ پیتے تھے۔ اور تم اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہو اور اونٹنی کا دودھ بھی پیتے ہو۔ اور اپنے آپ کو ابراہیمی بھی کہتے ہو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت بھی کرو اور ابراہیمی بھی بن جاؤ۔ تو یہودیوں کے اس شوشے کا اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ، ہر قسم کی خوراک حلال تھی بنی اسرائیل

کے لئے ۔ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ، مگر وہ جو حرام قرار دی اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر ۔ یعنی تمہارا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور اونٹنی کا دودھ نہیں پیتے تھے ۔ یہ بات بالکل غلط ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بہت پہلے کے بزرگ ہیں ۔ یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے جن کا لقب اسرائیل تھا انہوں نے صرف اپنی ذات کے واسطے اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ حرام قرار دیا تھا ۔ تفسیروں میں اس طرح آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف تھی جس کو لنگڑی کا درد کہتے ہیں عرق النساء کا معنیٰ ہے رینگڑو کا درد یہ ایک پٹھا ہوتا ہے جو کولہے سے شروع ہو کر ران سے ہوتا ہوا انگوٹھے تک جاتا ہے یہ بڑا ظالم درد ہوتا ہے ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تکلیف سے شفاء عطاء فرمائی تو میں اپنی خوراک میں سے مرغوب چیز کو چھوڑ دوں گا اور ان کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بڑا لذیذ لگتا تھا ۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطاء فرمائی تو انہوں نے اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ اپنے اوپر حرام کر کے اپنی منت پوری کی ۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے منت کے تحت یہ صرف اپنی ذات کے لئے کیا تھا ۔ مگر ان کو دیکھا دیکھی ان کی اولاد نے بھی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کے دودھ کا استعمال کرنا چھوڑ دیا ۔ حالانکہ یہ ان کے لئے بالکل جائز تھا ۔ اور اس طرح کی منت ان کی شریعت میں جائز تھی ۔ اور ہماری شریعت میں اس چیز کی اجازت نہیں ہے ۔ کہ کوئی شخص منت مانے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میرے اوپر فلاں چیز حرام ہے ۔ ہاں کوئی جائز کام ہو تو اس کی منت مان لے تو صحیح ہے ۔ مثلاً یوں کہے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنے نفل پڑھوں گا ۔ یا اتنے روزے رکھوں گا یا

فقیروں، مسکینوں کو اتنا کھانا کھلاؤں گا، یا مسجد میں قالین بچھاؤں گا یا دری ڈالوں گا۔ یا صف یا مصلی رکھ دوں گا۔ یہ صحیح ہے۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کرنا اور دودھ کا حرام کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بارہ تیرا سو سال پہلے کی بات ہے کیونکہ نسب نامہ اس طرح ہے۔ موسیٰ ابنِ عمران بن قاہث بن لاؤی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔ اور تورات نازل ہوئی ہے موسیٰ علیہ السلام پر اور تورات کے ماننے والے یہودی کہلاتے ہیں۔ تو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کہ وہ اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور اونٹنی کا دودھ نہیں پیتے تھے سراسر غلط ہے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی منت کی وجہ سے اپنی ذات کے لئے یہ حرام کیں تھیں۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰةُ، اس سے پہلے کہ تورات نازل کی جاتی۔ تو ان کا دور تو سینکڑوں سال پہلے کا ہے۔ یہ حکم تورات میں کہاں ہے؟۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ☆، آپ کہہ دیجئے! پس لاؤ تم تورات پس تم اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ دکھاؤ تورات میں کہاں لکھا ہوا ہے کہ اونٹ حرام ہے۔ یا اونٹنی کا دودھ حرام ہے؟۔ قطعاً کوئی حکم نہیں ہے۔ یہ تم نے اپنی طرف سے بنایا ہوا ہے اور ذمے خدا کے لگاتے ہو۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ، پس جس نے افتراء باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا۔ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ، حق واضح ہو جانے کے بعد۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O، پس وہی لوگ ہیں ظالم۔ کیونکہ حلال حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو حلال حرام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو مقام حاصل نہیں ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانگی مصلحت کے پیشِ نظر صرف اپنی ذات کے لئے شہد حرام کیا تھا نہ امت کے لئے اور نہ اہلِ خانہ کے لئے لیکن

چونکہ حلال حرام کرنا پیغمبر کا منصب نہیں ہے۔ پیغمبر کا کام ہے کسی چیز کی حلت اور حرمت کو بیان کرنا تو رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں مستقل سورۃ نازل فرمائی۔ "یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ"۔ (پارہ ۲۸)۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال کی ہے۔ آپ اپنی عورتوں کی رضاء مندی چاہتے ہیں۔ "وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ "قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ"۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھول دینا۔ یعنی قسم توڑ واور کفارہ ادا کرو۔ چنانچہ احادیث اور تفسیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد استعمال کیا اور قسم کے کفارے میں غلام آزاد کیا۔ اور قسم کا کفارہ ہے دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا، یا غلام آزاد کرنا۔ چاہے مرد ہو یا لونڈی۔ ان تینوں چیزوں میں اختیار ہے جس پر بھی عمل کرو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ کفارے کی تین صورتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ "فَلَمْ یَجِدْ"۔ پس جو شخص ان تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی نہ کر پائے یعنی نہ تو وہ کھانا کھلانے کی استطاعت رکھتا ہے اور نہ کپڑا پہنانے کی اور نہ غلام آزاد کرنے کی۔ "فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ"۔ (پارہ ۷) تو تین دن کے روزے رکھے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابی ابنِ کعب، اور عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت میں آتا ہے۔ "فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ"۔ یعنی یہ تین روزے مسلسل رکھنے ہیں۔ ان کے درمیان وقفہ نہ آئے اور یہ روزوں والا کفارہ ہر آدمی کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس شخص کے لئے ہے جو دس آدمیوں کو کھانا نہیں کھلا سکتا، یا دس مسکینوں کو کپڑے نہیں پہنا سکتا یا غلام آزاد نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی فقہاءِ کرام

رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کفارے کے دوروزے رکھے ہیں ابھی تیسرا روزہ باقی ہے کہ اس کے پاس اتنا مال آگیا۔ مثلاً کسی نے ہدیہ کردیا یا کہیں سے انعام کے طور پر مل گئے یا وراثت کے طور پر مل گئے کہ جس سے دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے یا کپڑا پہنا سکتا ہے۔ یا ایک غلام آزاد کرسکتا ہے۔ تو روزوں سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب یہ مسکینوں کو کھانا کھلانے پر قادر ہوگیا ہے۔ بلکہ پہلی تین صورتوں میں سے کوئی ایک پوری کرنی پڑے گی اور جو دو روزے رکھے ہیں وہ نفلی بن جائیں گے۔ اور نفلی روزوں کا ثواب ملے گا۔ ہاں اگر تیسرا روزہ بھی رکھ لیا ہے پھر پیسے مل گئے تو اب کفارہ ادا ہوگیا ہے۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے! سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ تورات میں اونٹ کے گوشت کی حرمت اور اونٹنی کے دودھ کی حرمت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اور ملت ابراہیمی کے اصول بھی واضح کردیئے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دعوت دینے والے ہیں۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا، پس تم پیروی کرو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو ایک طرف ہونے والے تھے، موحد تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝، اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔ پہلے ذکر تھا ابراہیم علیہ السلام کا آگے کعبۃ اللہ کا ذکر ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے مل کر بنایا تھا۔ فرمایا! اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ، بے شک پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں کی عبادت کے لئے۔ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ، البتہ وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ مکہ کو مکہ بھی کہتے ہیں اور بکہ بھی کہتے ہیں۔ مکہ کا معنیٰ ہے ناف یہ مکہ مکرمہ ساری دنیا کی ناف ہے۔ یہاں سے رب تعالیٰ نے زمین کو مشرق مغرب اور شمال جنوب کی طرف پھیلایا اور اس وجہ سے بھی ناف ہے کہ جس طرح بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس کو خوراک ناف والی رگ کے ذریعہ ملتی ہے

اسی طرح سارے جہان کو روحانی خوراک مکہ سے ملتی ہے۔ اور بکہ کا معنیٰ ہے گردن توڑنے والا۔ اور گردن توڑنے کا معنیٰ بھی کرتے ہیں۔ کہ جو بھی مسلمان ہے چاہے امیر ہے یا غریب ہے بادشاہ ہے یا رعایا ہے نماز میں سب کی گردنیں اس کی طرف جھکتی ہیں۔ یعنی مسجود الیہ ہے اور جھکتی رب تعالیٰ کے لئے ہیں۔ تو رب تعالیٰ "**مسجود لہٗ**" ہے۔ سجدہ بکہ کی طرف کرنا ہے اور کرنا رب تعالیٰ کو ہے۔ اور گردن تورنے کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ جن لوگوں نے کعبۃ اللہ کی توہین کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی گردنیں توڑ کر رکھ دیں ابرہہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر آیا تھا۔ کعبۃ اللہ کو گرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیجے ان چھوٹے چھوٹے پرندوں نے تین تین کنکر مسور کے دانے کے برابر اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک دائیں پنجے میں اور ایک بائیں پنجے میں۔ اور ایک چونچ میں۔ جب وہ کنکر اوپر سے پھینکتے تھے تو آدمی کے سر پر لگتا اور آدمی کو چیرتا ہوا ہاتھی کو چیر کر چلا جاتا تھا۔ اور دونوں تڑپ کر مر جاتے تھے۔ اور جو وہاں بچ گئے وہ راستے میں تڑپ تڑپ کر مر گئے واپس ایک بھی نہیں گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی ورنہ عادۃً مسور کے دانے کے برابر کنکر سے آدمی نہیں مرتا۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے فرشتوں کی معاونت سے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ اس کے چالیس سال بعد آپ نے شام کا سفر کیا تو وہاں بیت المقدس تعمیر کیا اس طرح بیت اللہ اور بیت المقدس کی تعمیر میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! زمین پر سب سے پہلے عبادت کے لئے کون سا گھر بنایا گیا؟۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجدِ حرام جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے پھر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ دوسرے نمبر پر کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجدِ

اقصیٰ جو بیت المقدس میں ہے پھر عرض کیا ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس سال۔ پھر دونوں کعبے طوفان نوح علیہ السلام کی وجہ سے شہید ہو گئے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے مل کر یکم ذوالقعدہ بیت اللہ کی تعمیر شروع کی اور پچاس دنوں میں باپ بیٹے نے تعمیر مکمل کر لی کعبۃ اللہ کی پیائش چوالیس/۴۴ مربع فٹ ہے یعنی چاروں طرف سے چوالیس، چوالیس فٹ ہے اور پچاس فٹ بلندی کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعمیر کے چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے چھوٹا سا کمرہ بنایا تھا پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے اس میں توسیع کی اس کے بعد جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ آیا تو انہوں نے بڑی شاہی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مسجد اقصیٰ کو تعمیر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المقدس فتح ہوا اور ہمارے پاس رہا۔ ۱۹۶۷ء میں یہود نے ہم سے چھین لیا اور ابھی تک یہود کے قبضے میں ہے۔ اور بے غیرت مسلمان سوئے ہوئے ہیں اور امریکہ سے قرضے معاف کراتے پھرتے ہیں اور گناہ میں شام مصر اور دوسرے سب شامل ہیں تو دنیا میں سب سے پہلا گھر جو عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا وہ بیت اللہ شریف ہے۔ مُبٰرَکًا ، برکت والا ہے۔ وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ☆ ، اور ہدایت ہے جہان والوں کے لئے۔ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ ، اس میں اور بھی کئی نشانیاں ہیں صاف، صاف۔ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ، ایک ان میں سے مقامِ ابراہیم ہے۔ مقامِ ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا۔ اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان ہیں۔ پہلے یہ پتھر نیچے صف میں جڑا

ہوا تھا۔اور کعبۃ اللہ کے قریب تھا پھر جب لوگ زیادہ ہوگئے تو سعودی حکومت نے ایک شیشے کے مینار نما ڈبے میں بند کر کے کعبۃ اللہ سے تھوڑے سے فاصلے پر رکھ دیا تاکہ طواف کرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔طواف کے سات چکر پورے کرنے کے بعد وہاں دو رکعات نفل پڑھنی ہوتی ہیں۔وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ،اور جو اس مسجدِ حرام میں داخل ہوگا ،امن والا ہوگیا۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ،اور اللہ تعالیٰ کے واسطے لوگوں پر لازم ہے بیت اللہ کا حج۔ حَجَّ يَحُجُّ نصر کا باب ہے۔اور اس کا مصدر "حَجٌّ" بالفتح بھی آتا ہے۔اور "حِجٌّ" بالکسر بھی آتا ہے۔اور دونوں قرآن پاک میں موجود ہیں اور حج کس پر فرض ہے؟ تو فرمایا! مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ،جو طاقت رکھتا ہے اس کی طرف راستے کی۔مسئلہ، ایسا شخص کہ جس کی گھر کی ضروریات پوری ہیں۔اور اس پر قرض بھی نہیں ہے۔اور ہے بھی تندرست کہ نابینا بھی نہیں ہے۔لنگڑا لولا بھی نہیں ہے۔راستہ بھی پر امن ہے۔اور اس کے پاس اتنی رقم بھی ہے کہ آ جا سکتا ہے اور جتنے دن اس مقدس سفر پر رہنا ہے اتنے عرصہ کے لئے گھر کے اخراجات بھی موجود ہیں تو ایسے شخص پر حج فرض ہے اگر وہ حج نہیں کرتا تو حدیث پاک میں آتا ہے۔"فَلْيَمُتْ اِنْشَاءَ يَهُوْدِيًا اَوْ نَصْرَانِيًا"۔پس وہ چاہے یہودی ہو کے مرجائے یا عیسائی ہو کے (ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔باقی لوگ بڑے بہانے بناتے ہیں جن کی شرعی طور پر کوئی حیثیت نہیں ہے۔مثلاً کہیں گے کہ لڑکے لڑکی شادی کرنی ہے۔جن کی ابھی تک نہ تو منگنی ہوئی ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ منگنی کب کرنی ہے اور کہاں کرنی ہے۔البتہ اگر کوئی بچے بچی کی شادی طے کر لیتا ہے اور رقم ضروریات پر خرچ ہوگئی ہے اور اب اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ جس سے حج کر سکے تو معافی ہے یا نقصان ہوگیا ہے۔اور رقم باقی نہیں رہی۔تو بھی معافی ہے۔اور اگر حیثیت تو ہے

مگر کمزور ہے۔ یا مرض الموت میں مبتلا ہے کہ حج نہیں کرسکتا۔ تو وہ وصیت کرے کہ میرے ذمہ حج ہے وہ تم میری طرف سے کردینا اور اگر خود بھی نہیں کرتا اور وصیت بھی نہیں کرتا تو گنہگار ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ☆، اور جس نے انکار کیا پس بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے جہان والوں سے۔ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطاء فرمائے...... (آمین، یا الٰہ العالمین)!۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ
اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ
﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ
لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ
جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا
حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ، کہہ دے! اے کتاب والو! ۔ لِمَ تَكْفُرُوْنَ ، کیوں تم انکار کرتے ہو۔
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کی آیات کا ۔ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ O ، اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس

کارروائی پر جو تم کرتے ہو۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ، کہہ دے! اے کتاب والو! ۔ لِمَ تَصُدُّوْنَ ، کیوں تم روکتے ہو؟ ۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کے راستے سے ۔ مَنْ اٰمَنَ ، ان کو جو ایمان لائے ۔ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ، تلاش کرتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں کجی ۔ وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ، اور حالانکہ تم گواہ ہو ۔ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ ، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ غافل ۔ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ O ، اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ، اے ایمان والو! ۔ اِنْ تُطِيْعُوْا ، اگر تم اطاعت کرو گے ۔ فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ ، ایک گروہ کی ان لوگوں میں سے ۔ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ، جن کو کتاب دی گئی ۔ يَرُدُّوْكُمْ ، وہ تمہیں لوٹا دیں گے ۔ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ O ، تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف ۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ ، اور تم کیسے انکار کرتے ہو؟ ۔ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ ، اور حالانکہ تم پر تلاوت کی جاتی ہیں ۔ اٰيٰتُ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کی آیتیں ۔ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ، اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے رسول بنفسِ نفیس موجود ہیں ۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ ، اور جس نے مضبوطی کے ساتھ پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو ۔ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O ، پس تحقیق اس کو ہدایت دی گئی صراطِ مستقیم کی ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ اتَّقُوا اللّٰهَ ، ڈرو اللہ تعالیٰ سے ۔ حَقَّ تُقٰتِهٖ ، جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا ۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ ، اور ہرگز نہ مرو تم ۔ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O ، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ، اور مضبوطی کے ساتھ پکڑو اللہ تعالیٰ کی رسی کو ۔ جَمِيْعًا ، سارے ۔ وَّلَا تَفَرَّقُوْا ، اور نہ تفرقہ ڈالو ۔ وَاذْكُرُوْا ، اور یاد کرو ۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر ہوئیں ۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً ، جب تھے تم ایک دوسرے کے دشمن ۔ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ، پس اس نے الفت و محبت ڈالی تمہارے دلوں میں ۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ ، پس تم ہو گئے اللہ

تعالیٰ کے فضل اور نعمت ہے۔ اِخْوَانًا، بھائی، بھائی۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ، اور تھے تم گڑھے کے کنارے۔ مِّنَ النَّارِ، آگ کے۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا، پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچایا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے۔ اٰيٰتِهٖ، اپنی آیتیں۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ O، تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

اس سے پہلے ملت ابراہیمی کے مرکزی قبلہ کا ذکر تھا۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اصل ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آخری پیغمبر اور اس کے اصحاب ہی ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرنے والے ہیں اور تمہارے ادیان خود ساختہ ہیں تو تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور انکار نہیں کرنا چاہیے۔ فرمایا! قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ، اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں! اے کتاب والو!۔ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ، کیوں تم انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیات کا۔ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ O، اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس کارروائی پر جو تم کرتے ہو۔ یعنی بجائے حق کو تسلیم کے الٹا ایمان والوں میں افتراق پیدا کرتے ہو جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ کہ یہودیوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کس طرح ناکام کوشش کی۔ اس واقعہ سے پہلے بطورِ تمہید ایک بات سمجھنی ضروری ہے۔ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے تین خاندان آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نظیر، اور بنو قریظہ۔ ان کی آپس میں تھوڑی بہت چپقلش بھی ہوتی رہتی تھی۔ مگر یہودیت کے ناطے سے ایک تھے۔ کافی رقبے یعنی زمین کے مالک تھے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے ہوئے تھے۔ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ سکول کالج بھی ان کے تھے۔ اور تجارت پر بھی انہی کا قبضہ تھا۔ یہود کے علاوہ مدینہ طیبہ

میں دو خاندان مشرکوں کے تھے۔ اوس اور خزرج باوجود ایک جگہ رہنے کے اور آمنے سامنے گھر ہونے کے ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے۔ اور بات بات پر لڑتے تھے۔ ان میں ایک لڑائی تریسٹھ/۶۳ سال رہی۔ ایک لڑائی ترانوے/۹۳ سال اور ایک لڑائی ایک سو بیس/۱۲۰ سال رہی۔ اور اوس اور خزرج کے لوگ یہودیوں سے اس قدر دبے ہوئے تھے کہ اپنے لڑکے لڑکی کا رشتہ ان کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ یہودی دور سے آتا ہوا نظر آتا تو جھک کر اس کو سیلوٹ کرتے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ اوس اور خزرج کے لوگ کثرت کے ساتھ مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ مرد بھی عورتیں بھی بچے بھی بوڑھے بھی۔ اور مسلمان مخلص ہماری طرح نام کے مسلمان نہیں۔ بلکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اور قرآن کریم کی حقانیت کی برکت سے صحیح معنیٰ میں مخلص مسلمان تھے۔ تھوڑے دنوں میں بڑا انقلاب برپا ہو گیا۔ کہ جو لوگ ایک دوسرے کو گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اکٹھے اٹھتے بیٹھتے تھے۔ کھاتے پیتے تھے۔ ایک ہی جگہ نماز پڑھتے تھے۔ اور کبھی ایک امام ہے اور دوسرا مقتدی ہے۔ یہود نے جب یہ دیکھا تو ان کو گوارا نہ ہوا کہ یہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آج ایک دوسرے پر جانیں قربان کرتے ہیں کل یہ ہماری مرضی کے بغیر رشتہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور آج ہمیں سلام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ کافروں کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنی اور اگر ابتداء کرو تو ان الفاظ کے ساتھ۔ ''اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی'' ۔ سلامتی اس پر ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔ اور وہ سلام میں پہل کریں تو جواب میں بھی یہی الفاظ کہنے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ''السلام علیکم، وعلیکم السلام''۔ کے الفاظ کے ساتھ

ان کو خطاب نہیں کرنا۔ تو اس سے ان کو بڑی تکلیف ہوئی کہ یہ لوگ دن بدن ہم سے باغی ہورہے ہیں۔ حالانکہ یہاں ہمارا اقتدار تھا۔ اور ان پر ہمارا حکم چلتا تھا۔ اور آج حالت یہ ہے کہ ہمیں پوچھتا ہی کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں اوس اور خزرج کے وہ لوگ جو مسلمان ہوچکے تھے خاصی تعداد میں بیٹھے تھے۔ اور خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ کہ شماس بن قیس یہودی نے جو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا خبیث تھا۔ دیکھا تو جل گیا کہ یہ لوگ تو ایک دوسرے کے سائے سے بھاگتے تھے۔ اور آج اکٹھے بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول ہیں۔ اس نے جا کر ایک دوسرے یہودی کو تیار کیا اس کو کچھ اشعار بتائے۔ اور کہا کہ تو بھی جا کے ان کی مجلس میں بیٹھ جا اور کچھ دیر ٹھہر کر یہ اشعار پڑھ دینا۔ چنانچہ وہ یہودی مجلس میں آکر بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگیا۔ اور وہ اشعار پڑھ دیئے۔ جن میں ان زیادتیوں کا ذکر تھا جو اوس اور خزرج کے بڑوں نے کفر کے زمانے میں ایک دوسرے پر کیں تھیں۔ آخر عصبیت اور قومی چیزیں بھی ہوتی ہیں ایک قبیلے والوں نے دوسروں سے کہا کہ تمہارے بڑوں نے ہمارے بڑوں پر بہت ظلم کیا تھا انہوں نے کہا ہاں کیا تھا۔ بات بڑھی اور آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ لاٹھیاں چلیں مکے چلے اور چادروں کے مٹھے بنا کر ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ اور آپس میں طے ہوا کہ فلاں دن فلاں جگہ پر ہماری تمہاری لڑائی ہوگی دیکھ لیں گے تمہارے بڑوں نے ہمارے بڑوں پر کس طرح زیادتی کی تھی۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پہلے یہودیوں کو زجر و توبیخ کی۔ اور ڈانٹا۔ پھر مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ، کہہ دے اے کتاب والو! لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، کیوں تم روکتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ مَنْ اٰمَنَ، اس کو جو ایمان لائے۔ کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوچکے ہیں تم

چاہتے ہو کہ وہ ایمان سے پھر جائیں اور ان میں افتراق پیدا کرنے کے لئے منصوبے بناتے ہو۔ اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے۔ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا، تلاش کرتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں کجی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے۔ وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ، اور حالانکہ تم گواہ ہو۔ یعنی تم جانتے ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری پیغمبر ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے گئے تھے۔ کہ ان اوصاف والا پیغمبر تشریف لائے گا۔ قرآن پاک میں ہے۔ "اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ"۔ جن کو پاتے ہیں یہ لکھا ہوا اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں۔ چنانچہ جب آپس میں گفتگو کرتے تھے۔ تو کہتے تھے کہ ایک پیغمبر نے آنا ہے۔ اگر ہمارے دور میں آگئے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کسی سے لڑتے تھے تو فتح کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعائیں کرتے تھے۔ کہ اے اللہ اجل جلالہٗ، نبی آخر الزمان کے وسیلے سے ہمیں فتح عطاء فرما۔ "وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ج فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ"۔ (پارہ ۱)۔ اور تھے اس سے پہلے فتح کے لئے توسل حاصل کرتے ان لوگوں کے خلاف جو کافر ہیں پس جس وقت آئی ان کے پاس وہ ذات جس کو انہوں نے پہچان لیا۔ اس کا انکار کر گئے۔ تو ان کا یہ انکار کرنا محض ضد کی بنا پر تھا۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ O، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ غافل اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو۔ ان دو آیتوں میں یہود کو تنبیہ تھی کہ یہ تمہاری حرکتیں پسندیدہ نہیں ہیں۔ آگے مومنوں کو تنبیہ ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ، اے ایمان والو!۔ اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ، اگر تم اطاعت کرو گے ایک گروہ کی ان لوگوں میں سے۔

اُوْتُوا الْکِتٰبَ ، جن کو کتاب دی گئی ۔یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ○ ، وہ تمہیں لوٹا دیں گے تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف ۔یعنی تم نے اگر ان کی بات مانی تو وہ تمہیں کافر بنائیں گے اور اے مسلمانو! وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ ، اور تم کیسے انکار کرتے ہو؟ کفر کرتے ہو؟ ۔وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللہِ ، اور حالانکہ تم پر تلاوت کی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں ۔

15
15

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن شریف پڑھ کر سناتے تھے ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ عربی تھے اور ان کی مادری زبان عربی تھی تو ترجمہ پڑھانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ہاں اگر کوئی بات سمجھ نہیں آتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تفصیل کے ساتھ سمجھا دیتے تھے ۔اور یاد رکھنا قرآن کریم ایسی معجز اور فصیح کتاب ہے ۔کہ اگر کوئی شخص اس کو انصاف کے ساتھ پڑھے اور سمجھے گا تو یقیناً اس کے دل پر اثر ہوگا ۔لیکن آج ہمارے دل زنگ آلود ہیں اور تعصب کے غلاف چڑھے ہوئے ہیں ہمارے دل کا شیشہ صاف نہیں ہے ۔جس وجہ سے ہمیں قرآن کی بات سمجھ نہیں آتی ۔اور ہمیں قرآن سے کوئی محبت اور الفت نہیں ہے ۔جو محرومی کا باعث ہے ۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل صاف تھے قرآن کریم کے ساتھ ان کو محبت تھی ۔سمجھنے کا شوق تھا ۔اس واسطے وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہو گئے ۔اور فرمایا ۔وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ، اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے رسول بنفسِ نفیس موجود ہیں ۔۔مدینہ طیبہ میں کیونکہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں ۔بلکہ جس وقت یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کے درمیان موجود تھے ۔اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تم پر پڑھی

جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بنفسِ نفیس تمہارے درمیان موجود ہے۔ جن کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی توفیق عطاء فرمائی۔ اور تم بھائی بھائی بن گئے۔ حالانکہ پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خون کے پیاسے تھے۔ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ ایک یہودی کے اکسانے پر تم نے پرانی دشمنی تازہ کرلی ہے۔ ان کی بات مت مانو اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ ، اور جس نے مضبوطی کے ساتھ پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو۔ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝، پس تحقیق اس کو ہدایت دی گئی صراطِ مستقیم کی۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ، ڈرو اللہ تعالیٰ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا۔ اس سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کے امر اور نہی پر صحیح معنیٰ میں عمل کرو ایسا نہیں کہ زبان سے تو کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور عملی طور پر ساری بدمعاشیاں کرتا پھرے۔ یہ تو ڈرنا نہ ہوا۔ ترمذی شریف میں روایت آتی ہے۔ خاصا مجمع تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو بات سمجھانے کی خاطر سید القراٗ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟۔ یعنی تقوے کا مفہوم سمجھا سکتے ہو؟۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں سمجھا سکتا ہوں۔ (عربوں کے کرتے اس وقت بھی لمبے ہوتے تھے، اور آج بھی وہی دستور ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے کرتے ثابت ہیں۔ نمبر ا، ٹخنوں سے تھوڑا سا نیچے جس طرح عموماً ہمارے کرتے ہوتے ہیں۔ نمبر دو، نصف پنڈلی تک۔ نمبر تین، گھٹنے سے تھوڑا سا اوپر، دو تین انچ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی کرتا ثابت نہیں ہے تو اگر کوئی شخص ٹخنوں سے نیچے لے جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم

میں روایت آتی ہے کہ۔ "سُبُلُ الْاِزَارِ فِی النَّارِ"۔ کہ مردوں کا ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا سیدھا دوزخ میں جانا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ چاہے تکبر کی نیت کرے یا نہ کرے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا ہے ہی تکبر۔ یہ تو درمیان میں ضمنی بات آگئی تھی)۔ تو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تقویٰ کا معنیٰ سمجھا سکتا ہوں۔ فرمایا اگر آپ ایسے راستہ سے گزریں کہ جہاں خاردار جھاڑیاں ہوں تو کس طرح گزریں گے؟۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ کر اور پوری احتیاط کے ساتھ گزروں گا۔ تاکہ کوئی کانٹا میرے کپڑوں کے ساتھ نہ اڑ جائے۔ فرمایا یہی تقویٰ ہے۔ (ابنِ کثیر)۔ اسی طرح آدمی زندگی اس طرح گزارے کہ گناہوں کے کانٹے کے ساتھ نہ الجھے۔ فرمایا۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O ، اور ہرگز نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ یعنی اسلامی احکامات کی فکر میں لگے رہو۔ اور کوشش کرو اسلام پر رہنے کی اور اسلام کے کام کرو نمازیں پڑھو، روزے رکھو، نیکی کے کام کرو، برائی سے بچو۔ کوشش کرو گے تو اللہ تعالیٰ ضرور نتیجہ مرتب فرمائیں گے۔ اور ان نیکیوں کی برکت سے خاتمہ بالخیر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اسلام پر موت دے گا اور اگر گناہ کی طرف جاؤ گے تو خاتمہ بالشر کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو خاتمہ بالشر سے بچائے۔ اور تمام مسلمانوں کا خاتمہ ایمان اور اسلام پر ہو۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا ، اور مضبوطی کے ساتھ پکڑو اللہ تعالیٰ کی رسی کو سارے۔ رسی سے مراد اسلام، دین اور شریعت ہے۔ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا ، اور نہ تفرقہ ڈالو۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے ان کو حرام سمجھو۔ اور جن کو حلال فرمایا ہے، ان کو حلال سمجھو۔ اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ

کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کے قریب نہ جاؤ۔ اور اے اوس اور خزرج کے لوگو!۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ ، اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر ہوئیں۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً ، جب تھے تم ایک دوسرے کے دشمن۔ یعنی اوس والے خزرج کے اور خزرج والے اوس والوں کے۔ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ، پس اس نے الفت و محبت ڈالی تمہارے دلوں میں۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ ، پس تم ہو گئے اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت سے۔ اِخْوَانًا ، بھائی ، بھائی۔ یعنی پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اب اسلام کی برکت سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ، اور تھے تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر۔ فائدہ، شفا اگر شین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو معنیٰ ہے بیماری سے تندرست ہونا۔ چنانچہ قرآن پاک میں شہد کے بارے میں آتا ہے۔ "فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاس"۔ اس میں لوگوں کے واسطے شفا ہے اور دوسری جگہ آتا ہے۔ "شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ"۔ یہ قرآن پاک ان بیماریوں کے لئے شفا ہے جو دلوں میں ہیں۔ اور اگر شین کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ہے کنارہ۔ تو یہاں معنیٰ بنے گا اور تھے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ، پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دوزخ سے بچالیا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ ، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے۔ اٰيٰتِهٖ ، اپنی آیتیں۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ ، تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ اور ظاہری باطنی دشمنی سے محفوظ رہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ☆ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۸﴾ ع ۸/۲

وَلْتَكُنْ مِنْكُم ، اور چاہیے کہ ہو تم میں سے۔ اُمَّةٌ ، ایک گروہ۔ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ، جو دعوت دے لوگوں کو نیکی کی۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ، اور حکم کریں وہ معروف کا۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ، اور منع کریں وہ برائی سے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ ، اور نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح۔ تَفَرَّقُوْا ، جنہوں نے تفرقہ ڈالا۔ وَاخْتَلَفُوْا ، اور انہوں نے اختلاف کیا۔ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ، بعد اس کے کہ ان کے پاس آ گئے واضح دلائل۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ، اور وہ لوگ ہیں

ان کے لئے عذاب ہے بڑا۔ یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡهٌ، جس دن کہ سفید ہوں گے کچھ چہرے۔ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ، اور سیاہ ہوں گے کچھ چہرے۔ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ ، پس بہر حال وہ لوگ۔ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ، جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا۔ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ، کیا تم نے کفر اختیار کیا ایمان کے بعد۔ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ، پس چکھو تم عذاب کو۔ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۞ ، اس واسطے کہ تم کفر کرتے تھے۔ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ ، اور بہر حال وہ لوگ۔ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ، کہ سفید ہوں گے چہرے ان کے۔ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ، پس وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے۔ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۞ ، اور وہ اس رحمت کے مقام میں ہمیشہ رہیں گے۔ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ، یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ، ہم تلاوت کرتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ۔ وَمَا اللّٰهُ ، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ۔ يُرِيۡدُ، ارادہ کرتا۔ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۞ ظلم کا جہان والوں کے لئے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ، اور جو کچھ ہے زمین میں۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۞ ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔

کل کے درس میں قدرے تفصیل کے ساتھ آپ نے یہ بات سنی کہ مدینہ طیبہ میں تین خاندان یہود کے تھے اور دو مشرکین کے اوس اور خزرج جو اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے بعد بھائی بھائی بن گئے۔ اکٹھے بیٹھتے اٹھتے تھے۔ اور اکٹھے کھاتے پیتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ اور یہ اسلام کی بنیادی تعلیم میں سے ہے کہ اپنے سے بڑے کی عزت کرو اور جو ہم عمر ہو اس سے بھی اخلاق سے اور پیار سے پیش آؤ۔ اور ایسا انداز اختیار نہ کرو کہ جس سے اس کی دل شکنی ہو۔ اور چھوٹوں پر شفقت کرو تو

اوس اور خزرج کا شیر و شکر ہو جانا یہود کو گوارہ نہ ہوا۔ اور شاس ابن قیس یہودی نے سازش کر کے ان کو آپس میں لڑا دیا اور اوس اور خزرج کے لوگوں نے ایک دوسرے کو مکے مارے لاٹھیاں چلیں جوتے چلے، خوب ایک دوسرے کو مارا اور آئندہ لڑنے کے لئے وقت بھی مقرر ہوا مجلس میں اوس اور خزرج کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جو دوسرے قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ لڑائی میں شریک نہیں ہوئے لیکن حیران تھے کہ ہم کیا کریں اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی۔ کہ تمہیں خاموش نہیں رہنا چاہیے تھا۔ بلکہ مداخلت کر کے ان کی آپس میں صلح صفائی کروا دیتے آگے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ، اور چاہیے کہ ہو تم میں سے ایک گروہ۔ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ، جو دعوت دے لوگوں کو نیکی کی۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ، اور حکم کریں وہ معروف کا۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ، اور منع کریں وہ برائی سے۔ تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، جن کی قدر کی جاتی ہے کا اس مسئلے پر اتفاق ہے کہ دعوت الی اللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ جس طرح جنازہ فرض کفایہ ہے کہ اگر کچھ مسلمان ادا کر دیں تو باقی تمام سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی بھی نہیں پڑھے گا تو وہاں کے رہنے والے سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح دعوت الی اللہ بھی فرضِ کفایہ ہے فرضِ عین نہیں ہے۔ فرضِ عین کا مطلب ہے کہ ہر ہر آدمی پر لازم ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت فریضہ کو ادا کرتی رہے تو وہ سب کی طرف سے فرض ادا ہو گیا اس فریضہ کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہوگا کیونکہ فرض کفایہ ہے اور اگر کسی جگہ کوئی بھی اس فرض کو ادا نہیں کرے گا تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔ البتہ اپنی اصلاح کے لئے نکلنا الگ بات ہے کہ کوئی آدمی اس نظریہ کے تحت جائے کہ اپنی اصلاح ہو

جائے گی کیونکہ جماعت میں جانے والوں کا سارا وقت نیکی کے لئے صرف ہوتا ہے۔ اور دین کی باتیں اچھی طرح سمجھ آتی ہیں اور یہ بات ہے بھی حقیقت اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ایک اور بات بھی ذہن نشین کرلیں وہ یہ کہ اس آیت کریمہ کے تحت تمام مفسرین نے یہاں تک کہ جلالین شریف میں بھی موجود ہے جو تمام تفسیروں میں مختصر تفسیر ہے کہ پڑھنا پڑھانا درس دینا اسلام کی خاطر کتابیں لکھنا بھی تبلیغ ہے اور ان کاموں کے لئے چندہ دینا بھی تبلیغ ہے۔ تبلیغ صرف اس میں بند نہیں ہے کہ بستر اٹھا کر سہ روزہ لگانا اور دس روزہ لگانا اور چلہ لگانا۔ بے شک یہ بھی تبلیغ کا حصہ ہے۔ چنانچہ چھٹیوں میں ہمارے مدارس کے اساتذہ اور طلباء بھی سہ روزہ اور دس روزہ لگانے کے لئے جاتے ہیں اور جن کو زیادہ توفیق ملتی ہے وہ اس سے زیادہ وقت بھی لگاتے ہیں۔ مگر جب تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہو تو پھر اس کا ثواب بستر اٹھا کر پھرنے سے زیادہ ہے۔ بعض نادان قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو تبلیغ کے لئے نہیں نکلتے وہ دین کا کام نہیں کر رہے۔ یہ ذہن غلط ہے۔ چنانچہ ایک باباجی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے بڑے سادہ آدمی تھے۔ وہ میری کلاس میں بیٹھ کر سبق سنتے تھے۔ نصرۃ العلوم میں اس وقت طلباء کی خاصی تعداد ہوتی تھی۔ صرف میری کلاس میں چار سو طلباء تھے۔ ایک دن وہ باباجی مجھے کہنے لگے کہ ماشاء اللہ بڑا کام ہو رہا ہے۔ لیکن دین کا کام نہیں ہو رہا۔ میں نے کہا باباجی دین کا کام کیسے ہو؟ تو کہنے لگے کہ آپ کبھی چلہ تو دیا نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ ان کو کون پڑھائے گا؟ کہنے لگے ان کو اللہ تعالیٰ پڑھائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس طرح بندوں کو نہیں پڑھاتا۔ اس نے بندے مقرر فرمائے ہیں کہ وہ پڑھائیں۔ تو تبلیغ فرض کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں ہے۔ ایک گروہ کے ادا کرنے سے سب کی گردنوں سے فریضہ اتر جاتا ہے۔ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○،

اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا، اور نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے تفرقہ ڈالا۔ وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ، اور انہوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس آ گئے واضح دلائل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود کے اکہتر/۷۱ فرقے ہوئے اور نصاریٰ کے بہتر/۷۲ فرقے ہوئے اور میری امت تہتر/۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ (یعنی یہ ان سے پیچھے نہیں رہے گی)۔ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے مگر صرف ایک دوزخ سے بچنے والا ہوگا۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فرقہ ہے جو اس راستے پر ہوگا جو میرا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور اسی ناجی فرقہ کا نام ہے ''اہلِ سنت والجماعت''۔ سنت سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور جماعت سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ تو اہلِ سنت والجماعت کا معنیٰ بنے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنانے والا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو لازم پکڑنے ولا۔ اور وہ شخص جو ایسے ایسے کام کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کئے تو وہ گمراہ ہے۔ تو فرمایا ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا۔ اور اختلاف کیا۔ حالانکہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے۔ ایسا انہوں نے خواہشات نفسانی کی وجہ سے کیا ہے۔ جہالت کی وجہ سے نہیں کیا۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝، اور وہ لوگ ہیں ان کے لئے عذاب ہے بڑا۔ اور یہ عذاب ہوگا کب؟۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ، جس دن کہ سفید ہوں گے کچھ چہرے۔ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ، اور سیاہ ہوں گے کچھ چہرے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ، کا ترجمہ کرتے ہیں اہلِ سنت والجماعت، اور۔ وَّتَسْوَدُّ

وُجُوْہٌ ،کا ترجمہ کرتے ہیں ۔اہلِ بدعت "الفرقاء"۔یعنی قیامت والے دن اہلِ سنت
والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہلِ بدعت اور دین میں افتراق ڈالنے والوں کے
چہرے سیاہ ہوں گے اور یاد رکھنا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بحیثیت مفسرِ قرآن عبداللہ
ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا نمبر ہے۔ پہلا نمبر ہے حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا
۔حضرت کا قد چھوٹا اور جسم ہلکا پھلکا تھا۔ دیکھنے والا سمجھتا تھا بچہ پھر رہا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ نے ان
کو دو ایسی خوبیاں عطاء فرمائی تھیں کہ وہ اور کسی کو حاصل نہیں تھیں ۔نمبر ایک۔ تمام صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم میں پہلے درجہ کے مفسر قرآن اور نمبر دو۔ اَفْقَہُ الْاُمَّۃِ، تھے۔یعنی ساری امت میں
سب سے بڑے فقیہ تھے۔ان کے بعد حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما قرآن پاک کی
تفسیر کے بڑے ماہر تھے۔حالانکہ ان کی عمر مبارک کوئی زیادہ نہ تھی ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
جب دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت ان کی عمر تقریباً چودہ پندرہ سال تھی ۔لیکن یہ عظمت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے حاصل ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک
لوٹا پانی کا بھرا ہوا بڑی موزوں اور مناسب جگہ پر رکھا ہوا ہے جو کہ باپردہ تھی ۔آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"مَنْ وَّضَعَہٗ ھٰھُنَا"؟ ۔یہ لوٹا پانی کا یہاں کس نے رکھا ہے؟۔حضرت
عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت یہ لوٹا پانی کا بھرا ہوا میں نے رکھا ہے۔میرے
دل میں خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاءِ حاجت سے تشریف لائیں گے۔تو طہارت کرنی
ہے۔اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں رقت
پیدا ہوئی کہ دیکھو یہ بچہ ہے۔اور اس کے دل میں خیال آیا کہ پہلے لوٹا تلاش کیا پھر پانی تلاش

کیا پھراس کو بھر کر ایسے مقام پر رکھا کہ جو باپردہ اور مناسب ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی۔ "اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ وَفَقِّهْهُ فِیْ الدِّیْنِ"۔ اے پروردگار اس کو قرآن پاک کی تفسیر کا ماہر بنا۔ اور اس کو دین کی فقاہت عطاء فرما۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں ان کو اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ اٹھارہ سال تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضرت یہ مجلسِ شوریٰ ہے یہاں اہم امور طے پاتے ہیں جن کا عوام کے سامنے فوری طور پر ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا، یہ بچہ ہے۔ اس سے کوئی راز افشاء ہوسکتا ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو یہاں بٹھایا ہے۔ پھر ہمارے بھی بچے ہیں اس کو دیکھا دیکھی وہ بھی آ بیٹھیں گے۔ تو مجلسِ شوریٰ پر بچوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کو محض بچہ نہ سمجھو یہ بڑا سمجھ دار ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی قابلیت کو اس طرح عیاں فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھے اپنی مجلس میں اس وقت بھی بلا لیتے جب وہاں بدر کی جنگ میں شریک ہونے والے بزرگ بیٹھے ہوتے ان میں سے ایک بزرگ نے کہا اس نوجوان کو ہماری مجلس میں کیوں بلاتے ہو۔ اس جیسے ہمارے بچے بھی ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کو آپ جانتے ہیں۔ پھر ایک دن ان حضرات اکابر کو بلایا اور مجھے بھی بلایا۔ فرمایا! میرا خیال ہے کہ مجھے اس دن آپ نے اس لئے بلایا تھا تاکہ انہیں دکھا سکیں (آپ رضی اللہ عنہما کا علم وکمال) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم سورۃ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ"۔ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ (یعنی اس میں گُر کی کیا بات ہے؟) تو ان میں سے کسی نے کہا کہ

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے بخشش مانگیں۔ جب کہ ہماری مدد کی جائے اور ہمیں فتح دی جائے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ اور ان میں سے بعض نے کچھ بھی نہ کہا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اے ابنِ عباس! (رضی اللہ عنہما) تو اس بارے میں یہی کچھ کہتا ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔ پھر پوچھا کہ تم کیا جواب دو گے تو میں نے کہا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت قریب ہونے کا اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی ہے کہ جب فتح مکہ ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب ہونے کی علامت ہے۔ تو اس وقت آپ کثرت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں اور اس کی مغفرت طلب کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم میں بھی یہی بات تھی۔ تو حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بحیثیت مفسرِ قرآن دوسرا نمبر ہے۔ پہلا نمبر ہے حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کا۔ **فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ** ، پس بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا۔ **اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ** ، کیا تم نے کفر اختیار کیا ایمان کے بعد۔ یعنی دعویٰ تو تمہارا ایمان کا تھا۔ کہ ہم مومن ہیں پھر تم نے کفر اختیار کیا۔ یعنی اعمال سارے کافروں والے ہیں زبانی دعویٰ کرنے کا کیا فائدہ۔ بخاری شریف اور دیگر کتابوں میں حدیث آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہوں گے۔ اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوضِ کوثر پر پانی پینے کے لئے آئیں گے۔ کچھ لوگوں کو فرشتے دھکے مار کر کہیں گے کہ پیچھے چلے جاؤ۔ شور سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ فرمائیں گے اور فرشتوں سے کہیں گے کہ یہ تو میرے امتی معلوم ہوتے ہیں ان کو تم پیچھے کیوں ہٹاتے ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آواز آئے

گی "اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ" ۔ بہ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے کہ جو جو بدعات انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا کی ہیں۔ "فَاَقُوْلُ سُحْقاً، سُحْقاً" ۔ پس میں کہوں گا ان کو میری نظروں سے ہٹادو تو فرشتے ان کو حوضِ کوثر کے قریب نہیں آنے دیں گے حوضِ کوثر سے وہ لوگ پانی پیئں گے۔ جو موحد ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پابند ہوں گے اب رہا یہ مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو کس طرح پہچانیں گے کہ یہ میرے امتی ہیں تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ وضوء والے اعضاء سفید ہوں گے جو مخلص ہوں گے ان کی سفیدی زیادہ ہوگی اور جو کھوٹے ہوں گے آخر وضو تو انہوں نے بھی کیا ہوگا۔لہٰذا تھوڑی بہت چمک ان کے اعضاء پر بھی ہوگی اس چمک کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ میرے امتی معلوم ہوتے ہیں تو جو ظاہری طور پر مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہے اور کچھ اعمال بھی ادا کرتے رہے مگر صحیح معنیٰ میں مسلمان نہ ہوئے ان کو کہا جائے گا کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا؟ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ O ، پس چکھو تم عذاب کو اس واسطے کہ تم کفر کرتے تھے۔شریعت کے قانون کا انکار کرتے تھے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ ، اور بہر حال وہ لوگ کہ سفید ہوں گے چہرے ان کے۔ فَفِيْ رَحْمَةِ اللهِ ، پس وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے۔ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ O ، اور وہ اس رحمت کے مقام میں ہمیشہ رہیں گے۔تِلْكَ اٰيٰتُ اللهِ ، یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ، ہم تلاوت کرتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ۔قرآن حق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی برحق ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی فرشتہ لاکے سناتا ہے وہ بھی حق ہے تو یہ سب حق ہی حق ہے۔ اور یاد رکھو وَمَا اللهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ O ، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ظلم کا جہان

والوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس کی صفت ہے رحمٰن اور رحیم وہ بلاوجہ کسی کو سزا نہیں دیتا حجت مکمل ہونے کے بعد سزا دیتا ہے۔ اور اس کی سزا سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ بھاگ نہیں سکتا۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ ہے زمینوں میں۔ آسمانوں کا خالق مالک اور متصرف بھی وہی ہے۔ اور زمینوں میں بھی اس کے سوا کسی کا دخل نہیں ہے جو رب تعالیٰ کرتا ہے وہی ہوتا ہے اس کی اجازت کے بغیر ایک پتا بھی زمین پر نہیں گرتا۔ اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی ذرہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ اور یہ خدائی اختیارات اس نے نہ تو فرشتوں کو دیئے ہیں نہ پیغمبروں کو نہ پیروں، فقیروں کو اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مرتبے اور مقام عطاء فرمائے ہیں وہ حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے بعضوں کو نبوۃ و رسالت عطاء فرمائی۔ بزرگی عطاء فرمائی۔ بعضوں کو صحابہ (رضی اللہ عنہم) بنایا پیشوا بنایا۔ محدث بنائے فقیہ بنائے۔ ولایت دی۔ لیکن خدائی اختیارات کسی کو نہیں دیئے۔ سارے تو کجا ایک ماشہ بھی کسی کو عطاء نہیں کیا۔ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ○ ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔ سب نے اسی کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ سب کام سامنے آجائیں گے یہ توحید کا بنیادی سبق ہے اس کو یاد رکھنا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ، ہو تم تمام امتوں میں سے بہتر۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ، جن کو نکالا گیا لوگوں کے لئے۔ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ، حکم کرتے ہو نیکی کا۔ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ، اور منع کرتے ہو برائی سے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ، اور اگر ایمان لائیں اہل کتاب۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ، البتہ ایمان لانا ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ، ان میں سے کچھ مومن ہیں۔ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ O ، اور اکثر ان کے نافرمان ہیں۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ، وہ تمہیں ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکیں گے مگر کچھ اذیت۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ ، اور اگر تمہارے ساتھ لڑیں گے۔ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ، تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں

گے۔ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ O ، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ ، مسلط کردی گئی ہے ان پر ذلت۔ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا ، جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے۔ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ ، مگر اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑنے سے۔ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ، اور لوگوں کی رسی کو پکڑنے سے۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ ، اور لوٹے وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر۔ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ، اور ان پر مسلط کی گئی ہے مسکنت، ذلت۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ، یہ اس واسطے کہ بے شک وہ۔ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللهِ ، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ ، اور قتل کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو۔ بِغَیْرِ حَقٍّ ، ناحق۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا ، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی۔ وَكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ O ، اور تھے وہ تجاوز کرنے والے۔

اس سے پہلی آیات کا شانِ نزول آپ سن چکے ہیں کہ شاس ابن قیس یہودی کی شرارت کے نتیجے میں مسلمانوں کے دو گروہ اوس اور خزرج آپس میں لڑ پڑے اور خاصی بدمزگی پیدا ہوئی جس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے یہودیوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم ایسی شرارتیں کر کے مسلمانوں کو کیوں روکتے ہو پھر مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تم پر پڑھی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم میں موجود ہے۔ پھر تم کیوں لڑتے ہو؟۔ اور لڑائی کے وقت کچھ ایسے مسلمان تھے جو دوسرے خاندانوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ وہ خاموش رہے کہ نہ تو لڑائی میں شریک ہوئے اور نہ ہی ان کو سمجھایا اور روکا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی تنبیہ فرمائی کہ تمہارا کام تھا کہ ان کو لڑائی سے روکتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا" ۔ اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا حضرت مظلوم کی مدد کا معنیٰ تو سمجھ آتا ہے۔ ظالم کی مدد کا

16

کیا مطلب ہے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم کو ظلم سے روک دو یہ اس کی مدد ہے۔ وہ اس طرح کہ مثال کے طور پر ظالم کسی پر ظلم کرتا ہے اس کو قتل کر دیتا ہے۔ تو دنیا میں قصاص آئے گا اور آخرت میں سزا بھی ہوگی۔ اگر تم نے روک لیا تو اس کی مدد ہوگی کہ نہ تو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ اور نہ آخرت کی سزا میں مبتلاء ہوگا۔ اور یاد رکھنا مظلوم کی مدد نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ الترغیب والترہیب حدیث کی کتاب ہے اس میں حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ایک قبر کے پاس کافی دیر تک کھڑے رہے۔ دریافت کیا گیا حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا، اس قبر والے کو اس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے کہ ایک مظلوم پر ظلم ہو رہا تھا اور یہ پاس سے گزر گیا۔ اس کی مدد نہیں کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی۔ کہ تمہارا کام تھا ان کو لڑائی سے روکنا۔ آگے فرمایا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے فریضہ میں شامل ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ، ہو تم تمام امتوں میں سے بہتر امت۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، جن کو نکالا گیا لوگوں کے لئے۔ یعنی تمہیں اپنے کاموں کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ دوسرے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، حکم کرتے ہو نیکی کا۔ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ، اور منع کرتے ہو برائی سے۔ مجموعی حیثیت سے اس امت کا یہ فریضہ ہے۔ پہلے اس طرح ہوتا تھا کہ ایک پیغمبر دنیا میں تشریف لاتا جب وہ دنیا سے چلا جاتا تو امت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا۔ دوسرا پیغمبر تشریف لاتا اور اصلاح کرتا اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس دین کے تحفظ کی ذمہ داری امت کے کندھے پر ڈالی ہے۔ الحمدللہ! اس امت نے یہ فریضہ ادا کیا

اور خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر پورے اترے اور دین کو محفوظ رکھا۔ آج دین کے سمجھانے والے بھی موجود ہیں۔ اور سمجھنے والے بھی موجود ہیں۔ اور اس پر عمل کرنے والے بھی موجود ہیں۔ اور سچا دین کتابوں میں بھی موجود ہے۔ عمل میں بھی موجود ہے۔ ہمارے علاقے میں انگریز نے دین کو ختم کرنے کے لئے پوری قوت صرف کی مگر دین کو ختم نہ کرسکا۔ تو چونکہ نبوۃ ختم ہے اور نبوۃ کا کام امت کے کندھے پر ہے۔ تو یہ کام امت نے ہی کرنا ہے اور کر بھی رہی ہے۔ یہاں ایک مسئلہ سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ ایک ہے دعوت الی اللہ اور ایک ہے امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔ تو دعوت الی اللہ کے بارے میں پہلے سبق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ ہر آدمی کا کام نہیں ہے۔ بلکہ فرمایا۔ "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ"۔ اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو دعوت دے بھلائی کی۔ تو یہ سب کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ایک گروہ کا کام ہے۔ علماء اور سمجھ دار لوگوں کا کام ہے۔ جُهلاء کا کام نہیں ہے۔ اور فرضِ کفایہ ہے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر امتی کا کام ہے۔ اگر کسی کو بھلائی کی ایک بات بھی معلوم ہے تو وہ اس کو آگے پہنچائے۔ اور دین کی اشاعت اور تبلیغ کی وجہ سے کمائی کے درجے قائم ہوئے ہیں۔ چنانچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کمائی کے جو پیشے ہیں ان میں مسلمان کی کمائی کا پہلا درجہ مالِ غنیمت ہے۔ اور غنیمت ملتی ہے جہاد کے نتیجے میں۔ اور جہاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے۔ اور یہ بہت بلند عمل ہے اصل رقم نہیں بلکہ وہ ذریعہ دیکھنا ہے جس سے وہ حاصل ہوئی ہے۔ اگر نفسِ رقم کو دیکھا جائے تو وہ کافروں کا مال ہے۔ اس میں سود کی رقم بھی ہوگی شراب اور خنزیر کی تجارت کی رقم بھی ہوگی۔ اور بہت کچھ کیا ہوگا۔ کیا نکہ ان کے ہاں حلال وحرام کی تمیز تو نہیں ہے۔ صرف دولت کا اکٹھا کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا جس طرح بھی

آئے لیکن جب ملکیت بدل گئی کہ ان کی ملکیت سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئی تو بالکل پاک صاف ہوگئی۔ تو مالِ غنیمت سب سے اعلیٰ کمائی ہے۔ کیونکہ ذریعہ جہاد ہے۔ دوسرے نمبر پر مالِ تجارت ہے۔ تاجر کی کمائی اس وجہ سے اعلیٰ ہے کہ تجارت بھی دین کی تبلیغ کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ تجارت میں لوگوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے کوئی اس کے پاس آرہا ہے۔ اور کسی کے پاس یہ جارہا ہے۔ تو دین کے مسائل ان کو سمجھائے گا۔ دعوت دے گا۔ دوکاندار ہے تو اس کے پاس گاہک آئیں گے۔ گاہکوں کو مسئلے سمجھائے گا۔ تبلیغ کا کام چلتا رہے گا۔ تو تجارت چونکہ تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔ اور اس ذریعہ سے جو کمائی حاصل ہوگی وہ اعلیٰ ہے۔ مگر آج ہم نے تجارت کو ٹھگنے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ کسی کے پاس کچھ نہ رہے۔ سب میرے پاس آجائے۔ تیسرے درجے میں زراعت کا مال ہے۔ کاشت کاری تیسرے درجے میں اس واسطے ہے کہ کاشت کار کے آگے بیل ہوتے ہیں اور یہ ان کے پیچھے ہوتا ہے۔ نہ اس نے کسی سے ملنا ہے اور نہ اس کو کسی نے ملنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کوئی روٹی پہنچادے گا۔ اور کوئی پانی تو اس بیچارے کو تبلیغ کا موقع کم ملتا ہے۔ اس واسطے اس کا تیسرا درجہ ہے۔ البتہ اس کو ثواب ملتا رہتا ہے۔ کہ اس کی کمائی انسان بھی کھاتے ہیں۔ حیوان بھی کھاتے ہیں۔ پرندے اور کیڑے مکوڑے بھی کھاتے ہیں۔ راضی ہو کھاتے ہیں، نہ ہو پھر بھی کھاتے ہیں۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے ہر فرد کا فریضہ ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اس کے احکام بجالاتے ہو۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ، اور اگر ایمان لائیں اہلِ کتاب۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ، البتہ ایمان لانا ان کے حق میں بہتر ہو۔ یہودی بھی اور عیسائی بھی سمجھتے تھے کہ "اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ"۔ بے شک یہ سچا رسول ہے۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہے۔ اکثریت ان کی ایمان

نہیں لائی۔لیکن خدا کی طرف سے ایمان کا دروازہ کھلا ہے۔مِنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ O، ان میں سے کچھ مومن ہیں اور اکثر ان کے نافرمان ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت عبداللہ ابنِ سلام، حضرت اسید، حضرت ثعلبہ، حضرت بنیامین رضی اللہ عنہم اجمعین مسلمان ہوئے۔اور حضرت حنظلہ غسیل الملئکہ، جن کو فرشتوں نے غسل دیا۔ جنگِ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو مسلمان جس حالت میں ہے فوراً احد کے مقام پر پہنچے۔حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ ہمبستر ہوئے تھے۔انہوں نے خیال کیا کہ اگر غسل کیا تو دیر ہو جائے گی۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت ہوگی۔اسی طرح چلے گئے اور جنگ میں شریک ہوگئے۔لڑائی زوروں پر تھی۔شہید ہوگئے۔لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ فرشتوں نے ان کو غسل دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کرائی ان کی بیوی سے دریافت کیا بیوی نے بتایا کہ رات میرے ساتھ لیٹے ہوئے تھے ہمبستری ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آیا کہ جس حالت میں ہو پہنچو۔تو وہ غسل کئے بغیر چلے گئے۔تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملئکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔یہ بھی پہلے یہودی تھے۔ان کا باپ ابو عامر راہب اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اور ہر وقت اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لٹھ لئے پھرتا تھا۔بدر سے لے کر تبوک تک تمام لڑائیوں میں اس شیطان کا ہاتھ تھا۔اسی طرح کچھ لوگ عیسائیوں میں سے بھی مسلمان ہوئے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی رضی اللہ عنہ یہ سب پہلے عیسائی تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق عطاء فرمائی۔لیکن یہود و نصاریٰ کی اکثریت کفر پر اڑی رہی۔اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں ۔لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی ، وہ تمہیں ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکیں گے مگر کچھ تکلیف ۔ وہ مسلمانوں کے وجود کو ختم کر دیں ۔اور اسلام کو مٹا دیں حاشا وکلا ۔ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے ۔ بس قولی اور فعلی طور پر چھیڑ خوانی کریں گے ۔ہاں اگر تم خود ایمان عمل کو چھوڑ بیٹھو تو اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے ۔ "اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَاالَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِنۡ ، بَعۡدِہٖ" ۔تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ تمہیں رسوا کر دے تو پھر کوئی مددگار نہیں ہوگا ۔ ۱۹٦۷ء میں یہودیوں نے کچھ علاقہ مصر سے کچھ اردن سے اور کچھ شام سے چھینا جولان کی پہاڑیاں وغیرہ ۔اور وہ ابھی تک ان کے پاس ہے ۔اور وہاں انہوں نے اپنی بستیاں آباد کر لی ہیں ۔ ان کے وزیر اعظم یاہو نے کہا ہے کہ ہم یہاں سے نہیں جائیں گے ۔ یہ ہمارا علاقہ ہے ۔اور مسلمان حکمران بے غیرت ہیں ۔ ان کو کوئی احساس نہیں ہے ۔اسی زمانے میں میں نے حج کا سفر کیا واپسی پر مجھے براہِ راست پاکستان کا جہاز نہ ملا ۔شام کے راستے واپس آنا پڑا ۔ہمیں دو دن دمشق رہنا پڑا وہاں ایک بڑی وسیع مسجد تھی ۔ اور بڑے بڑے مینار تھے ۔ اور بہت خوبصورت تھی ۔جس طرح شاہی مسجد ہے ۔سلیمان خان قانونی ترکی بادشاہ گزرا ہے ۔اس نے بنوائی تھی ۔اور اس کے ساتھ کمرے بنے ہوئے تھے ۔ پانی کا بڑا انتظام تھا ۔مؤذن نے لاؤڈ سپیکر پر اذان دی ۔ جماعت کے وقت ایک امام اور دو آدمی مقامی تھے ۔اور میرے علاوہ تین چار اور پاکستانی تھے ۔نماز پڑھنے کے بعد ہم نے امام سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے؟ اتنی بڑی مسجد ہے اور نمازی نہیں ہیں ۔اس نے کہا "مُنۡطَرِقٌ عَنِ الۡبَلَایَۃِ" ۔ یہ مسجد شہر سے الگ ہے ۔ آبادی ذرا دور ہے ۔ میں نے کہا کہ مسجد کے ساتھ جو کمرے ہیں ان میں لوگ رہتے ہیں یا نہیں کہنے لگا اس میں فوجی رہتے ہیں ۔ میں نے کہا کہ وہ مسلمان ہیں؟ اس نے کہا ہاں مسلمان ہیں ۔

میں نے کہا انہوں نے اذان سنی ہے؟ مسجد کے کمروں میں رہتے ہیں اور نماز نہیں پڑھی؟ تو اس نے بہت بڑی گالی دے کر کہا کہ اگر یہ نمازی ہوتے تو ہمیں یہودیوں سے ذلیل کراتے؟۔ تو ہمیں بدعملی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دشمن کے ہاتھوں ذلیل اور رسوا کیا۔ اور اگر ہم پختہ مومن ہوں۔ اور احکامات خداوندی کے پابند ہوں تو ذلت سے بچ سکتے ہیں۔ وَاِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ، اور اگر تمہارے ساتھ لڑیں گے تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے۔ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ O ، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ مگر اس صورت میں کہ جب تمہارا ایمان اور عمل درست ہو۔ دیکھو اسرائیل کی آبادی اسی/۸۰ لاکھ کے قریب ہے۔ اور سارے تربیت یافتہ فوجی قسم کے لوگ ہیں۔ ان خبیثوں کو امریکہ، برطانیہ، روس اور فرانس نے وہاں اکٹھا کیا ہے۔ اور اس کے آس پاس جو مسلمان ملک ہیں ان کی آبادی تیرہ کروڑ/۱۳۰۰۰۰۰۰۰ ہے۔ اور یہ اسی/۸۰ لاکھ سے ڈرتے ہیں۔ کہ ہمارا چچا امریکہ ناراض نہ ہو جائے کیونکہ اگر وہ ناراض ہو گیا تو ہمیں ڈالر نہیں دے گا۔ ہمارے قرضے معاف نہیں کرے گا۔ اگر یہ ڈٹ جائیں تو ان کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسے لیبیا ڈٹا ہوا ہے۔ صدام ڈٹا ہوا ہے۔ انتیس حکومتیں مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں۔ ہماری مہربان حکومت بھی ان میں شامل تھی صدام زندہ پھر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ عطاء فرمائے اور غیرتِ ایمانی عطاء فرمائے۔ ضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ ، مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت۔ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡٓا ، جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے۔ مسکنت کا مطلب ہے کہ خود انسان اپنے آپ کو کہتر اور گھٹیا سمجھے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسکین سمجھے تو یہ اہلِ کتاب خصوصاً یہودی جہاں بھی ہوں ان کا یہی حال ہوگا۔ اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ ، مگر اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑنے سے اور لوگوں کی

رسی کو پکڑنے سے۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑنے کا مطلب ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا مسلمان حکومت کے ٹیکس گزار ہو کر رہیں۔ اور لوگوں کی رسی پکڑنے کا مطلب ہے ان کی پناہ میں رہیں۔ جس طرح اسرائیل اقوام متحدہ خصوصاً امریکہ اور برطانیہ کی پناہ میں ہے۔ ان سے الگ ہو کر نہیں رہ سکتے۔ صدام حسین نے دو چار بم پھینکے تھے تو ان کے ہوش و حواس ہی گم ہو گئے تھے اور اپنے علاقے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ مگر پھر امریکہ نے ان کا دفاع کیا اور یہ واپس آئے۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ، اور لوٹے وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ، اور ان پر مسلط کی گئی ہے مسکنت، ذلت۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ، یہ اس واسطے کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ، اور قتل کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق۔ تیسرے پارے میں اس آیت کریمہ کے تحت (وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بَغَيْرِ حَق وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ O تیسرا پارہ رکوع نمبر ۱۱) آپ سن چکے ہیں کہ ایک علاقہ تھا اس میں مختلف قومیں آباد تھیں۔ جس طرح پاکستان میں مختلف قومیں آباد ہیں اور اس وقت ہر قوم کی طرف الگ الگ پیغمبر بھیجا جاتا تھا۔ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام قوموں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ تو اس علاقے کے مجرم اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہم ان کی تبلیغ سے تنگ آ گئے ہیں یہ ہماری نہ دن کو جان چھوڑتے ہیں نہ رات کو ہر وقت وعظ ہی وعظ ہے۔ لہٰذا ان کا صفایا کرو۔ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوپہر تک انہوں نے تینتالیس/۴۳ پیغمبر شہید کیے۔ اور ایک سو ستر/۱۷۰ حواری اور صحابی جوان کی مدد کے لیے آئے تھے ان کو ناحق قتل

کیا۔قتل حق کی تین صورتیں ہیں۔اور وہ تینوں صورتیں پیغمبروں میں نہیں پائی جاتیں۔پہلی صورت یہ ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ کوئی مرتد ہو جائے۔تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔تاکہ وہ اپنے شکوک وشبہات دور کرلے اور توبہ کرلے۔ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔اور پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے اور دوسری صورت کہ شادی شدہ آدمی زنا کرے۔تو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر معصوم اور بڑے بلند اخلاق کا مالک ہوتا ہے۔دیکھو! زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بڑا ورغلایا، پھسلایا اور بہت کچھ کیا۔مگر یوسف علیہ السلام نے اس کی شرارتوں کی ساری کڑیاں توڑ دیں اور فرمایا۔"مَعَاذَ اللہِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ"۔پناہ بخدا بے شک وہ میرا مالک ہے اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنایا ہے۔"اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ"۔بے شک ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔اور تیسری صورت ہے کہ کسی کو قصداً ناحق قتل کرنا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطأً ایک آدمی قتل ہوا تھا وہ بڑا بدمغز تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سمجھایا کہ بنی اسرائیلیوں سے تو ایندھن اٹھواتا ہے۔ان کو مزدوری بھی دیا کر، کہنے لگا یہ ایندھن تیرے تنور کے واسطے تو ہے تو بھی وہاں سے روٹی کھاتا ہے۔بڑی واہی تباہی باتیں کیں۔موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک مکا ٹکا دیا تاکہ اس کو ذرا سمجھ آجائے۔"فَقَضٰى عَلَيْهِ"۔پس وہ مر گیا۔حالانکہ عادۃً مکے سے کوئی آدمی مرتا نہیں ہے۔اور نہ ہی مکا آلۂ قتل ہے۔اگر مکے سے کوئی مرتا تو محمد علی کلے کبھی کا مر چکا ہوتا۔جس نے مکے کھا کھا کے دولت اکٹھی کی ہے۔یا اس جیسے جو دوسرے مکے باز ہیں تو وہ اگرچہ خطأً قتل ہوا تھا مگر اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔اور رب تعالیٰ نے معاف کر دیا۔تو یہود ونصاریٰ پر اس واسطے اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا اور مسکنت مسلط کی گئی کہ وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ذٰلِكَ بِمَا

عَصَوْ وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ O، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور تھے وہ تجاوز کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حدیں مقرر فرمائی تھیں ان سے وہ تجاوز کر گئے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

لَيْسُوْا سَوَآءً ، وہ اہلِ کتاب سب برابر نہیں ہیں۔ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ ، اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ ہے۔ قَآئِمَةٌ ، جو سیدھے راستہ پر قائم ہے۔ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ ، جو تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی آیات کی۔ اٰنَآءَ الَّيْلِ ، رات کے اوقات میں۔ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ O ، اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ، ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ، اور آخرت کے دن پر۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ، اور حکم کرتے ہیں نیکی کا۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ، اور منع کرتے ہیں برائی سے۔ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ، اور وہ جلدی کرتے ہیں اچھے کاموں کے

کرنے میں۔ وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ O ،اور وہی لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ ،اور جو بھی کریں گے وہ اچھا کام۔ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ ،پس ہرگز ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ ،بِالْمُتَّقِیْنَ O ،اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ، ہرگز نہیں کفایت کریں گے ان کو ان کے مال۔ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ ،اور نہ ان کی اولاد۔ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کچھ بھی۔ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ،اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ☆ ،وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ ،مثال اس چیز کی جو وہ خرچ کرتے ہیں۔ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا،اس دنیا کی زندگی میں۔ کَمَثَلِ رِیْحٍ ،اس ہوا کی مثال ہے۔ فِیْھَا صِرٌّ ،جس میں سخت ٹھنڈک ہے۔ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ،وہ پہنچی ایسی قوم کی کھیتی کو۔ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ،جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ فَاَھْلَکَتْہُ ،پس اس ہوا نے اس کو ہلاک کر دیا۔ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ ،اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے۔ وَلٰکِنْ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ O ،اور لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔

پہلے سے یہود کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اب بھی انہیں ہی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَیْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ ،وہ اہلِ کتاب سب برابر نہیں ہیں اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ ہے۔ قَآئِمَۃٌ، جو سیدھے راستہ پر قائم ہے۔ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ ،جو تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی آیات کی۔ اٰنَآءَ الَّیْلِ ،رات کے اوقات میں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہودی تھے ایک مسافر نے ان کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھی بغیر کسی تحریر اور گواہ کے جو تقریباً بیس لاکھ روپیہ بنتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد آیا اور امانت طلب کی انہوں نے وہ

امانت فوراً اٹھا کر اس کے حوالہ کر دی۔ جس کا ذکر تیسرے پارہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں فخاض ابن عازورہ اس کے پاس ایک مسافر نے ایک دینار رکھا جب وہ واپس لینے کے لئے آیا تو اس نے کئی پینترے بدلے۔ "اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ" ۔ سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام حضرت اسد، حضرت اسید، حضرت بنیامین، حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہم جیسے لوگ مراد ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ میں سے حضرت سلمان فارسی، حضرت تمیم داری، حضرت عدی ابنِ حاتم رضی اللہ عنہم جیسے لوگ مراد ہیں۔ "یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ" ۔ کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ قرآن پاک کے نازل ہونے سے پہلے جب توراۃ، انجیل، زبور منسوخ نہیں ہوئی تھیں تو یہ ان کتابوں کی تلاوت کرتے تھے۔ اور ان پر عمل کرتے تھے حق پر قائم تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے۔ اور مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک گروہ یہ تفسیر کرتا ہے کہ آیت اللہ سے مراد قرآن پاک کی آیتیں ہیں۔ کہ وہ مسلمان ہوئے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ اٰنَآءَ الَّیْلِ، اٰنَآءَ، جمع ہے اِنًی کی۔ رسم الخط اس کا اِنِی کی طرح ہے۔ مگر یہاں نون پر دو زبریں ہیں معنی ہے وقت تو۔ اٰنَآءَ الَّیْلِ، کا معنی ہے گا رات کے اوقات جو تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو رات کے اوقات میں۔ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ ☆، اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر۔ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ، اور حکم کرتے ہیں نیکی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے۔ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ، اور وہ جلدی کرتے ہیں اچھے کاموں کے کرنے میں۔ جیسے حضرت عبداللہ ابنِ سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کھجوروں سے کھجوریں اتار رہے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع ہوئی آواز آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے ہیں تو وہ اس حالت میں کہ کھجوریں ہاتھ میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کیونکہ پہلی کتابوں میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں پڑھی ہوئی تھیں۔ یہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمارہے تھے اے لوگو! ۔ "اِفْشَوُا السَّلَامَ" ۔ سلام کو خوب پھیلاؤ۔ "وَلِيْنُوا بِالْكَلَامِ" ۔ اور آپس میں گفتگو کرو تو نرمی کے ساتھ کرو۔ "وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ" ۔ اور غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ "فَصَلُّوا بِالَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ" ۔ پس تم راتوں کو جاگ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان سنا اور چہرہ اقدس دیکھا تو فیصلہ کیا۔ "اِنَّ هٰذَا الْوَجْهِ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ" ۔ بے شک یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ چونکہ دل کا شیشہ بالکل صاف تھا بیان فوراً ذہن میں اتر گیا۔ اور اس مجلس میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ دوسرے یہودیوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ ہم بھی جائیں دیکھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا کہ دوسرے یہودی بھی آرہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہودی آرہے ہیں ان کو میں تمہارے حوالے سے ایمان کی دعوت دوں کہ عبداللہ ابن سلام مسلمان ہو گیا ہے، تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ تو حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضرت میں پردے کے پیچھے بیٹھ جاتا ہوں پہلے ان سے میرے بارے میں دریافت فرمائیں کہ میرا ان کے ہاں کیا مقام ہے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ کہ یہ پردے کی اوٹ میں بیٹھ گئے جب دوسرے یہودی آئے ان سے گفتگو ہوئی دورانِ گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیف فیکم عبداللہ ابن سلام ؟" ۔عبداللہ ابن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟ کہنے لگے "خَیۡرُنَا وَابۡنُ خَیۡرِنَا سَیِّدُنَا وَابۡنُ سَیِّدِنَا،اَفۡضَلُنَا وَابۡنُ اَفۡضَلِنَا ،اَعۡلَمُنَا وَابۡنُ اَعۡلَمِنَا" ۔ یہ چاروں لفظ بخاری شریف کی مختلف روایتوں میں موجود ہیں کہ ہم میں سے سب سے بہتر ہے اور سب سے بہتر کا بیٹا ہے۔اور ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔اور ہم میں سے افضل ،اور افضل کا بیٹا ہے۔اور ہم میں بڑا عالم اور بڑے عالم کا بیٹا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ مسلمان ہو جائے تو پھر تمہاری کیا پوزیشن ہوگی؟ یہودی کہنے لگے۔"اَعَاذَهُ اللهُ مِنَ الۡاِسۡلَامِ" ۔اللہ تعالیٰ اس کو اسلام سے بچائے۔یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ پردے سے نکل کر سامنے آگئے۔اور سب کے سامنے کلمہ پڑھا۔"اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِیۡکَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ" ۔ جب کلمہ سنا تو وہی یہودی کہنے لگے۔"شَرُّنَا وَابۡنُ شَرِّنَا" ۔ہم میں سے بڑا شرارتی ہے۔اور بڑے شرارتی کا بیٹا ہے۔تو یہودیوں میں اچھے لوگ بھی تھے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے۔نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا اچھا جذبہ ہے۔رب تعالیٰ جس کو توفیق عطاء فرمائے۔یہ حسد نہیں ہے۔اس کو غبطہ اور رشک کہتے ہیں کہ فلاں جتنی نیکیاں کرتا ہے میں اس سے زیادہ کروں البتہ نیکی کا دارومدار نیت پر ہے۔ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ ایک موقعہ پر جہادی مہم کے لئے رقم کی ضرورت تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں رقم کی ضرورت ہے۔جو جتنی زیادہ سے زیادہ دے سکتا ہے دے ان دنوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مالی پوزیشن مضبوط تھی۔فرمانے لگے کہ اس موقع پر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نمبر لے جاؤں گا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ایک دوسرے کے حالات سے واقف تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ میری مالی پوزیشن ابوبکر سے مضبوط ہے۔ وہ تھوڑا مال لائیں گے اور میں زیادہ مال لاؤں گا۔ خاصا مجمع تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رقم رکھی۔ مثال کے طور پر وہ پانچ ہزار تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رقم لاکر رکھی۔ مثال کے طور پر وہ بیس ہزار تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کیا لائے ہو؟ اور گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟۔ کہنے لگے حضرت آدھا مال لے کر آیا ہوں اور آدھا مال گھر والوں کے لئے چھوڑ کر آیا ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ گھر والوں کا بھی حق ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کیا لائے ہو؟ اور گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ کہنے لگے حضرت گھر میں جو کچھ تھا سارا صاف کر کے لایا ہوں۔ گھر والوں کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت چھوڑ کر آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بابے سے نمبر لے جانا مشکل ہے۔ کیونکہ نیکی کا مدار نیت پر ہے۔ ہم تم بھی تو نیکیاں کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نیکیاں کیں۔ مگر یقین جانو ان کی ایک نیکی کو ہماری ہزاروں نیکیاں نہیں پہنچ سکتیں۔ کیونکہ جتنا اخلاص، للّٰہیت اور اتباعِ سنت کا جذبہ ان میں تھا معاف رکھنا وہ ہم میں نہیں ہے۔ تو جو نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا۔ وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝، اور وہی لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ، اور جو بھی کریں گے وہ اچھا کام۔ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ، پس ہرگز ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ شاکر و علیم ہیں ان کی نیکی کو قبول فرما کر بہتر اجر عطاء فرمائیں گے۔ بلکہ حدیث پاک کے مطابق ایسے لوگوں کو دوہرا اجر ملے گا پہلے موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ ایک اجر

اس ایمان کا ملے گا اور دوسرا اجر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا۔ اور ویسے بھی اس کے ہاں عطاء کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان کی حالت میں کھجور کا ایک دانہ صدقہ کرتا ہے۔ تو وہ اس کو بڑھا بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے۔ قیامت والے دن جب اس کو بدلہ ملے گا تو وہ بندہ کہے گا میں نے تو ایک دانہ کھجور کا صدقہ کیا تھا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے اس کو حسنِ نیت کی وجہ سے اتنا بڑھا دیا ہے اور عام طور پر اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے۔ اور اگر نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہو تو ایک نیکی کا اجر سات سو گنا ملتا ہے۔ "وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ" ۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے مال کو چاہتا ہے۔ زیادہ کرتا ہے۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِـالْمُتَّقِیْنَ O ، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیز گاروں کو۔ آگے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے باطل قیاس کا رد فرمایا ہے وہ کہتے تھے کہ اول تو قیامت کوئی شئی ہے ہی نہیں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو ہمیں وہاں بھی بہت کچھ ملے گا۔ وہ دنیا پر آخرت کو قیاس کرتے تھے۔ تو چونکہ دنیا میں رب تعالیٰ نے ہمیں کافی مال اور اولاد عطاء فرمائی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہم پر راضی ہے لہٰذا اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہمیں بہت کچھ ملے گا وہ مال و دولت کی کثرت کو اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل سمجھتے تھے۔ یہ ان کا باطل اور غلط قیاس تھا کیونکہ دنیا کا سلسلہ اور ہے اور آخرت کا سلسلہ اور ہے۔ دنیا میں تو فرعون اور قارون جیسے شخص کو بہت کچھ ملا ہے اور سرورِ کائنات کی یہ حالت تھی کہ دو دو مہینے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اور ساری زندگی میں گھر کے اندر ایک دفعہ چراغ کا جلنا ثابت ہے۔ سحری کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں ہی نماز پڑھتے تھے۔ چھوٹا سا آپ کا کمرہ تھا جس میں صرف چار قبروں کی جگہ ہے۔ ظاہری طور پر کوئی حفاظت نہیں تھی کوئی پہریدار نہیں تھا۔ صرف رب تعالیٰ کی حفاظت تھی۔ تو ان کا یہ

17

قیاس کرنا کہ جس کو دنیا مل گئی اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے اور جس کو نہیں ملی اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ یہ قیاس غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ، ہرگز نہیں کفایت کریں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کچھ بھی۔ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ، اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ O ، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ کبھی بھی دوزخ سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا۔ دوزخ سے صرف اہلِ ایمان اور اہلِ توحید ہی نکلیں گے جو عملی کمزوریوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور دوزخ کا اوپر والا طبقہ انہیں لوگوں کے لئے ہے ایک وقت آئے گا کہ یہ طبقہ سارے کا سارا خالی ہو جائے گا۔ کیونکہ جو مسلمان سب سے بڑا گنہگار ہوگا وہ بھی نکل آئے گا۔ جہنم کے باقی جو چھ طبقات ہوں گے ان میں بدستور ہمیشہ جہنمی رہیں گے۔ اور ان کو اتنی سخت سزا ہوگی کہ جہنم کے انچارج فرشتوں سے کہیں گے کہ۔ "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ" (پارہ ۲۷)۔ اپنے پروردگار سے گزارش کرو کہ ایک دن کے لئے ہم سے عذاب ہلکا کردے کہ ہم سکھ کا سانس لے سکیں۔ "قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ"۔ (انچارج فرشتے جواب دیں گے)۔ کہیں گے کیا تمہارے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام نہیں پہنچے وہ کہیں گے سب کچھ پہنچا۔ مگر "غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا" (پارہ ۱۸)۔ ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی یہ کہیں گے پھر اب بھگتو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگلی آیتِ کریمہ میں کافروں کے ایک مشہور اعتراض کا جواب دیا گیا۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ اگر تم نیکی کرو تو تمہیں اس کا ثواب دس گنا سات سو گنا ملے۔ اور ہم اگر نیکی کریں تو ہمارے لئے کوئی ثواب نہ

ہو یہ کیسی تقسیم ہوئی۔اور یادرکھنا کافر اس وقت بھی بڑے بڑے صدقے اور خیرات کرتے تھے اوراب بھی کرتے ہیں بلکہ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو کافر حکومتیں رفاہِ عامہ کے کام بہ نسبت مسلمان حکومتوں کے زیادہ کرتی ہیں۔اور وہ لوگ جو کام کرتے ہیں پوری دیانت داری کے ساتھ کرتے ہیں۔اور ہم مسلمان ہونے کے باوجود پرلے درجے کے بددیانت ہیں۔الاّ ماشاء اللہ ہزار میں سے کوئی ایک دیانت دار نکل آئے تو بڑی بات ہے۔دھوکہ فراڈ اور بددیانتی کا نام ہم نے ہنراور چالاکی رکھ لیا ہے۔اور بڑے سے لے کر چھوٹے تک سب اس میں مبتلاء ہیں سڑکوں کے ٹھیکیداروں کو ہی دیکھ لو ریت سڑک پر لگ جاتی ہے اور باقی میٹریل ان کی کوٹھیوں پر لگ جاتا۔سڑک چھ ماہ میں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور کافروں کی بنی ہوئی سڑکیں سالہا سال تک چلتی ہیں۔کافر پیکنگ کرتے ہیں اوپر جو کچھ لکھا ہوتا ہے اندر بھی وہی کچھ ہوتا ہے۔اور مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اوپر کچھ لکھا ہوا ہے اور اندر کچھ ہوتا ہے بری قوموں کی ساری علامتیں اور نشانیاں اور ان کے کام ہم نے اپنا لئے ہیں اور ہمارے اچھے کام سارے انہوں نے لے لئے ہیں۔تو کافر اس وقت بھی صدقہ خیرات کرتے تھے۔اوراب بھی کرتے ہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں سو غلام آزاد کئے تھے۔اور سو اونٹ غریبوں میں تقسیم کئے تھے۔کہ تم ان کے ذریعے اپنا کام چلاؤ۔اسی طرح اور لوگوں نے بھی بڑے بڑے صدقے کئے تھے۔تو وہ کہتے تھے کہ تم نیکی کرو تو بدلا ملے اور ہم نیکی کریں تو بدلا نہ ملے یہ کیسی تقسیم ہے یہ تھا کافروں کا اعتراض اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب مثال کے ذریعے دیا ہے۔اس کو اچھی طرح سمجھنا وہ اس طرح کہ جو لوگ دسمبر جنوری کے مہینہ میں سبزیاں کاشت کرتے ہیں ان سبزیوں کو سرد ہواؤں سے بچانے کے لئے

اوپر چھپر لگاتے ہیں تاکہ سبزیاں مر نہ جائیں۔ تو جس طرح سبزیوں کو سرد ہواؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے چھپر کی ضرورت ہے اسی طرح نیکیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ایمان اخلاص اور اتباع سنت کی ضرورت ہے۔ یہ نیکیوں کے لئے چھپر ہے۔ کافر نیکیاں تو کرتے ہیں مگر ان کو محفوظ رکھنے کے لئے چھپر نہیں بناتے۔ اس واسطے ان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ بعض علاقوں میں گرم ہواؤں کی وجہ سے بھی سبزیاں سڑ جاتی ہیں۔ وہ بھی حفاظت کے لئے چھپر بناتے ہیں۔ اس "صِرٌّ" ۔ کے معنی گرمی کے کریں گے کیونکہ صر کے دو معنے مستعمل ہیں سردی کے بھی اور گرمی کے بھی۔ البتہ ہمارے علاقوں میں عموماً سردی میں چھپر بناتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ، مثال اس چیز کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں۔ كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ ، اس ہوا کی مثال ہے جس میں سخت ٹھنڈک ہو۔ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ، وہ پہنچی ایسی قوم کی کھیتی کو۔ ظَلَمُوٓا اَنفُسَهُمْ ، جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ کہ تحفظ کے لئے اس کے اوپر چھپر نہیں بنایا۔ فَاَهْلَكَتْهُ ، پس اس تیز اور سرد ہوا نے اس کھیتی کو تباہ اور برباد کر دیا۔ اسی طرح اگر ایمان اخلاص اور اتباع سنت کا چھپر نہیں بناؤ گے تو کفر اور شرک کی آندھی سے تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ ، اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے۔ وَلٰكِنْ اَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ ، اور لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔ کہ انہوں نے اپنی نیکیوں کو محفوظ کرنے کے لئے ایمان اخلاص اور اتباع سنت کا چھپر نہیں بنایا۔ اس وجہ سے کافروں اور مشرکوں کی نیکیاں تباہ اور برباد ہو جاتی ہیں اور آخرت میں ان کو کوئی بدلا نہیں ملے گا۔ اور ایمان والوں کی نیکیاں ایمان اخلاص اور اتباع سنت کی وجہ سے محفوظ ہو جاتی ہیں لہٰذا ان کو بدلا ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڦ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً، نہ بناؤ تم رازدان۔ مِّنْ دُوْنِكُمْ، اپنے سوا دوسروں کو۔ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا، وہ نہیں کمی کرتے تمہارے واسطے فساد کی۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ، وہ پسند کرتے ہیں اس کو کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ، تحقیق ظاہر ہو گیا بغض۔ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ، ان کے مونہوں سے۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ، اور جو مخفی رکھتے ہیں ان کے سینے۔ اَكْبَرُ، وہ بہت بڑی چیز ہے۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ، تحقیق ہم نے بیان کی ہیں تمہارے واسطے آیتیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○، اگر تم سمجھتے ہو۔ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ،

خبردار تم یہ ہو۔ تُحِبُّوْنَهُمْ، ان کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ، اور وہ تمہارے ساتھ محبت نہیں کرتے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ، اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر۔ وَاِذَا لَقُوْكُمْ، اور جس وقت وہ ملتے ہیں تمہیں۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا، کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے۔ وَاِذَا خَلَوْا، اور جس وقت وہ الگ ہوتے ہیں۔ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ، کاٹتے ہیں وہ تم پر انگلیوں کے سرے۔ مِنَ الْغَيْظِ، غصے کی وجہ سے۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ، کہہ دیجئے! مرجاؤ تم اپنے غصے میں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O، دلوں کے رازوں کو۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ، اگر پہنچتی ہے تمہیں راحت۔ تَسُؤْهُمْ، انہیں بری لگتی ہے۔ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ، اور اگر پہنچتی ہے تمہیں تکلیف۔ يَّفْرَحُوْا بِهَا، تو اس پر خوش ہوتے ہیں۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا، اور اگر تم صبر کرو۔ وَتَتَّقُوْا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا، نہیں نقصان پہنچائے گی تمہیں ان کی تدبیر کچھ بھی۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے، جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں۔ مُحِيْطٌ O، احاطہ کرنے والا ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اس چیز کا بیان تھا کہ عقیدے کی خرابی کی وجہ سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ تمہارا دوستانہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ دوستی میں نرمی ہوتی ہے اور مومن ویسے ہی نرم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ رحم دل ہیں آپس میں۔ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ بڑی شفقت کرتے ہیں۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ لوگ اس کے قریب ہوں اس سے نفرت نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مومن اخلاق کے لحاظ سے بول چال کے لحاظ سے برتاؤ کے اعتبار سے ایسا ہو کہ لوگ اس کے قریب آئیں۔ برے معاملہ والا ا

بداخلاق نہ ہو کہ لوگ اس سے دور بھاگیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو زبان اور معاملہ کا برا ہوگا۔ اس کے قریب کون آئے گا؟ اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ "اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ"۔ مومن بھولا بھالا اور سادہ ہوتا ہے۔ "وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيْمٌ"۔ اور منافق دھوکہ باز اور کمینہ ہوتا ہے۔ وہ گفتگو اور برتاؤ میں اپنا کمینہ پن نہیں چھوڑتا۔ تو مومن چونکہ نرم دل اور سادہ ہوتا ہے تو بعض مومن اپنی سادگی کی بنا پر کچھ باتیں یہودیوں اور منافقوں کو بتا دیتے تھے۔ جس سے قومی نقصان ہوتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تنبیہ فرمائی۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ، نہ بناؤ تم راز دان اپنے سوا دوسروں کو۔ کسی کافر کے ساتھ ایسا دوستانہ کہ راز کی باتیں اسے بتائی جائیں ممنوع ہے۔ کیونکہ دشمن، دشمن ہے اگر اس کو تمہاری راز کی باتیں معلوم ہوگئیں تو تمہیں بحیثیت مسلمان کے نقصان ہوگا۔ لہٰذا کسی کافر کو اپنی خاص باتوں کا راز دان نہ بناؤ۔ ہاں ان کے ساتھ ظاہرداری رکھو۔ کہ اچھے طریقہ سے پیش آؤ۔ ویسے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستی اور دشمنی کے بارے میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں روایت آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا" کسی کے ساتھ دوستی کرو تو اعتدال کے ساتھ۔ اتنے گھل مل نہ جاؤ کہ ساری راز کی باتیں بتا دو بلکہ اعتدال کی حد میں رہو۔ "عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَّا"۔ ہوسکتا ہے کسی وقت تیرا دشمن ہو جائے۔ تو تمہاری ساری پوٹلیاں کھول دے، اور تمہیں زک پہنچائے۔ مشہور مقولہ ہے۔ "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے"۔ اور فرمایا۔ "وَاَبْغِضْ بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَّا"۔ اور جس کے ساتھ تیری عداوت ہے وہ بھی اعتدال کے ساتھ ہو۔ "عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا"۔ ہوسکتا ہے وہ تیرا دشمن کسی وقت تیرا دوست بن

جائے۔ تو اس وقت دشمنی کے دور میں جو سخت باتیں کی ہوں گی ان پر تجھے پشیمانی ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے عین فطرت کے مطابق ہے۔ کہ دوستی بھی اعتدال کے ساتھ اور دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ۔ لیکن کافروں کے ساتھ دوستی اور ان کو راز دان بنانا ممنوع ہے۔ کیونکہ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا، وہ نہیں کمی کرتے تمہارے واسطے فساد کی۔ وہ ہر وقت فساد کے درپے ہیں۔ ان کو راز کی بات بتا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے ہو۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ، وہ پسند کرتے ہیں اس کو کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ مصیبت میں مبتلاء ہو جاؤ۔ یعنی وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ کسی طرح تمہارے اوپر مصیبت آئے۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ، تحقیق ظاہر ہو گیا ہے بغض ان کے مونہوں سے۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ، اور جو مخفی رکھتے ہیں ان کے سینے وہ بہت بڑی چیز ہے۔ یعنی تمہارے خلاف جو نفرت اور کینہ ہے۔ وہ تو بہت زیادہ ہے تو کافر، کافر ہے۔ اس کی دوستی سے کبھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ کہ بھارت نے تمہیں کھیل کے لئے بلا لیا۔ اور تم کھیل میں جیت گئے۔ تو بھنگڑے ڈالنا شروع کر دیئے۔ ٹھیک ہے کھیل میں تم کامیاب ہو گئے ہو۔ جیت لیا تو کیا ہو گیا؟ انہوں نے تمہارے کروڑوں روپے کے بنکر تباہ کر دیئے اور مجاہد شہید کر دیئے۔ اس پر تمہیں رونا چاہیے۔ کس چیز کے لڈو بانٹتے ہو؟ کھیل جیت کر تم نے ہندوستان فتح کر لیا ہے؟ دشمن، دشمن ہے اس کو دشمن ہی سمجھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک وقت آئے گا تمہاری ہندوستان کے ساتھ سخت لڑائی ہوگی۔ کہ طرفین سے کوئی قسمت والا ہی بچے گا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ وقت تو قریب ہی آ گیا ہے۔ معلوم نہیں کب جنگ چھڑ جائے؟۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ، تحقیق ہم نے بیان کی ہیں تمہارے واسطے آیتیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝، اگر تم عقل اور سمجھ رکھتے ہو تو

ان آیتوں پر عمل کرو۔ اور کافر پر کسی وقت بھی اعتماد نہ کرو۔ کافر بڑا مکار اور چالباز ہوتا ہے۔
جنگِ بدر کے موقع پر ایک کافر جاسوسی کے لئے آیا۔ بڑی میٹھی اور نرم زبان رکھتا تھا۔ مسلمانوں
کے ساتھ بڑی نرم نرم باتیں کیں۔ کہنے لگا میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ دیکھو اس میں کوئی غلطی تو نہیں
ہے؟۔ اور قرآن پاک کی کچھ سورتیں بھی اس کو یاد تھیں۔ وہ بھی اس نے سنائیں۔ اور
مسلمانوں کو اعتماد میں لینے کی پوری کوشش کی۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ یہ تو
ہمارا پختہ مسلمان بھائی ہے۔ کہ اس نے بعض وہ مسائل بیان کئے ہیں کہ جن کا ہمیں بھی علم نہیں
ہے۔ اور بڑے مسائل بیان کر رہا ہے۔ اور جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے زیرک اور ذہین
تھے ان کو شک پڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو برابر سمجھ عطاء نہیں فرمائی ہر دور میں ذہین بھی
ہوتے ہیں اور غبی بھی۔ تو انہوں نے پکڑا اور چھتر ول کی۔ تو مان گیا کہ میں جاسوس ہوں صحابۂ
کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی کوشش کی کہ معلوم ہو جائے کہ کافروں کی کتنی تعداد ہے؟ مگر وہ بڑا
پختہ آدمی تھا۔ جب پٹائی ہوتی تو کہتا، بتا تا ہوں۔ اور جب چھوڑ دیتے تو کہتا معلوم نہیں ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سختی نہ کرو۔ اس کو میرے پاس لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس لایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی نرمی سے دریافت فرمایا کہ تیرا نام کیا
ہے اور تو کس قبیلے سے تعلق رکھتا۔ تیرا باپ کیا کام کرتا ہے؟ یہ دریافت کرنے کے بعد آپ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ سے تم کتنے آدمی آئے ہو؟۔ تو کہنے لگا کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا یہ بتاؤ کہ کھانے کے لئے تم روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو؟
کہنے لگا دس اونٹ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ہزار آدمی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ
کیونکہ ایک اونٹ سو آدمیوں کو کفایت کرتا ہے۔ اور واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ صحیح

تھا۔ تو اس انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حالات معلوم فرمائے۔ جتنے بھی باطل لوگ ہیں وہ اپنے مشن میں سخت ہیں۔ الحمدللہ! جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطاء فرمائی ہے۔ اور وہ پختہ مسلمان ہیں۔ ان بے چاروں کے جسم سے گوشت نوچا جاتا ہے۔ ان کی رگیں کاٹی جاتی ہیں۔ لیکن ایمان نہیں چھوڑتے۔ اپنے مشن سے نہیں ہٹتے۔ اس وقت کشمیر میں جو قیدی ہیں۔ ان کے حالات معلوم کرو کہ ان پر کتنا ظلم ہو رہا ہے۔ اور کیا کیا سختیاں کی جا رہی ہیں۔ اور عورتوں پر کتنا ظلم ہو رہا ہے۔ اور ہماری بے غیرت حکومت مظلوموں کی نصرت کی بجائے کافروں سے صلح کی اپیلیں کرتی ہے۔ اور ہمارے حکمران کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرنی۔ ہمارے ساتھ صلح کرو۔ حالانکہ کافروں کو صلح کی دعوت دینا ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ" (پارہ ۲۶)۔ پس تم ہمت نہ ہارو، اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ ہاں اگر وہ خود صلح کی پیشکش کریں تو سوچ اور غور وفکر کرو۔ اگر فائدہ ہے تو کرلو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا" (پارہ ۱۰)۔ اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ "وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ قانون تو یہ ہے مگر تم خود جا کر کہتے ہو کہ صلح کرلو جنگ نہ کرو۔ مسلمانوں میں اتنی کمزوری۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان ہوں تو تب ہے نا! ۔ اور جب مسلمان تھے ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اُكْتُبُوْا لِيْ مَنْ يَلْفِظُ بِالْاِسْلَامِ"۔ مجھے مردم شماری کر کے بتاؤ کہ مسلمان کتنے ہیں؟۔ مردم شماری والے افسر نے آکر بتایا کہ "نَحْنُ مَا بَيْنَ سِتِّ مِائَةٍ اِلٰى سَبْعِ مِائَةٍ"۔ ہم چھ اور سات سو کے درمیان ہیں۔ یعنی چھ سو سے زائد ہیں اور سات سو پورے نہیں ہوتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

سوال کیا حضرت مردم شماری کرائی ہے؟ خیر ہے، کوئی ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے؟۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ بات ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان نہ ہوں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں تو ہم پوری دنیا کے ساتھ ٹکرانے کے لئے تیار ہیں۔ اندازہ لگاؤ ہمت کا کہ ہمیں کفر نہیں مٹا سکتا۔ اور اس وقت پاکستان کی چودہ کروڑ کی آبادی ہے اور کافروں سے ڈرتے ہیں۔ اور صلح کی پیشکش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے جنگ نہیں کرنی۔ کیا اس طرح وہ تمہیں چھوڑ دیں گے؟ اور تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے؟۔ ان کی افرادی قوۃ اور اسلحہ کے مقابلہ میں ہماری کیا حقیقت ہے؟ کہ وہ نوے کروڑ ہیں اور ہم چودہ کروڑ ہیں۔ گویا ہم سے ان کی فوج چھ گنا زیادہ ہے۔ اور یہی نسبت ہے اسلحہ کی۔ ظاہری اسباب کو دیکھو تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اگر بچاؤ کی صورت ہے تو ایمان اور عمل ہے۔ ایمان بڑی قوۃ اور عمل بڑی طاقت ہے۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کاش کہ یہ بات تمہیں سمجھ آجائے۔ اور کافروں سے دوستی ختم کر کے ایمان عمل کو پختہ کرو۔ کہ کافروں سے دوستی جائز نہیں ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ هَٰأَنتُمْ أُولَاءِ خبردار اے مومنو! تم یہ ہو۔ تُحِبُّونَهُمْ ان کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ، اور وہ تمہارے ساتھ محبت نہیں کرتے۔ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ، اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر۔ یعنی تورات، زبور، انجیل اور جتنے بھی صحیفے رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں تم سب پر ایمان لاتے ہو۔ اور وہ آخری حتمی اور قطعی کتاب کو نہیں مانتے۔ اسی طرح تم سارے پیغمبروں کو مانتے ہو اور وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ غیرت برابر ہونی چاہیے۔ وہ اتنے بخیل ہوں کہ تمہارے پیغمبر پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوں۔ اور تم اتنے سخی کہ ان سے محبت کرو۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ وَإِذَا لَقُوكُمْ، اور جس

وقت وہ ملتے ہیں تمہیں۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ، کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے۔ وَاِذَا خَلَوْا ، اور جس وقت وہ الگ ہوتے ہیں۔ یعنی تنہائی میں جاتے ہیں۔ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ ، کاٹتے ہیں وہ تم پر انگلیوں کے سرے۔ مِنَ الْغَيْظِ ، غصے کی وجہ سے۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے! مرجاؤ تم اپنے غصے میں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O ، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔ یہودی منافقوں کا یہ حال ہے کہ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ، اگر پہنچتی ہے تمہیں راحت تو انہیں بری لگتی ہے۔ یعنی مسلمانوں کو فتح ہو جائے غنیمت مل جائے تو یہ بڑے پریشان ہوتے ہیں کہ یہ کیا ہوا؟ ۔ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ ، اور اگر پہنچتی ہے تمہیں تکلیف۔ يَّفْرَحُوْا بِهَا ، تو اس پر وہ خوش ہوتے ہیں۔ احد کے مقام پر ستر/۷۰ صحابہ شہید ہوئے۔ بہت سارے زخمی ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عتبہ ابن ابی وقاص نے پتھر مارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے والے دو دانتوں کے ساتھ والا دانت شہید ہو گیا۔ ابنِ قمیہ کافر نے تلوار ماری خود کٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ اور خون بہنے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈول میں پانی لاتے تھے۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا زخموں کو دھوتی تھیں کہ خون رک جائے مگر خون نہ رکا۔ سادہ زمانہ تھا جب خون نہ رکا تو پرانی چٹائی کا ایک ٹکڑا پڑا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اس کو جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی اس سے مسام بند ہوئے۔ اور خون رک گیا۔ یہ بخاری شریف کی حدیث کا خلاصہ ہے۔ اور ادھر مشہور ہو گیا کہ "اِنَّ مُحَمَّدًا (صلی اللہ علیہ وسلم) قَدْ قُتِلَ" ۔ بے شک صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔ کافروں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بھنگڑے ڈالتے تھے اور مومنوں کی پریشانی کی کوئی حد نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بہادر آدمی ہمت ہار

بیٹھے۔ایک چٹان کے ساتھ کمر لگا کر کھڑے ہو گئے۔حضرت انس ابنِ نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت انس ابنِ مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے۔انہوں نے کہا عمر (رضی اللہ عنہ) کیا بات ہے؟ فرمایا میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔حضرت انس ابنِ نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مرہم پٹی کی ہے؟ فرمایا! اس طرح نہیں ٹوٹی۔وہ اس طرح ٹوٹی ہے کہ تو نے سنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔حضرت انس ابنِ نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''تو کیا تمہارے لئے شہادت کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری ٹانگیں ساتھ نہیں دے رہیں۔یعنی اتنا صدمہ تھا۔مومنوں کو جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔رات کا وقت تھا ابو سفیان ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔بلکہ احد میں مشرکوں کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ابو سفیان نے آواز دی۔''أَفِيكُمْ مُحَمَّدٌ؟''۔کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''لَا تُجِيبُوْا''۔ جواب نہ دو، پھر کہا۔''أَفِيكُمْ اَبُوبَكْرٍ؟''۔ کیا تم میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہے؟۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جواب نہ دو۔پھر کہا''أَفِيكُمْ عُمَرُ؟''۔کیا تم میں عمر (رضی اللہ عنہ) ہے؟۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب نہ دو۔جب اس کو جواب نہ ملا تو اس نے نعرہ لگایا۔''اُعْلُ هُبَلُ، اُعْلُ هُبَلُ''۔زندہ باد! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت اب تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جواب دو۔تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ او اللہ کے دشمن! میں عمر بول رہا ہوں۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ موجود ہیں۔اور یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ زندہ موجود ہیں۔تمہارے بندوبست کرنے کے لئے ہم موجود ہیں۔خوش کس بات پر ہوتے

ہو؟۔تو فرمایا، ان کافروں کی طرف سے تکلیفیں آئیں گی۔وَاِنْ تَصْبِرُوْا، اور اگر تم صبر کرو گے۔وَتَتَّقُوْا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے۔ لَایَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا نہیں نقصان پہنچائے گی تمہیں ان کی تدبیر کچھ بھی۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ○، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے، جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں احاطہ کرنے والا ہے۔اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔بس اے مومنو! تمہارا تقویٰ اور پرہیزگاری درکار ہے اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

ربع ۱۱

وَاِذْ غَدَوْتَ ،اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نکلے صبح کے وقت۔ مِنْ اَهْلِكَ ،اپنے گھر سے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ ،آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بتا رہے تھے ٹھکانے ایمان والوں کو۔ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ،لڑائی کی جگہوں کے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ،اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ ،جب ارادہ کیا تم میں سے دو گروہوں نے۔ اَنْ

تَفۡشَلَا ، یہ کہ وہ بزدلی دکھائیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ، اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا آقا ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ ، اور اللہ تعالیٰ پر ہی۔ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ☆ ، پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے۔ وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ ، اور البتہ تحقیق مدد کی اللہ تعالیٰ نے تمہاری۔ بِبَدۡرٍ ، بدر میں۔ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ، اور حالانکہ تم کمزور تھے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ O ، تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ، جب کہا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایمان والوں کو۔ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ ، کیا کافی نہیں ہے تمہیں۔ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ ، یہ کہ امداد کرے تمہارا رب۔ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ ، تین ہزار فرشتوں سے۔ مُنۡزَلِيۡنَ ، اتارے ہوئے۔ بَلٰٓى ، کیوں نہیں۔ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا ، اگر تم صبر کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے۔ وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا ، اور دشمن آجائیں تمہارے پاس فوری طور پر۔ يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ ، تمہاری مدد کرے گا تمہارا رب۔ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ ، پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ۔ مُسَوِّمِيۡنَ ، جو نشان لگانے والے ہوں گے۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ ، اور نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول کو۔ اِلَّا بُشۡرٰى لَكُمۡ ، مگر تمہارے لئے خوشخبری۔ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ، اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اس کے ذریعے۔ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ، اور نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ، جو غالب ہے، حکمت والا ہے۔ لِيَقۡطَعَ طَرَفًا ، تاکہ کاٹ دے وہ ایک حصہ۔ مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ، ان لوگوں میں سے جو کافر ہیں۔ اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ ، یا ان کو ذلیل کر دے۔ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ، پس وہ لوٹیں نامراد ہو کر۔

پہلی آیتِ کریمہ میں ذکر تھا۔ "وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡئًا" ۔ اور اگر تم صبر سے کام لو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو کافروں کی

طاقت ان کا مکر اور تدبیر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے دو موقعے بیان فرمائے ہیں۔ کہ ایک موقعہ پر یعنی بدر میں تمہارے اندر تقویٰ علیٰ وَجہِ الْاَتَمّ موجود تھا۔ باوجود بے سروسامانی کے اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطاء فرمائی اور دوسرا موقعہ غزوۂ احد کا تھا کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر بعض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوئی۔ تو اس کا نتیجہ سب کو بھگتنا پڑا۔ ان آیات میں زیادہ ذکر احد کا ہے درمیان میں بدر کا بھی ذکر ہے۔ احد پہاڑ کا نام ہے۔ جو اس وقت مدینہ طیبہ سے تقریباً دو تین میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اب وہ مدینہ منورہ کی حدود میں ہے۔ جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم احد پہاڑ سے محبت کرتے ہیں۔ چونکہ یہ غزوۂ احد (ہجرت کے تیسرے سال گیارہ شوال ہفتے والے دن) پہاڑ کے دامن میں پیش آیا تھا۔ اس واسطے اس کو غزوۂ احد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی اور مقابلے میں تین ہزار کافر تھے۔ احد پہاڑ کے پاس ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ اس کو جبل رُمَات کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمیوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ ابنِ جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں مقرر فرمایا۔ کہ تم نے جبلِ رُمَات پر ٹھہرنا ہے۔ اور پہرہ دینا ہے۔ نگرانی کرنی ہے۔ فتح ہو یا شکست تم نے مورچہ نہیں چھوڑنا جب تک میرا حکم نہ آجائے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطاء فرمائی اور کافروں کو ہزیمت ہوئی وہ ہتھیار چھوڑ کر کپڑے چھوڑ کر جوتے اور پگڑیاں چھوڑ کر بھاگے جب میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا تو یہ پچاس آدمی جو جبلِ رُمَات پر تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم بھی جا کر مالِ غنیمت اکٹھا کریں۔ امیر لشکر نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے مورچہ نہیں چھوڑنا۔ دوسرے جذباتی

کہنے لگے ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سر آنکھوں پر۔ مگر مقصد یہ تھا کہ یہاں ہماری ضرورت پڑے گی اور اب یہاں ہماری ضرورت کیا ہے؟ امیرِ لشکر کے منع کرنے کے باوجود وہ مورچہ چھوڑ کر چلے گئے۔ امیرِ لشکر اور تقریباً دس ساتھی مورچہ پر قائم رہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور جنگی امور کے بڑے ماہر تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اہم مورچہ خالی ہو گیا ہے۔ تو دوسو آدمی لے کر عقب سے حملہ آور ہوئے۔ جو حضرات مورچے پر تھے وہ اکثر وہاں شہید ہو گئے۔ چند ایک بچے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ میں پیچھے سے آ گیا ہوں۔ تم آگے سے پلٹو۔ کافروں کی ہمت بڑھ گئی۔ وہ آگے سے پلٹ آئے۔ افراتفری مچ گئی گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ دھول اڑ رہی تھی۔ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون کس کو مار رہا ہے؟۔ حتیٰ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی تلوار سے شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا۔ چہرۂ اقدس زخمی ہوا۔ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ اور یاد رکھنا سید الشہداء کا لقب صرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ لقب اور کسی کو نہیں ملا۔ امتیوں میں علی الاطلاق یہ لقب صرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ پیغمبروں کا مسئلہ الگ ہے۔ کیونکہ پیغمبر بھی شہید ہوئے ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ "وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ"۔ اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ تو جو پیغمبر شہید ہوئے ہیں ان کا درجہ سب سے بلند ہے۔ پیغمبروں کے بعد سید الشہداء کا خطاب صرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ہاں لغوی طور پر کوئی کسی کو کہے، تو کہے۔ مگر اصطلاحی طور پر سید الشہداء

صرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ تو ان آیات میں غزوۂ احد کا ذکر ہے۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تھے۔ وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ، اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نکلے صبح کے وقت اپنے گھر سے۔ تو اہل کا مصداق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ اور وہاں سے احد کے لئے تشریف لے گئے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بتارہے تھے ٹھکانے ایمان والوں کو۔ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ، لڑائی کی جگہوں کے۔ "مَقَاعِدَ" جمع ہے "مَقْعَدٌ" کی۔ ٹھکانے لڑائی کے۔ جس طرح فوج کا کمانڈر فوجیوں کو لڑائی کے مورچے بتاتا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مورچے بتارہے تھے۔ کہ تو نے یہاں ڈیوٹی دینی ہے تو نے یہاں کھڑا ہونا ہے۔ اور فلاں نے اس جگہ کھڑا ہونا ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ☆، اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ غزوۂ احد کے لئے جب مسلمان مدینہ طیبہ سے چلے تھے تو ایک ہزار کی تعداد تھی۔ ان میں تین سو منافق تھے۔ جب احد کے مقام پر پہنچے تو ابھی کافر نہیں آئے تھے۔ "خوئے بد را بہانہ بسیار"۔ مَن حرامی ہو تو بڑے بہانے کرتا ہے۔ منافق کہنے لگے کس کے ساتھ لڑنا ہے۔ یہاں آدمی تو ہے کوئی نہیں چلو واپس۔ حالانکہ ان کو علم تھا کہ دشمن آرہا ہے۔ چنانچہ یہ بہانہ بنا کر تین سو منافق واپس چلے گئے۔ جب یہ واپس جارہے تھے ان کو دیکھ کر دو مخلص گروہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ جو مسجد قبلتین کے پاس رہتے تھے انہوں نے بھی جانے کا ارادہ کیا کہ یہ لوگ جارہے ہیں ہم بھی جائیں۔ لیکن چونکہ مخلص

مومن تھے ۔ ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جانے نہیں دیا۔ سوچنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس جارہے ہیں کیا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس جارہے ہیں ۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس جارہے ہیں ۔ اگر وہ واپس نہیں جارہے تو ہم نے بھی نہیں جانا ۔ اس کا ذکر ہے فرمایا، اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ، جب ارادہ کیا تم میں سے دو گروہوں نے ۔ اَنْ تَفْشَلَا، یہ کہ وہ بزدلی دکھائیں ۔ اور میدان چھوڑ دیں ۔ وَاللہُ وَلِیُّھُمَا، اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا آقا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایمان و اخلاص کی برکت سے ان دونوں کو مضبوط کر دیا ۔ وَعَلَی اللہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ، اور اللہ تعالیٰ پر ہی پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے ۔ اس سے اگلی آیتیں غزوۂ بدر کے متعلق ہیں ۔ ایک آدمی کا نام تھا بدر ابن قیس ابن صباح اس نے ایک کنواں کھودا تھا ۔ اس کنویں کا نام بدر پڑ گیا پھر اس کنویں کی وجہ سے سارے علاقے کا نام بدر ہو گیا ۔ بدر مدینہ طیبہ سے اسی/۸۰ میل دور ہے ۔ یہ معرکہ ہجرت کے دوسرے سال سترہ/۱۷ رمضان المبارک جمعہ کے دن پیش آیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سو بارہ/۳۱۲ آدمی تھے تیرہویں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے ۔ اور اس تین سو تیرہ/۳۱۳ کے لشکر کے پاس ہتھیار یہ تھے ۔ آٹھ تلواریں ، چھ زرہیں ، دو گھوڑے ، ستر/۷۰ اونٹ اور ان میں اکثریت ان کی تھی جن کے پاؤں میں جوتا نہیں تھا ۔ وہ علاقہ سخت اور پتھریلا تھا ۔ سڑکیں تو اب بنی ہیں ۔ اس وقت سڑکیں کہاں تھیں ۔ اس سخت اور پتھریلے علاقہ میں ننگے پاؤں چلتے تھے اور سواریوں کی یہ حالت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تینوں بزرگوں کے حصے میں ایک اونٹنی آئی ۔ باری باری سوار ہو کر پہنچے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی یہ دونوں ساتھی کہتے حضرت ہم چلتے ہیں آپ

سوار رہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی طاقت عطاء فرمائی ہے میں بھی پیدل چلوں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے پاؤں پر دھول ڈالوں۔ لہٰذا اپنی باری پر چلوں گا۔ اور اپنی باری پر سوار ہوں گا اور ایسے ساتھی بھی جن کے سر پر پگڑی نہیں تھی۔ ایسے بھی تھے جن کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ جب بدر کے مقام پر پہنچے تو پانی کے کنویں پر کافروں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور صاف میدان پر مشرکوں نے پڑاؤ ڈال لیا تھا۔ اور جس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔ وہاں ریت تھی اور پانی بھی نہیں تھا۔ نویں پارہ سورۃ الانفال میں آتا ہے کہ شیطان نے بعض ساتھیوں کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تم اچھے حق پر ہو کہ تمہیں پانی بھی نہیں ملا۔ اور جہاں کھڑے ہو وہاں ریت ہی ریت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی۔ ریت پتھر کی طرح سخت ہو گئی اور اپنی ضرورت کے لئے پانی بھی جمع کر لیا۔ اور جانوروں کو بھی پلایا مقابلے میں ایک ہزار کافر تھے۔ اور ہر طرح کے اسلحہ سے مسلح تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی ریت اور کنکریوں کی بھری اور "شاھت الوجوہ"۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے چہروں کو تباہ و برباد کرے۔ پڑھ کر کافروں کی طرف پھینکی قرآن پاک میں آتا ہے۔ "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"۔ (پارہ 9) مٹھی خاک کہ جب پھینکی آپ نے نہیں پھینکی۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی وہ کافر جہاں جہاں کھڑے تھے وہ ریت ان کی آنکھوں میں پڑ گئی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور معجزہ اور کرامت کے متعلق تفصیل کے ساتھ میں نے اپنی کتاب ''راہِ ہدایت'' کے اندر بیان کیا ہے۔ اس کو پڑھ لینا یہاں صرف اس آیتِ کریمہ کے متعلق سمجھ لیں کہ اگرچہ ظاہری طور پر یہ مٹھی خاک اور کنکریوں کی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکی تھی مگر کسی بشر کا یہ فعل

عادتاً نہیں ہوسکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں دور نزدیک آگے اور پیچھے ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائے اور یہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مگر یہ فعل صرف اللہ تعالیٰ کا تھا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں ملنے لگے ادھر سے مسلمانوں نے دھاوا بول دیا۔ ستر کافر مارے گئے ستر گرفتار ہوئے۔ اور باقیوں کو بھاگنے کے لئے راستہ نہ ملا۔ اس غزوہ میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ آٹھ انصار میں سے اور چھ مہاجرین میں سے۔ اور ان کی قبریں آج بھی بدر کے مقام پر ایک چاردیواری کے اندر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ، اور البتہ تحقیق مدد کی اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں۔ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ، اور حالانکہ تم کمزور تھے۔ "اَذِلَّةٌ"۔ ذلیل کی جمع ہے۔ اور ذلیل کے معنیٰ ہیں کمزور۔ یعنی تعداد کے لحاظ سے اسلحہ اور ساز وسامان کے اعتبار سے تم بڑے کمزور تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری نصرت فرمائی۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O، تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ، جب کہا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایمان والوں کو۔ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ، کیا کافی نہیں ہے تمہیں۔ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ، یہ کہ امداد کرے تمہارا رب۔ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ، تین ہزار فرشتوں سے۔ مُنْزَلِيْنَO، اتارے ہوئے۔ سورۃ الانفال میں ایک ہزار فرشتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیونکہ کافر ایک ہزار تھے لیکن چونکہ کافر مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے مزید وعدہ فرمایا کہ تین ہزار فرشتے اتاروں گا جو کافروں سے تین گنا زیادہ ہوں گے۔ پھر عین جنگ کے دوران یہ خبر بھی آئی کہ کُرز بن جابر فہری کافر جس کا بہت سارے قبیلوں پر اثر ورسوخ تھا کافروں کی مدد کے

۔لئے آرہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ آئے گا تو میں پانچ ہزار فرشتوں کو نازل کروں گا۔
مگر یہ مشروط تھا۔وہ نہیں آیا لہٰذا پانچ ہزار فرشتے بھی نازل نہیں ہوئے۔تین ہزار فرشتے نازل
فرمائے اب سوال یہ ہے کہ فرشتوں نے لڑائی کی ہے یا نہیں؟۔تو اس میں اختلاف ہے۔مگر صحیح
بات یہ ہے کہ فرشتے لڑائی میں شریک ہوئے ہیں۔حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ
عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے موقع پر دو آدمیوں کو دیکھا کہ سفید کپڑے اور سفید پگڑیاں
باندھے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھ میں چابک ہیں۔اور وہ چابک اس طرح کافروں کو
مارتے ہیں کہ وہ اسی وقت نیچے گر کر مر جاتا ہے۔میں نے کہا کہ یہ آدمی ہمارے ساتھ تو نہیں
آئے۔تو ان میں سے ایک نے کہا۔"اَقْدِمْ حَیْزُوْم"۔اے حیزوم! تو آگے بڑھ۔حضرت
عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم سے کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔اور
حضرت جبرائیل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار تھے اس کا نام تھا "حَیْزُوْم" اور حیزوم میں ح
حلوے والی ہے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام حیزوم کو فرمارہے تھے کہ آگے بڑھ۔فرشتوں کو
اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت عطاء فرمائی ہے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ
السلام کی بستیوں کو ایک پر پر اٹھا کر پھینک دیا تھا۔اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔"ذِیْ
قُوَّۃٍ"۔قوۃ والے بھی ہیں۔اور حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں کتنے علاقہ میں تھیں۔اس طرح
سمجھو جتنا ضلع گوجرانوالہ کا رقبہ ہے۔(جب کہ حافظ آباد بھی اس میں شریک تھا)۔تو اللہ تعالیٰ
نے فرشتوں میں بڑی طاقت اور قوت رکھی ہے۔فرمایا اے مسلمانو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے
رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ضرور مدد کرے گا۔علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اے مسلمان! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اس کے احکام کی پابندی کر فرشتے تیری نصرت کے لئے تیار ہیں۔ اگر کمی ہے تو تیرے اندر ہے۔ رب تعالیٰ کی رحمتوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔ فرمایا! بَلٰی، کیوں نہیں۔ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا، اگر تم صبر کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے۔ وَیَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا، اور دشمن آ جائیں تمہارے پاس فوری طور پر۔ یعنی کرز ابنِ جابر فہری کا لشکر اگر فوری طور پر آئے گا تو۔ یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ، تمہاری مدد کرے گا تمہارا رب۔ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیۡنَ، پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگے ہوں گے۔ جس طرح فوجیوں کو بیج لگے ہوتے ہیں۔ کسی کا ایک کسی کے دو کسی کے تین عہدوں کے اعتبار سے اسی طرح فرشتے بھی چونکہ فوج کی شکل میں آئیں گے لہٰذا انہوں نے بھی نشان لگائے ہوئے ہوں گے۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ، اور نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول کو۔ اِلَّا بُشۡرٰی لَکُمۡ، مگر تمہارے لئے خوشخبری۔ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِهٖ، اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اس کے ذریعے۔ کہ ہمارے ساتھ فرشتے بھی ہیں۔ اور یاد رکھنا فرشتے کیا ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ O، اور نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غالب ہے، حکمت والا ہے۔ لِیَقۡطَعَ طَرَفًا، تاکہ کاٹ دے وہ ایک حصہ۔ مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا، ان لوگوں میں سے جو کافر ہیں۔ ستر ایسے کافر جو کفر کی جڑ تھے بدر کے موقع پر مارے گئے۔ اَوۡ یَکۡبِتَهُمۡ، یا ان کو ذلیل کر دے۔ ستر ان میں سے گرفتار ہوئے۔ اور باقیوں کو بھاگتے ہوئے راستہ نہ ملا۔ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِیۡنَ، پس وہ لوٹیں نامراد ہو کر۔ پھر یہ جو بھاگنے

والے تھے جب گھروں میں پہنچے تو شرم کے مارے کئی کئی مہینے گھروں سے باہر نہ نکلے عورتیں طعنے دیتی تھیں کہ تمہارا باپ مر گیا ہے، بھائی مر گیا ہے، تو بھی مر جاتا بھاگتا نہ۔ چونکہ بدر کے موقع پر تقویٰ اور پرہیزگاری اعلیٰ درجے کی تھی اللہ تعالیٰ نے بے سروسامانی کی حالت میں مدد فرمائی۔ آگے کئی رکوعوں تک احد کا واقعہ جائے گا۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾ؑ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ۚ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ۚ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ۙ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ

(ع ۱۳، ۹، ۴)

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ، نہیں ہے تیرے لئے اس معاملے میں کچھ بھی۔ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ ، یا تو اللہ تعالیٰ اُن پر رجوع فرمائے یا ان کو سزا دے۔ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ، پس بے شک وہ فی الحال ظالم ہیں۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ ، اور اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے۔ وَمَا فِی الْاَرْضِ ، اور جو کچھ زمین میں ہے۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ، بخشے گا جس کو چاہے گا۔ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ، اور سزا دیگا جس کو چاہے گا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ لَا تَاْكُلُوا

الرِّبٰوٓا ، نہ کھاؤ سود۔ اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ، دگنا چگنا کر کے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ، اور ڈرو اللہ سے۔ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ O وَاتَّقُوا النَّارَ ، اور بچو تم آگ سے۔ الَّتِيۡٓ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ O وہ آگ جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے۔ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ ، اطاعت کرو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ، تاکہ تم پر رحمت نازل کی جائے۔ وَسَارِعُوۡٓا ، اور جلدی کرو۔ اِلٰى مَغۡفِرَةٍ ، مغفرت حاصل کرنے کی طرف۔ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ، اپنے رب کی طرف سے۔ وَجَنَّةٍ ، اور جنت کی طرف جلدی کرو۔ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ، جس کا عرض آسمانوں اور زمین جیسا ہے۔ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ، تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ الَّذِيۡنَ ، وہ ہیں (پرہیزگار)۔ يُنۡفِقُوۡنَ ، جو خرچ کرتے ہیں۔ فِى السَّرَّآءِ ، راحت میں۔ وَالضَّرَّآءِ ، اور تکلیف میں۔ وَالۡكٰظِمِيۡنَ ، اور پی جاتے ہیں۔ الۡغَيۡظَ ، غصہ۔ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ، اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ . اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔

پہلے غزوۂ احد کا ذکر تھا۔ پھر غزوۂ بدر کا ذکر ہوا اب پھر غزوۂ احد کا ذکر ہے۔ غزوۂ احد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا۔ اور چہرۂ اقدس زخمی ہوا تو بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کافروں یعنی حارث ابن ہشام سہیل ابن عمرو اور صفوان ابن امیہ کا نام لے کر بددعا فرمائی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ (اور ۸ھ فتح مکہ والے سال یہ تینوں مسلمان ہوئے)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بددعاء سے منع فرما دیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ نہیں ہے تیرے لئے اس معاملے میں کچھ بھی۔ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ

يُعَذِّبَهُمْ ، یا تو اللہ تعالیٰ اُن پر رجوع فرمائے یا ان کو سزا دے۔ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ، پس بے شک وہ فی الحال ظالم ہیں۔ حارث ابنِ ہشام ابوجہل کا بھائی تھا صفوان ابنِ امیہ مکہ مکرمہ کے سرداروں میں سے تھا اور سہیل بن عمرو صلح حدیبیہ کے موقع پر کافروں کی نمائندگی کرتا تھا۔ جب کہ یہ تینوں کافر اور مشرک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ لیکن بعد میں تینوں حضرات رضی اللہ عنہم ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہی بن گئے۔ وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ ، اور اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے۔ وَمَافِي الْاَرْضِ ، اور جو کچھ زمین میں ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ، بخشے گا جس کو چاہے گا۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ چاہے تو ابوجہل کو بخش دے اور اگر چاہے تو ابولہب جس کے بارے میں ''سُوْرَةَ تَبَّتْ يَدَا'' نازل ہوئی ہے کو بخش دے۔ بخش سکتا ہے۔ مگر وہ بخشے گا نہیں کیونکہ وہ فرما چکا ہے کہ میں مشرکوں کو نہیں بخشوں گا۔ لیکن اس کو بخشنے کی قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سارے اہلِ حق مانتے ہیں اور باطل فرقے جیسے معتزلہ رافضی اور خارجی ہیں اہلِ بدعت ہیں ، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے منکر ہیں۔ کہتے ہیں رب تعالیٰ بخش ہی نہیں سکتا۔ یعنی اس کو بخشنے کی قدرت بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو انہوں نے محدود کر دیا۔ اور اہلِ حق کہتے ہیں کہ بخشنا اور ہے اور بخش سکنا اور ہے۔ بخش سکتا ہے لیکن بخشے گا نہیں۔ ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باطل فرقوں کی خوب سرکوبی کی ہے۔ یہ بہت بڑے بزرگ تھے۔ یقین جانو اگر ایسے بزرگ دنیا میں نہ آتے تو ہر طرف کفر ہی کفر ہوتا۔ ہندوستان کے اکبر بادشاہ نے دینِ اکبری بنایا تھا۔ اس کے خلاف جدوجہد اور اس کے بیٹے جہانگیر کی ذہن سازی کرنا انہیں بزرگوں کا کام تھا۔ جہانگیر کا ایسا

ذہن تیار کیا کہ بیٹے نے باپ کے باطل مذہب کو فنا کر کے رکھ دیا۔ اکبر ہمایوں کا بیٹا تھا۔ جس نے ہندوستان میں رافضیت پھیلائی تھی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں رافضیت نہیں تھی۔ وہ اس طرح ہوا کہ ہمایوں سے جب بادشاہی چھنی گئی تو یہ ایران چلا گیا۔ ایرانیوں نے اس کی خوب ذہن سازی کی اور اس کو خوب رافضی بنا کر ہندوستان بھیجا۔ تو ہندوستان میں رافضیت ہمایوں کی وجہ سے آئی ہے تو یہ رافضی اور دوسرے باطل فرقے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود کرتے ہیں۔ اور اہلِ حق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ، اور سزا دیگا جس کو چاہے گا۔ اور بخشے گا اسی کو جو اہلِ ایمان اور اہلِ توحید میں سے ہوگا۔ اور جو اس کے ساتھ شرک کرے گا اس کو سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ" ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ "وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (پارہ ۵)۔ اور بخش دے گا اس کے سوا جس کو چاہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے۔ "اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ" ۔ بے شک جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا پس تحقیق اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام فرمادی ہے۔ "وَمَاْوٰہُ النَّارُ"، (پارہ ۶)۔ اور ٹھکانہ اس کا دوزخ ہے۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اوپر ذکر تھا "اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا" ۔ کہ اے مسلمانو! اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو کافروں کی تدبیر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور تقوے میں سب سے اہم چیز "اَکْلِ حلال" ہے۔ اور کئی مرتبہ سن چکے ہو کہ اگر آدمی ایک لقمہ حرام کا کھائے تو چالیس دن اور چالیس راتیں اس کی دعاء قبول نہیں

ہوتی ۔ یعنی دعاء کی قبولیت سے محروم ہو جاتا ہے ۔ اور ابوداؤد شریف کی روایت کا حوالہ بھی کئی دفعہ سن چکے ہو کہ اگر کسی شخص کے جسم پر کرتا ہے جس کی مالیت دس درہم ہے اور اس میں نو درہم حلال کے ہیں اور ایک درہم حرام کا ہے تو جب تک اس کے جسم پر یہ کپڑا رہے گا اس وقت تک اس کی نماز نہیں ہوگی ۔ اور ہماری تو ماشاء اللہ ساری خوراک ہی ایسی ہے ۔ (یہ حضرت نے ''گفتہ آید در حدیثِ دیگراں'' کے تحت فرمایا ہے ورنہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مشکوک چیز کے قریب کبھی نہیں گئے...... بلوچ) ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا ، نہ کھاؤ سود ۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ، دگنا چگنا کر کے ۔ اور تیسرے پارے میں آپ پڑھ چکے ہیں ۔ ''اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا'' ۔ اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے ۔ کتنے صاف الفاظ ہیں ۔ ''حَرَّمَ الرِّبٰوا'' لیکن ہمارے ذمہ دار پاپی افسر کہتے ہیں کہ سود حرام نہیں ہے ۔ بلکہ اب کسی سفیر نے کہا ہے کہ شراب حرام نہیں ہے ۔ کیونکہ قرآن پاک میں اس کی حرمت کا ذکر نہیں ہے ۔ ملک کے جب ایسے سفیر باہر ہوں گے تو ان کا کیا اثر ہوگا ۔ کہ جو کہیں کہ شراب بھی حرام نہیں ہے ۔ سود بھی حرام نہیں ہے ۔ ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ خنزیر کو حرام سمجھیں گے؟ ۔ اور آج ہمارے بہت سارے افسر شراب میں لت پت ہیں ۔ ''اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ'' ۔ اور وہ افسر جن میں خدا خوفی تھی اور ان چیزوں سے بچتے تھے انکو جیلوں میں ڈال دیا گیا ہے ۔ جیسے جنرل ظہیر الاسلام عباسی ، مستنصر باللہ ، کرنل عنائت اللہ ، اور زاہد منہاس یہ لوگ نماز روزے کے پابند تھے ۔ شراب کو نزدیک نہیں آنے دیتے تھے ۔ بلکہ جو افسر شراب پیتا تھا اس سے بگڑ جاتے تھے ۔ اس حکومت کا حال ایسے ہی ہے جیسے شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ۔ شیخ سعدی رحمہ

اللہ بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی کتابیں آج تک پڑھی پڑھائی جاتی ہیں یہ کہیں جا رہے تھے سردی کا زمانہ تھا اور ہاتھ میں لاٹھی بھی نہیں تھی۔ ان کے پیچھے کتے پڑ گئے۔ اور پتھر سردی کی وجہ سے جمے ہوئے تھے۔ جس پر ہاتھ ڈالیں وہ ہاتھ نہ آئے۔ کہنے لگے عجیب لوگ ہیں پتھر باندھ دیئے ہیں اور کتے کھول دیئے ہیں۔ یہاں بھی وہی قصہ ہے۔ کہ نیک لوگوں کو باندھ دیا ہے اور خبیثوں کو کھلا چھوڑا ہوا ہے۔ تو نص قطعی سے ثابت ہے کہ سود حرام ہے لہٰذا اس کو حلال سمجھنے والا قطعی کافر ہے۔ اور اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ سود نہ کھاؤ۔ اور سود کا تو ایک پیسہ بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ اس کو "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً"۔ بڑھا چڑھا کر کھاؤ۔ اصل رقم کتنی ہوتی ہے۔ اور سود کی رقم بڑھ کر کہاں چلی جاتی ہے۔ پھر بنئے کیا کرتے ہیں کہ سود کی رقم کو اصل رقم میں ملا کر جمع کرتے ہیں۔ اور اس کا سود بناتے ہیں ہم اس وقت تقریباً بارہ ارب ڈالر کے مقروض ہیں۔ جس کا تقریباً مالانہ سود جاتا ہے۔ اور ہم بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ٹھگ کمپنی نے ہمارے لئے قرضہ منظور کر لیا ہے۔ اور قرضے کے ساتھ جو سود دینا ہے اس کا ہم نام ہی نہیں لیتے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اور ڈرو اللہ سے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ وَاتَّقُوا النَّارَ، اور بچو تم آگ سے۔ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○ وہ (آگ) جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ، اطاعت کرو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○، تاکہ تم پر رحمت نازل کی جائے۔ وَسَارِعُوْٓا، اور جلدی کرو۔ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ، مغفرت حاصل کرنے کی اپنے رب کی طرف سے۔ یعنی جس وقت بھی کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے یہ نہ کہے کہ کل توبہ کرلوں گا یا فلاں دن توبہ کرلوں گا۔ یا فلاں وقت توبہ کرلوں

گا یاد رکھنا گناہ کی وجہ سے دل پر سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اور گناہ کرے گا اور دھبہ پڑ جائے گا۔ تو یہ دل دھبوں سے ڈھک جائے گا۔ اور توبہ کی توفیق سلب ہو جائے گی دل سے خدا خوفی اٹھ جائے گی جس طرح نکمی خوراک کا جسم پر اثر ہوتا ہے اسی طرح گناہ کا روح پر اثر ہوتا ہے۔ اور انسان نکما اور بیکار ہو جاتا ہے۔ وَجَنَّةٍ ،اور جنت کی طرف جلدی کرو۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ،جس کا عرض آسمانوں اور زمین جیسا ہے۔ یعنی وہ اتنی وسیع ہے کہ اس کا عرض یعنی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ کہ زمین اور آسمانوں کو ملاؤ تو کتنا طول بنتا ہے۔ جنت کا اتنا عرض ہے۔ آج ہم اس جہان میں جنت کی وسعت کو نہیں سمجھ سکتے۔ آنکھیں بند ہونے کے بعد معلوم ہوگا کہ جنت کیا چیز ہے؟ اور جہنم کیا چیز ہے؟۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ،تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ ،وہ ہیں (پرہیزگار) جو راحت اور آرام میں بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ وَالضَّرَّآءِ ،اور جب تکلیف میں ہوتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ ،اور پی جاتے ہیں غصے کو۔ مگر وہاں جہاں غصہ پینے کا موقع ہو۔ ہر جگہ نہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی صفت بیان فرمائی ہے۔ "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" ۔کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ یعنی کافروں کے لئے سخت ہیں اور مومنوں کے لئے بڑے نرم ہیں۔ بشرطیکہ مومن بھی مومن ہو۔ اور اگر مومن غلطی پر ہے اور اپنی غلطی تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے تو اس کے لئے سختی جائز ہے۔ یعنی ایک آدمی اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے کہ یہ میری غلطی ہے تو اس کے لئے نرمی ہے اور دوسرا آدمی سر سے لے کر پاؤں تک غلطی میں ڈوبا ہوا ہے مگر غلطی کو غلطی

ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تو اس کے ساتھ سختی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر مومنوں کی یہ صفت بھی بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو انتقام بھی لیتے ہیں۔ ہر چیز اپنے اپنے مقام پر ہوتی ہے۔ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ، اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو۔ اگر معاف کرنے کا موقع ہو۔ اور اگر کوئی آدمی غلطی کر کے نہیں مانتا تو اس کو معاف کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفتیں بیان فرمائی ہیں یعنی مالی طور پر خرچ کرنے والے ہیں اور عملی طور پر غصہ پینے والے ہیں تو جب ان میں یہ خوبیاں ہوں گی۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ، اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ"۔ بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ رتی بھر نیکی ہوگی تو اس کا اجر ضرور دے گا تو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے کہ جنت حاصل کرو مغفرت کی طرف قدم بڑھاؤ۔ اور گناہوں سے بچو۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَلَمْ
يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا
فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ
لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

وَالَّذِيْنَ ،اور وہ لوگ۔ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ،جب کرتے ہیں کوئی بے حیائی۔ اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ،یا ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر۔ ذَكَرُوا اللّٰهَ ،اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ،پس معافی مانگتے ہیں اپنے گناہوں کے لئے۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ ،اور کون بخشتا ہے گناہوں کو؟۔ اِلَّا اللّٰهُ ،مگر صرف اللہ تعالیٰ۔ وَلَمْ يُصِرُّوْا ،اور نہیں اصرار کرتے۔ عَلٰى مَا فَعَلُوْا ،اس کارروائی پر جو انہوں نے کی۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ O ،اور حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ ،وہ لوگ ہیں۔ جَزَآؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ ،بدلہ ان کا بخشش ہوگا۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ ،ان کے رب کی طرف سے۔ وَجَنّٰتٌ ،اور باغات ہوں گے۔ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ،جاری ہوں گی

ان باغوں کے نیچے نہریں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا، ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ O، اور کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ، بہ تحقیق گزر چکے ہیں تم سے پہلے۔ سُنَنٌ، طریقے۔ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ، پس سیر کرو زمین کی۔ فَانْظُرُوْا، پس دیکھو!۔ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ O، کیسا تھا انجام جھٹلانے والوں کا؟۔ ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ، یہ قرآن کریم بیان ہے لوگوں کے لئے۔ وَھُدًی وَّ مَوْعِظَۃٌ، اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے۔ لِّلْمُتَّقِیْنَ O، پرہیزگاروں کے لئے۔ وَلَا تَھِنُوْا، اور نہ سستی کرو۔ وَلَا تَحْزَنُوْا، اور نہ غمگین ہو۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ، اور تم ہی غالب ہوگے۔ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ O، اگر تم مومن ہو۔

اس سے پہلی آیتِ کریمہ میں متقیوں کے چند اوصاف بیان ہوئے تھے۔ کہ وہ راحت اور آرام کی حالت میں بھی اور دکھ اور تکلیف کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے ہیں۔ جہاں پینا جائز ہو اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اگر وہ اپنی خطا کو تسلیم کرے تو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ آگے بھی انہیں پرہیزگاروں کے اوصاف کا بیان ہے۔ فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً، اور وہ لوگ جب کرتے ہیں کوئی بے حیائی۔ یعنی گناہِ کبیرہ کرتے ہیں۔ اَوْ ظَلَمُوْآ اَنْفُسَھُمْ، یا ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر۔ کہ ان سے کوئی صغیرہ گناہ سرزد ہوتا ہے۔ ذَکَرُوا اللہَ، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ یعنی غافل نہیں ہیں۔ اگر ان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس پر پشیمان ہوتے ہیں۔ اور فوراً رب کے خوف سے اسے یاد کرتے ہیں۔ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ، پس معافی مانگتے ہیں اپنے گناہوں کے لئے۔ کہ اے پروردگار مجھ سے یہ گناہ سرزد ہو گیا ہے تو مجھے معاف فرما دے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللہُ، اور کون بخشتا ہے گناہوں

کو؟ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ "غَافِرُ الذُّنُوْبُ" صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اوران پرہیزگاروں کی خوبی یہ ہے کہ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا ، اورنہیں اصرار کرتے اس کارروائی پر جوانہوں نے کی ہے۔ گناہ پر اصرار کرنا بہت بری بات ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ دین میں بڑا محتاط طبقہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے۔ اوراگر کبیرہ پر اصرار کرے گا تو خطرہ ہے کہ کفر تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ اس واسطے گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ "اِذَا ذَنَبَ الْعَبْدُ ذَنْبًا نُكِتَتْ عَلٰى قَلْبِهٖ سَوْدَآءَ"۔ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ اور گناہ کیا اور دھبہ پڑ گیا اگر وہ توبہ کرے تو وہ داغ دھل جاتا ہے۔ اور دل صاف ہو جاتا ہے۔ اوراگر توبہ نہ کرے معافی نہ مانگے اور دوسرے گناہ کا ارتکاب کرے تو سیاہ دھبہ بڑھ جاتا ہے۔ اوراس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "كَلَّا بَلْ سكه رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (پارہ ۳۰)۔ خبردار! (ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ ان کے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔ تو گناہوں کی وجہ سے دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اوراس پر غلاف چڑھ جاتا ہے اوراس کی علامت یہ ہے کہ آدمی نیکی کے کاموں میں بیزار ہو جاتا ہے۔ اور برے کاموں کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتا ہے۔ اللہ کرے کسی مسلمان کی یہ حالت نہ ہو۔ اگر ہو جائے تو بہت بری حالت ہے۔ توبہ کرے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ اور نیکیوں کی طرف بڑھے۔ کیونکہ بعض گناہ تو ایسے ہیں کہ وہ نیکی کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک قدم مسجد کی طرف اٹھاؤ تو اس کی برکت سے خود بخود ایک صغیرہ گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور دس نیکیاں بھی اس کے نامہ اعمال میں درج

ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب آدمی وضو کرتا ہے تو وضوء کی برکت سے کئی صغیرہ گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ جب ہاتھ دھوتا ہے تو وہ گناہ جو ہاتھ سے کئے ہیں جھڑ جاتے ہیں۔ جب کلی کرتا ہے تو زبان والے جھڑ جاتے ہیں۔ جب منہ دھوتا ہے تو آنکھوں والے پلکوں سے جھڑ جاتے ہیں۔ مگر بعض گناہ ایسے ہیں کہ نیکیوں کی برکت سے نہیں جھڑتے نہ خالی توبہ کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔ جیسے حقوق العباد ہیں کہ جب تک بندوں کا حق ادا نہیں کیا جائے گا لاکھ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوگا۔ اسی طرح کچھ حقوق اللہ بھی ایسے ہیں کہ محض توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔ مثلاً بالغ ہونے کے بعد کسی مرد یا عورت کے ذمہ نماز یا روزہ ہے چاہے ایک ہی کیوں نہ ہو کروڑ مرتبہ بھی توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوگا۔ جب تک اس کی قضاء نہیں کرے گا۔ اور اسی پر آئمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اور تمام فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ سمیت سو فیصد محدثین اس پر متفق ہیں کہ اگر کسی کے ذمہ ایک نماز بھی ہے تو وہ کروڑ مرتبہ توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کے ذمہ ایک روزہ بھی ہے تو کروڑ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوگا۔ جب تک حساب کر کے قضاء نہ کیا جائے۔ بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ توبہ کرنے کے ساتھ سب کچھ ہضم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں ہوگا۔ نہ زکوٰۃ معاف ہوگی نہ عشر معاف ہوگا نہ نماز نہ روزہ اگر ایسا ہوتا تو محدثینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ "بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِت" قائم نہ کرتے۔ اور اس میں چن چن کر احادیث نہ بیان فرماتے اور فقہاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ "بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِت" قائم کر کے ان کو پڑھنے کا طریقہ نہ بیان فرماتے۔ اگر توبہ سے معاف ہوتی تھیں تو آسان نسخہ تھا۔ گزشتہ را صلوٰت آئندہ را احتیاط۔

اور نہ بندوں کے حقوق معاف ہوتے ہیں اگر ایک سوئی بھی کسی کی تمہارے پاس ہے تو جب تک دے نہیں دو گے معافی نہیں ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک بڑا پارسا اور نیک آدمی تھا۔ فوت ہو گیا وفات کے بعد کسی کو خواب میں ملا اس نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟۔ بزرگ نے کہا کہ مجھے سزا تو نہیں ہوئی مگر جنت کا دروازہ بند ہے۔ فرشتے اندر نہیں جانے دیتے۔ کہتے ہیں کہ "اَسْتَعَرْتَ اِبْرَۃً مِّنَ الْجَارِ فَلَمْ تَرُدَّھَا"۔ تو پڑوسی سے سوئی مانگ کر لایا تھا واپس نہیں کی۔ جب تک وہ سوئی واپس نہیں کرے گا جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور آج تو ہم نے لوگوں کے کارخانے ہضم کر لئے ہیں اور کوئی پرواہ نہیں ہے۔ سوئی تو کیا لوگوں کی مشینیں کھا گئے ہیں اور انجام کا احساس نہیں ہے۔ یہ بات آدمی کو اس وقت سمجھ آتی ہے جب خدا خوفی ہو۔ اور آخرت سامنے ہو۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی دوسرا واقعہ پیش فرماتے ہیں کہ ایک نیک آدمی کی کسی نے دعوت کی۔ دعوت کھا کے واپس جا رہے تھے راستہ میں کسی نے فصل کاشت کی ہوئی تھی گندم تھی یا باجرہ تھا۔ اس کا تنکا توڑ کر انہوں نے دانتوں کا خلال کیا۔ وفات کے بعد ان کی کسی دوست سے خواب میں ملاقات ہوئی۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہوا ہے؟۔ تو کہنے لگے مجھے کہتے ہیں کہ تو نے فلاں کی فصل کا تنکا توڑ کر دانتوں کا خلال کیا تھا۔ جب تک اس کا حق ادا نہیں کرے گا۔ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تمہارا جنت میں داخلہ ممنوع ہے۔ تو ایسے حقوق اللہ جن کی قضاء ہے۔ وہ توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔ تو یہ بے شک حق ہے مگر جب تک حقوق ادا نہیں کئے جائیں گے زبانی توبہ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اسی طرح حقوق العباد ہیں کہ جب تک بندوں کو حقوق ادا نہ کر دیے جائیں یا وہ اپنی رضاء سے معاف نہ کر دیں

محض زبان سے توبہ کرنے سے معافی نہیں ملتی۔ بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں کہ میدانِ محشر میں کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا حساب کتاب کے لئے ان کے پاس نیکیوں کے پہاڑ ہوں گے وہ بڑے خوش ہوں گے کہ خیر ہے بڑی نیکیاں ہیں مگر ان کے ذمہ حقوق اللہ بھی ہوں گے اور حقوق العباد بھی ہوں گے۔ کچھ نیکیاں تو حقوق اللہ کی مد میں جمع کی جائیں گی۔ پھر بندوں کے حقوق کی باری آئے گی بندوں کے حقوق کے بدلے نیکیاں دی جائیں گی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور حق لینے والے ابھی باقی ہوں گے تو ان کے گناہ اٹھا کر ان کے سروں پر رکھ دیئے جائیں گے۔ اور حکم ہوگا ان کو جہنم میں پھینک دو؟ تو پہاڑوں کے پہاڑ نیکیوں کے اڑ جائیں گے۔ اور دوسروں کے گناہ سر پر آ پڑیں گے۔ اس واسطے بات اچھی طرح سمجھ لو اور حقوق اللہ بھی ادا کرو اور حقوق العباد بھی۔ اور بیٹھ کر سوچو اور غور وفکر کرو۔ کہ جس دن سے بالغ ہوئے ہو۔ بالغ ہونے کے بعد کتنی نمازیں رہ گئی ہیں۔ اور کتنے روزے رہ گئے ہیں۔ ایک دن لگیں گے دو دن لگیں گے، ہفتہ لگے گا آج محنت کر کے باقاعدہ ان کی فہرست تیار کرو کہ اتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں اور اتنے روزے میرے ذمہ ہیں۔ پھر ان کی قضاء کرو فرض نماز کی قضاء ہے اور وتر واجب ہیں ان کی بھی قضاء ہے۔ سنتوں کی قضاء نہیں ہے۔ اور ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں وہ بھی بڑا ضروری ہے۔ کہ جس طرح وقتی نمازوں میں تعیین اور ترتیب ضروری ہے کہ یہ فجر کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ یہ ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ اور ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ پہلے فجر ہے پھر ظہر ہے ہفتے کی فجر پہلے ہے اتوار کی فجر بعد میں ہے۔ اسی طرح قضاء نمازوں میں بھی تعیین اور ترتیب ضروری ہے۔ کہ میں کون سی نماز پڑھ رہا ہوں فجر کی یا ظہر کی اور یہ تعیین کرنا بھی ضروری ہے کہ پہلی پڑھ رہا ہوں یا دوسری پڑھ

رہا ہوں۔ فرض کرو کہ ایک آدمی کے ذمہ فجر کی ایک ہزار نمازیں ہیں اور وہ نیت اس طرح کرتا ہے کہ میرے ذمہ جو فجر کی نمازیں ہیں ان میں سے ایک پڑھتا ہوں ساری عمر پڑھتا رہے ، بریٔ الذمہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس طرح وقتی نمازوں میں ترتیب ضروری ہے قضاء نمازوں میں بھی ترتیب ضروری ہے۔ تو وہ اس طرح ترتیب قائم کرے گا۔ کہ میرے ذمہ جو فجر کی ہزار نمازیں ہیں ان میں سے پہلی پڑھتا ہوں جب بھی پڑے گا یہی کہے کہ جو باقی میرے ذمہ ہیں ان میں سے پہلی پڑھتا ہوں بس پہلی پہلی کہتا جائے تعیین ہو جائے گی۔ یا آخر سے شروع کرے کہ میرے ذمہ جو فجر کی نمازیں ہیں ان میں سے آخری پڑھتا ہوں۔ ہر دفعہ یہی کہے کہ جو باقی میرے ذمہ ہیں ان میں سے آخری پڑھتا ہوں۔ بس آخری ، آخری کہتا جائے۔ اور پڑھتا جائے۔ اس طرح تعیین کرے گا تو ادا ہوں گی۔ تو نیکیاں ضائع نہ کرو اور گناہوں پر اصرار نہ کرو۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ، اور حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ گناہ پر اصرار کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ اُولٰٓئِكَ ، یہ لوگ جن کی یہ خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ، بدلہ ان کی بخشش ہوگی ان کے رب کی طرف سے۔ وَجَنّٰتٌ ، اور ایسے باغات ہوں گے۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ، جاری ہوں گی ان باغوں کے نیچے نہریں۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ، ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ ، اور کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

یعنی عمل کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ اور فارسی کے شاعر نے بہت اچھی بات کہی ہے۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم ز گندم بروید جو ز جو

اے بندے عمل کے بدلے سے غافل نہ ہو۔گندم بوئے گا تو گندم پیدا ہوگی۔جو بوئے گا تو جو پیدا ہوں گے۔جو بوئے گا سو کاٹے گا۔اور آج ہماری یہ حالت ہے کہ بوتے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کاٹنا سب کچھ ہے۔یعنی نیکی تو کوئی کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔اور سارے بہشت پر قبضے کی تیاریاں ہیں۔چونکہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کافی پریشانی ہوئی تھی۔اور بڑی تکلیف اٹھانی پڑی تھی کہ ستر/۷۰ ساتھی شہید ہوئے۔اور کوئی ہوگا جو زخمی نہ ہوا ہوگا۔خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔چہرۂ اقدس زخمی ہوا۔تو اگلی آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی ہے۔کہ حق و باطل کی ٹکر شروع سے چلی آرہی ہے۔اور پہلے حق والوں نے بھی کافی تکلیفیں اٹھائی ہیں لہٰذا پریشان نہ ہوں۔فرمایا۔قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ، بہ تحقیق گزر چکے ہیں تم سے پہلے طریقے۔یعنی بڑے بڑے حالات گزرے ہیں۔فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ،پس سیر کرو زمین میں۔فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ O ، پس دیکھو! کیسا تھا انجام جھٹلانے والوں کا۔کہ جن لوگوں نے حق کو جھٹلایا اور حق کے مقابلہ میں آئے۔ان کا انجام کیا ہوا؟۔هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ، یہ قرآن کریم بیان ہے لوگوں کے لئے۔اس کتاب سے زیادہ واضح اور قطعی اور کوئی کتاب نہیں ہے۔یہ بڑی عظمت والی کتاب ہے اس کا پڑھنا ثواب ،اس کو سمجھنا ثواب، اس کا بیان کرنا ثواب، اس کو ہاتھ لگانا ثواب ، دیکھنا ثواب، اس کے ورقوں کا پلٹنا ثواب ،ثواب ہی ثواب ہے۔مگر افسوس! کہ ہم نے تو قرآن پاک کو تیجے ساتویں، اور دسویں کے لئے رکھا ہوا ہے۔یا قسمیں اٹھانے کے

لئے۔ یا جانوروں کو وبائی امراض سے بچانے کے لئے قرآن پاک کے نیچے سے گزار دو تو اس کی برکت سے وہ محفوظ ہو جائیں گے۔ بھائی! قرآن جس مقصد کے لئے آیا تھا وہ تو ہم نے حاصل نہیں کیا۔ قرآن پاک تو نازل ہوا تھا تا کہ تم اس کو پڑھو، سمجھو، اور اس پر عمل کرو۔ اور یاد رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے ہر بالغ مسلمان مرد ہو یا عورت قرآن پاک کو پڑھے اور سمجھے، یہ فرض ہے۔ اس میں کوئی شخص معذور نہیں ہوگا۔ البتہ بعض مسائل ایسے ہیں کہ ان کا جاننا ہر مسلمان پر لازم نہیں ہے۔ اگر قصبے میں ایک ایسا جید عالم موجود ہو۔ جو لوگوں کے مسائل حل کر دے تو سارا قصبہ گناہ سے پاک ہوگا اور اگر کوئی ایسا قصبہ ہے کہ وہاں کوئی ایک بھی ایسا عالم نہیں ہے۔ جو بوقتِ ضرورت مسئلہ بیان کرے یا لوگوں کے مسائل حل کرے تو سارا قصبہ گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ بعض مسئلے ایسے ہیں کہ ان کا جاننا فرض کفایہ ہے۔ لیکن وہ مسائل جو ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔ وہ فرض عین ہیں ان کا جاننا ہر آدمی کے ذمہ ہے۔ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک نابالغ لڑکی کا نکاح ہوا۔ جب وہ بالغ ہوئی۔ ''فَاسْتُوْصِفَتْ عَنِ الْاِیْمَانْ'' ؟ تو اس سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ایمان کی تعریف کیا ہے؟۔ ''فَقَالَتْ لَا اَدْرِیْ''۔ پس اس نے کہہ دیا کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ تو ''بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا''۔ اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ بحرالرائق بزازیہ عالمگیری میں یہ جزئی موجود ہے کیونکہ بالغ ہونے کے وقت اس پر لازم تھا کہ وہ جانتی کہ ایمان کی تعریف کیا ہے؟ ایمان کسے کہتے ہیں؟ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اس میں کوئی شخص معذور نہیں ہے۔ اور یہاں تو حالت یہ ہے کہ ہماری دادیاں نانیاں نہیں جانتیں کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟۔ اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟۔ تو قرآن پاک واضح بیان ہے لوگوں کے لئے۔

وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ ،اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے۔لِّلْمُتَّقِيْنَ O ، پرہیز گاروں کے لئے۔اللہ تعالٰی فرماتے ہیں اے مومنو! غزوہ احد میں اگر تمہیں شکست ہوئی ہے۔وَلَا تَهِنُوْا ،اور نہ سستی کرو۔وَلَا تَحْزَنُوْا،اور نہ غمگین ہو۔کیونکہ جہاد میں شہید بھی ہوتے ہیں۔زخمی بھی ہوتے ہیں۔فتح بھی ہوتی ہے شکست بھی ہوتی ہے۔وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ،اور تم ہی غالب ہو گے۔اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O ،اگر تم مومن ہو۔فاتح مصر حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خط لکھا کہ قلعہ مقوقس (غالباً اس قلعہ کا نام بولس تھا)۔کا ہم نے محاصرہ کیا ہوا ہے۔کافی دن ہو گئے ہیں مگر فتح نہیں ہو رہا۔میرے پاس آٹھ ہزار فوج ہے۔مزید فوج بھی بھیجو۔اور طریقہ بھی بتاؤ۔حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خط پڑھا اور رو پڑے۔اور کہنے لگے کہ آٹھ ہزار مسلمان ہیں۔اور کہتے ہیں ہم نے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور فتح نہیں ہو رہا۔خط کا جواب تحریر فرمایا کہ غور کرو تم لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت رہ گئی ہے۔جس کی وجہ سے نصرۃ الٰہی میں تاخیر ہو گئی ہے۔اور حقیقت یہ تھی کہ بعض ساتھیوں سے مسواک والی سنت رہ گئی تھی۔اور آج حالت یہ ہے کہ فرائض غائب ہیں۔واجبات غائب ہیں۔فرمایا! تم آٹھ ہزار ہو اور میں چار ہزار مزید فوج بھیجتا ہوں اب تم بارہ ہزار ہو جاؤ گے۔اور بارہ ہزار مومن قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھا سکتے۔اگر کوئی اور وجہ نہ ہو۔اور وہ مزید چار ہزار فوج صرف چار آدمی بھیجے۔حضرت زبیر بن العوام ،حضرت عبادۃ ابن صامت ،حضرت خارجہ بن حذافہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہم فرمایا یہ چار ہزار فوج ہے۔تو ایمان بڑی قوۃ ہے۔اے مسلمان! جب تو مسلمان تھا۔رب تعالٰی سب کو ایمان اور عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ ہوتا تھا کاش کہ کوئی اس بات کو سمجھے تو اللہ تعالٰی کا فرمان

بالکل سچا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو تمہی غالب آؤ گے۔ رب تعالیٰ سب کو ایمان و عمل کی توفیق عطاء فرمائی.... آمین..........!!!

اِنۡ یَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ۙO وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَمۡحَقَ الۡكٰفِرِیۡنَ O اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَیَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ O وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ ۖ فَقَدۡ رَاَیۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ O وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَیۡهِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیۡـًٔا ؕ وَسَیَجۡزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیۡنَ O

اِنۡ یَّمۡسَسۡكُمۡ، اگر پہنچے ہیں تمہیں۔ قَرۡحٌ، زخم۔ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ، پس تحقیق پہنچے ہیں اس قوم کو بھی۔ قَرۡحٌ، زخم۔ مِّثۡلُهٗ، اس جیسے۔ وَتِلۡكَ الۡاَیَّامُ، اور یہ دن۔ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ، ان کو ہم پھیرتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان۔ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، اور تاکہ ظاہر کردے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ وَیَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ، اور تاکہ بنائے تم میں سے کچھ شہید۔ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ O، اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظالموں کے ساتھ۔ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، اور تاکہ خالص کردے ان لوگوں کو جو ایمان

لائے۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ O، اور تا کہ مٹادے کافروں کو۔ اَمْ حَسِبْتُمْ ، کیا تم خیال کرتے ہو۔ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ، یہ کہ تم داخل ہو جاؤ گے جنت میں۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ ، اور ابھی تک ظاہر نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے۔ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ ، ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے۔ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ O، اور جانتا ہے صبر کرنے والوں کو۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ ، اور البتہ تھے تم۔ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ ، آرزو کرتے موت کی۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ، پہلے اس سے کہ تم موت کے ساتھ ملاقات کرتے۔ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ ، پس تحقیق تم دیکھ چکے اس کو۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ O، اور تم بخوبی دیکھ رہے ہو۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ، اور نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر رسول۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ، تحقیق گزر چکے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسول۔ اَفَائِنْ مَّاتَ ، بھلا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائیں۔ اَوْ قُتِلَ ، یا قتل کر دیئے جائیں۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ، پلٹ جاؤ گے تم اپنی ایڑیوں کے بل۔ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ ، اور جو شخص پھر جائے گا۔ عَلٰى عَقِبَيْهِ ، اپنی ایڑیوں پر۔ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ، پس وہ ہرگز ضرر نہیں دے گا اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا۔ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ O، اور بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو۔

اس سے پہلے آپ غزوۂ احد کا ذکر تفصیل کے ساتھ سن چکے ہیں۔ کہ غزوۂ احد ہجرت کے تیسرے سال گیارہ شوال ہفتے والے دن پیش آیا تھا۔ کہ جس میں مسلمانوںؓ کی تعداد سات سو تھی اور مقابلے میں تین ہزار کافر تھے۔ ابتدائی مرحلے میں مجاہدینِ اسلام کو فتح نصیب ہوئی پھر ایک غلطی کی وجہ سے فتح شکست سے بدل گئی۔ غلطی یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک مورچے پر ٹھہرایا اور فرمایا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے یہیں ٹھہرنا ہے، لیکن وہ وہاں نہ ٹھہر سکے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف

ورزی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے نتیجہ بھی ظاہر فرما دیا کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ کافی ساتھی زخمی ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ آپ کا ناک کاٹا گیا۔ کلیجہ نکالا گیا مسلمان بہت پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کو تسلی دی فرمایا۔ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ، اگر پہنچے ہیں تمہیں زخم۔ تمہارے ستر ساتھی شہید ہوئے ہیں۔ اور بہت سارے زخمی ہوئے ہیں۔ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ، پس تحقیق پہنچے ہیں اس قوم کو بھی زخم اس جیسے۔ کہ جنگِ بدر میں ان کے بھی ستر سرکردہ آدمی مارے گئے جو کفر کے ستون تھے۔ اور ستر قیدی بنے اور ان کو فدیہ دینا پڑا اور بڑی ذلت اٹھانی پڑی۔ یاد رکھو! دن ایک جیسے نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ مشیت اور مصلحت کے مطابق حالات بدلتے رہتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب ہرقل روم نے ابوسفیان سے سوال کیا کہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان معاملات کیسے رہتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ کبھی مڈبھیڑ بھی ہوئی ہے۔ اور اس کا نتیجہ کیا نکلا ہے؟۔ تو ابوسفیان نے جواب دیا۔ "اَلْحَرْبُ سِجَالٌ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ"۔ ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کا معاملہ پانی کے ڈول کے مانند ہوتا ہے۔ کبھی کسی نے ڈول کنویں میں ڈال کر پانی نکال لیا اور کبھی کسی نے یعنی لڑائی کی صورت میں کبھی ہم غالب آجاتے ہیں اور کبھی مسلمان غالب ہوجاتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ انہیں دشمن کے مقابلہ میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست مگر بالآخر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غلبہ عطاء فرماتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! احد کی شکست سے نہ گھبراؤ۔ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ، اور یہ دن ان کو ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان۔

ہمیشہ ایک سی حالت نہیں رہتی۔ کہ ہمیشہ فتح یا ہمیشہ شکست ہو۔ اور تکلیف پہنچنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، اور تا کہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ یہاں علم کا معنی جاننا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما معنی کرتے ہیں۔ تا کہ بتا دے اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کو کہ اہل ایمان تکلیفیں اٹھا کر بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں۔ اور حق کے راستہ کو ترک نہیں کرتے۔ اور جو منافق ہیں وہ قربانی کے وقت چھپتے ہیں اور جھوٹے بہانے بنا کر جان چھڑاتے ہیں۔ سختی کے موقع پر مخلص غیر مخلص کا پتہ چلتا ہے۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ، اور تا کہ بنائے تم میں سے کچھ شہید۔ شہید کا مقام بہت بلند ہے۔ بظاہر تو وہ شہید ہو گیا ہے، مر گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بڑی عزت اور قدر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ شہید کے خون کے قطرے زمین پر گرنے سے پہلے حوریں آجاتی ہیں۔ ان قطروں کو اٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کی روح کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ جسم تو یہیں رہے گا۔ ہاں جس وقت جسم کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ تو روح کا جسم کے ساتھ گہرا تعلق جوڑ دیا جاتا ہے۔ جسم چاہے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو۔ اور سر کہیں ہو اور دھڑ کہیں ہو۔ چاہے اس کو جلا کر راکھ بنا کر ذرہ ذرہ کر کے اڑا دیا جائے پھر بھی روح کا اس کے اجزاء کے ساتھ باقاعدہ تعلق ہوتا ہے۔ یہ اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اور آپ یہی عقیدہ رکھیں اور کسی غلط آدمی کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ تو شہداء کے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں سو سو منزلہ مکان ہوں گے۔ (اتنے بلند ہوں گے کہ آدمی جب ان کو دیکھے گا تو ٹوپی پگڑی گر جائے گی)۔ سوال کیا گیا۔ حضرت وہ مکان

انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ہوں گے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبروں کے مکان تو ان سے بھی بلند ہوں گے۔ وہ تو شہیدوں کے ہوں گے۔ تو شہیدوں کو اللہ تعالیٰ بڑے عہدے اور بڑے درجے عطاء فرمائیں گے۔ ان کے عہدوں اور درجوں کو دیکھ کر چارپائیوں پر مرنے والے افسوس کریں گے اور کہیں گے۔ "لَوْاَنَّ اَبْدَانَنَا قُرِضَتْ بِالْمَقَارِیْضِ" ۔ کاش کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں بڑی بڑی تکلیفیں آتیں۔ اور ہمارے بدن قینچیوں کے ساتھ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ اور ہمیں بھی یہ درجے ملتے۔ تو فرمایا تاکہ تم میں کچھ کو شہید بنائے اور آخرت کی جو اعلیٰ منزلیں ہیں ان کو پہنچیں۔ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ O، اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظالموں کے ساتھ۔ بسا اوقات مہلت دیتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیُمْلِ الظَّالِمِ حَتّٰی اِذَآ اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ" ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے کہ یہ جتنا ظلم کر سکتا ہے کر لے یہاں تک کہ جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، اور تاکہ خالص کر دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ O، اور تاکہ مٹادے کافروں کو۔ اگر تکلیفیں نہ آئیں تو یہ چیزیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مثنوی میں سمجھانے کے لئے بڑی عجیب حکایتیں ذکر فرمائی ہیں۔ لیلیٰ مجنوں کا قصہ تاریخ میں مشہور ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے گزرے ہیں۔ کچھ دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی پایا ہے۔ اس کے متعلق مولانا روم رحمہ اللہ ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک تازہ آدمی لیلیٰ کی سہیلیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا میں مجنوں ہوں اور مجھے بھوک لگی ہے۔ کھانے کے لئے کچھ دو انہوں نے اس کو کھانے کے لئے بہت کچھ دیا۔ گوشت بھی کھیر بھی چوری بھی سب کچھ ہضم کر گیا۔ دوسرے دن پھر کھانا بھیجا۔ کھا گیا۔

تیسرے دن پھر بھیجا کھا گیا۔ لیلیٰ کہنے لگی یہ بناوٹی مجنوں لگتا ہے۔ اصلی کو خوراکوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اور یہ گوشت بھی کھا جاتا ہے، چوری کھا جاتا ہے، کھیر بھی کھا جاتا ہے۔ اور بھی سب کچھ ہضم کر جاتا ہے, اس کا امتحان لو۔ اس کو جا کر کہو کہ لیلیٰ نے یہ پیالہ دے کر بھیجا ہے کہ اس کو خون کی ضرورت ہے۔ اپنے بدن سے خون نکال کر دے کہنے لگا میں تو چوری کھانے والا مجنوں ہوں خون دینے والے مجنوں کو جنگل کے اس کونے میں تلاش کرو۔ معاف رکھنا ہم اکثر چوری کھانے والے مجنوں ہیں۔ کچھ خون دینے والے بھی ہیں۔ مگر بہت تھوڑے ہیں، یہ مجاہدین جو دین کی سربلندی کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں اور حق کی تائید کرتے ہیں یہ خون دینے والے مجنوں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ، کیا تم خیال کرتے ہو یہ کہ تم داخل ہو جاؤ گے جنت میں۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ ، اور ابھی تک ظاہر نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے۔ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ O ، اور ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جو مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنے والے ہیں۔ جنت بہت قیمتی چیز ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت کی ایک چابک کے برابر جگہ دنیا وَمَا فِيْهَا کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور جنت میں جو عورتیں ہوں گی صرف ان کے دوپٹے کی قیمت دنیا وما فِيْهَا کے خزانے پوری نہیں کر سکتے۔ باقی لباس تو درکنار۔ تو اتنی قیمتی چیز مفت میں نہیں مل سکتی۔ اور تم یہ سمجھتے ہو کہ صرف کلمہ پڑھنے سے ہم جنت کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں۔ فرمایا وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ ، اور البتہ تحقیق تھے تم آرزو کرتے موت کی۔ تم کہتے تھے کہ شہادت کا موقع آئے تو ہم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جانیں دیں گے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ، پہلے اس سے کہ تم موت کے ساتھ ملاقات کرتے۔ جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے

ان کے جذبات بڑے تیز تھے۔ وہ دشمن سے دوبارہ ٹکر لینے کے لئے بیتاب رہتے تھے۔ اور خواہش کرتے تھے کہ جہاد کا موقع آئے تو انہیں بھی شہادت جیسا بلند مقام نصیب ہو۔ تو پہلے تم آرزو کرتے تھے کہ آئندہ کوئی موقع آئے گا تو ہم بھی اپنی جرأت کا مظاہرہ کریں گے۔ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ، پس تحقیق تم دیکھ چکے اس کو۔ یعنی موت کو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم بخوبی دیکھ رہے ہو۔ کہ وہ شہید ہو گیا، وہ شہید ہو گیا، وہ شہید ہو گیا۔ تم نے اپنی آنکھوں سے موت کا منظر دیکھ لیا ہے۔ اور اس معرکے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے، چہرۂ اقدس زخمی ہوا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتی جلتی تھی۔ وہ شہید ہو گئے چونکہ افراتفری کا موقع تھا۔ اپنوں نے بھی یہی سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اور دشمنوں کو موقع مل گیا اور خبر مشہور ہو گئی کہ۔ "اِنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ قُتِلَ"۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ کافروں کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ تو مسلمانوں کے سارے غم غلط ہو گئے۔ اس چیز کا اندازہ آپ حضرات اس واقعہ سے لگائیں کہ حضرت عمرو ابن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کی اہلیہ جس کا نام ہند تھا۔ یہ اپنے گھر مدینہ طیبہ میں آٹا گوندھ رہی تھیں۔ کہ کسی نے اطلاع دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں یہ اسی طرح آٹا چھوڑ کر باہر گلی میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ احد کی طرف سے آنے والے ایک آدمی سے پوچھا۔ "مَافُعِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم"؟۔ اس نے کہا کہ تیرا باپ، بھائی، خاوند اور بیٹا شہید ہو گئے ہیں۔ وہ دیوانہ وار کہنے لگی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھ رہی ہوں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟۔ حالانکہ عورت کے لئے تو یہی رشتے سرمایہ ہوتے ہیں۔ مگر اس کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی۔ کہنے لگی یہ بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟۔ آنیوالے نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف زخمی ہیں۔ مگر زخم اتنے خطرناک نہیں ہیں کہ باعثِ تشویش ہوں۔ حضرت ہند کہنے لگیں۔ ''کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ'' ۔ تیرے (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو سب زندہ ہیں مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اس طرح منظوم کیا ہے۔ ؎

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا

اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم؟

اس سے اندازہ کرو کہ عورت نے سارے صدمے سنے۔ جب معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ تو اس نے کہا کوئی بات نہیں سارے قربان ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو سب زندہ ہیں۔ تو آنحضرت کی شہادت کی خبر سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑا صدمہ تھا۔ جس کی وجہ سے بد دلی پیدا ہو گئی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی۔ فرمایا، وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ، اور نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر رسول۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ، تحقیق گزر چکے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسول۔ اَفَائِنْ مَّاتَ ، بھلا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائیں۔ اَوْ قُتِلَ ، یا قتل کر دیئے جائیں۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ ، پلٹ جاؤ گے تم اپنی ایڑیوں کے بل۔ یعنی کیا دین سے پھر جاؤ گے۔ اور کفر اختیار کر لو گے۔ اس میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جنہوں نے ہمت اور جرأت کا ثبوت نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ خود خدا نہیں ہیں۔ ایک نہ ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ ازلی ابدی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ نبی رسول کی زندگی ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے۔ لہٰذا رسول کی موت کے بعد مسلمانوں کا دین سے پلٹ جانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو امانت ان کے سپرد ہے۔ اس کو آگے پہنچائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی پیغمبر آئے پھر بعض تو اپنی طبعی وفات کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور بعض کو شہید کیا گیا۔ جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ "وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ" (پارہ ۴)۔ اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو ناحق۔ "وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ"۔ (پارہ ۶)۔ اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا۔ بہت سارے پیغمبر شہید ہوئے۔ ایک دفعہ ظالموں نے ایک دن میں تنتالیس پیغمبر شہید کیے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ تو پیغمبروں کے قتل کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ تو اس سے زیادہ وزنی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟۔ لہٰذا جاہلوں نے جو یہ مشہور کیا ہوا ہے کہ پیغمبر کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ اور پیغمبر پر چھری نہیں چل سکتی۔ یہ خرافات ہیں۔ ان کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو پیغمبروں کو طبعی موت بھی آتی ہے۔ شہید بھی ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کا مشن ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ مشن زندہ رہتا ہے۔ اور امت کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ ، اور جو شخص پھر جائے گا اپنی ایڑیوں پر۔ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ، پس وہ ہرگز ضرر نہیں دے گا اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا۔ یعنی اس نے اپنا ہی نقصان کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ کیونکہ کلمہ چھوڑے گا

اسلام چھوڑے گا۔ خدا کا کیا نقصان ہوا۔ ساری کائنات بد ہو جائے تو اس کے نظام میں ایک رتی فرق نہیں آئے گا۔ اور سارے نیک ہو جائیں تو رب تعالیٰ کی حکومت میں اضافہ نہیں ہوگا۔ رب وہی ہے۔ جو ہے یہ نیکیاں بدیاں تمہارے واسطے ہیں۔ ان کے انجام کا تعلق تمہارے ساتھ ہے۔ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ O، اور بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا اور مسلمانوں کو کسی حالت میں بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا میں کسی کو دوام نہیں ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ قائم دائم ہے۔ تمہارا کام تھا جب تمہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ ہمت سے آگے بڑھتے۔ کام سنبھالتے اور چلاتے، نہ کہ دل چھوڑ کے بیٹھ جاتے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

رکوع ۵

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ ، اور نہیں اختیار کسی نفس کو۔ اَنْ تَمُوْتَ ، یہ کہ وہ مرے۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ، نوشتہ ہے مقرر کیا ہوا۔ وَمَنْ يُّرِدْ ، اور جو شخص ارادہ کرتا ہے۔ ثَوَابَ الدُّنْيَا ، بدلہ دنیا کا۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ، ہم اس کو دے دیتے ہیں۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ ، اور جو شخص ارادہ کرے گا آخرت کے بدلے کا۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ، ہم اس کو اس میں سے دیں گے۔ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ○ ، اور ہم بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ ، اور کتنے ہی نبی تھے۔ قٰتَلَ مَعَهٗ ، ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ، بہت سارے رب والوں نے۔ فَمَا وَهَنُوْا ، پس نہیں کی انہوں نے سستی۔ لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اس وجہ

سے جو تکلیف پہنچی ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ وَمَا ضَعُفُوْا ، اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا ، اور نہ وہ دشمن کے سامنے دبے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ O ، اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے صبر کرنے والوں سے۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ ، اور نہیں تھی بات ان کی۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا ، مگر یہ کہ کہا انہوں نے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ، اے ہمارے رب ہمیں بخش دے، ہمارے گناہ۔ وَاِسْرَافَنَا ، اور جو ہم نے زیادتیاں کی ہیں۔ فِيْٓ اَمْرِنَا ، اپنے معاملے میں (ان کو بھی معاف فرما دے)۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا ، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ وَانْصُرْنَا ، اور ہماری مدد فرما۔ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ O ، کافر قوم کے مقابلے میں۔ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ، پس دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے۔ ثَوَابَ الدُّنْيَا ، دنیا کا بدلہ۔ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ، اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کے کام کرنے والوں سے۔

اس سے پہلے غزوۂ احد کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ غزوۂ احد میں ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ اور بہت سارے زخمی ہوئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے۔ کوئی کم ہی ایسے بچے رہ گئے ہوں گے کہ جن کو کوئی نہ کوئی گزند نہ پہنچا ہو۔ تو دفعتاً اتنی موتیں ہو جائیں کہ لاشوں سے میدان بھرا ہوا ہو۔ جب کہ موت تو ایک بھی بڑی ہے۔ پھر جو زندہ ہوان کے بدنوں سے خون بہہ رہا ہو تو طبعی طور پر صدمہ تو ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سبق دیا ہے۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ، اور نہیں اختیار کسی نفس کو یہ کہ وہ مرے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ یعنی موت و حیات بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ خدا کو ایسے ہی منظور تھا۔ شاعر نے کہا ہے۔

لائی حیات آئے قضاء لے چلی چلے
نہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی سے چلے

اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ موت نہیں آسکتی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شام کے شہر حمص میں ہے۔ ان کا واقعہ آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں۔ کہ جب یہ بیمار ہوئے تو لوگ تیمار داری کے لئے آتے تھے۔ یہ جب کسی ساتھی کو دیکھتے تو رونا شروع کر دیتے۔ لوگوں نے سمجھا چونکہ موت نزدیک ہے شاید موت کے ڈر سے روتے ہیں۔ تو تسلی دیتے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنی مخلوق آئی ہے باری باری سارے ہی جا رہے ہیں۔ "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ"۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ فرمایا اس لئے نہیں رو رہا کہ میری دنیا والی زندگی ختم ہو رہی ہے۔ اور نہ ہی میں کبھی موت سے ڈرا ہوں۔ سر سے لے کر پاؤں تک میرے بدن کا کوئی عضو ایسا نہیں ہے کہ جس پر کافر کا تیر تلوار اور نیزہ نہ لگا ہو۔ روتا اس لئے ہوں کہ مجھے شہادت کی موت نصیب نہیں ہوئی۔ "اَمُوْتُ كَمَوْتِ الْحِمَارِ"۔ اور گدھے کی طرح مر رہا ہوں۔ یعنی طبعی موت! ۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تلوار تھے کافر اللہ تعالیٰ کی تلوار کو کس طرح توڑ سکتے تھے۔ اگر کافر توڑ دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تلوار تو نہ ہوئی۔ رب تعالیٰ نے اپنی تلوار خود سنبھالے رکھی تو نفس اپنی مرضی سے نہیں مر سکتا۔ اور مرے گا بھی کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا، نوشتہ ہے مقرر کیا ہوا۔ موت اپنے وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ کسی کی موت کا جو وقت تحریر شدہ ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ علاج معالجے سے میری زندگی بڑھ جائے گی یا ہسپتال داخل ہونے سے یا مہنگی دوائی کھانے سے میرے سانس بڑھ جائیں گے۔ حاشا وکلا۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ علاج اس واسطے کرائے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ اے اللہ کے بندو! جب تم بیمار ہوتو علاج کراؤ۔
اور جب سنت سمجھ کر علاج کرائے گا شفایاب ہو یا نہ ہو جو خرچہ کیا ہے اس کا ثواب ملے گا۔
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں علاج کرا رہا ہے۔ باقی اس سے موت نہیں
ٹل سکتی۔ ہاں اتنا ہوسکتا ہے کہ اس کا سانس آسانی کے ساتھ نکلے۔ لیکن سانس بڑھ نہیں سکتا۔
اور ہر شخص کو ثواب اس کی نیت اور ارادے کے مطابق ملتا ہے۔ فرمایا۔ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا
، اور جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلے کا۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ، ہم اس کو دے دیتے ہیں اس میں سے
کچھ۔ یعنی اگر کسی کا ارادہ صرف دنیا کا ہے۔ تو کمائے محنت کرے۔ مشقت کرے دنیا مل
جائے گی۔ مگر ہر خواہش پوری نہیں ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے جتنا چاہے عطاء کردے۔
میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ جو لوہا کوٹتے تھے۔ آج کئی کئی کارخانوں کے مالک ہیں، کوشش کی۔
حلال حرام جو بھی ہے بہر حال ان کو ترقی ملی ہے۔ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ ، اور جو شخص
ارادہ کرے گا آخرت کے بدلے کا۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ، ہم اس کو اس میں سے دیں گے۔ یہ دنیا
"مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ" ہے۔ یہاں جو کچھ کاشت کرے گا وہاں وہی کچھ کاٹے گا۔ دنیا کمانے
والوں کو دنیا مل جائے گی اور آخرت کمانے والوں کو آخرت۔ پھر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم دیکھو
کہ آخرت حاصل کرنے کیلئے بندوں کو وہ کام نہیں بتائے جو ان کے بس میں نہ ہوں اختیار میں
نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی بھی عبادتیں ہیں وہ بندے کے بس میں ہیں۔ مثلاً ایک آدمی
گھر میں ہے تو حکم ہے کہ نماز پوری پڑھے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے آدھی کر دی اور سنتوں کو
مستحب کا درجہ دے دیا۔ بیمار ہے قیام رکوع نہیں کرسکتا فرمایا بیٹھ کر پڑھ لے۔ سفر پر ہے روزہ
نہیں رکھ سکتا اسکو اجازت ہے کہ چھوڑ دے لیکن بعد میں جتنے روزے چھوڑے ہیں ان کی گنتی

پوری کرے قضاء کرے اسی طرح ایک آدمی غریب ہے شریعت نے اسکو اسکا مکلف نہیں بنایا
کہ عقیقہ کرے قربانی دے زکوۃ ادا کرے یا حج کرے اس واسطے کہ اس کے پاس مال نہیں
ہے۔اور اگر مال ہو تو حج فرض ہے۔قربانی واجب ہے عقیقہ مستحب ہے۔وَسَنَجْزِی
الشّٰکِرِیْنَ O اور ہم بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو۔ جو لوگ رب تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا
کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ ضرور ان کو بدلہ دے گا ایک نیکی کرے گا دس گنا بدلہ ملے گا
فی سبیل اللہ کی مد میں کرے گا تو کم از کم سات سو گنا بدلہ ملے گا۔"وَاللہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ
یَّشَآءُ" ۔اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہاد
پہلی امتوں پر بھی فرض تھا۔اور انھوں استقلال کا مظاہرہ کیا۔لہٰذا وہ مسلمانوں کے لئے اچھا
نمونہ ہیں۔وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ ،اور کتنے ہی نبی تھے۔قٰتَلَ مَعَہٗ ،ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔
رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ،بہت سارے رب والوں نے۔مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جہاد کا حکم صرف
آخری امت کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قوم پر جہاد فرض
ہوا تھا یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے تسلیم نہیں کیا تھا"قَالُوْا" کہنے لگے۔"یٰمُوْسٰی اِنَّ فِیْھَا
قَوْمًا جَبَّارِیْنَ" (پارہ ۶)۔اے موسیٰ وہاں بڑے سخت لوگ ہیں ہم ان کے ساتھ نہیں لڑ سکیں
گے۔"اِلٰی اَنْ "فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا" پس تم اور تمہارا رب جاؤ پس لڑو"اِنَّا ھٰھُنَا
قٰعِدُوْنَ" ہم یہیں بیٹھے رہیں گے کتنے غلط انداز میں انہوں نے جواب دیا۔لیکن کیا بات ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کی کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول اگر آپ ہمیں
حکم دیں گے تو ہم اپنی پیشانیاں پہاڑوں کے ساتھ ٹکرا دیں گے۔اور اپنے گھوڑے دریا میں
ڈال دیں گے یقین جانو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں جیسے فدائی اور شیدائی کسی پیغمبر

کو نصیب نہیں ہوئے۔ کیا مرد اور کیا عورتیں۔ تو کتنے پیغمبروں کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے جہاد کیا۔ فَمَا وَهَنُوا ، پس نہیں کی انہوں نے سستی۔ لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اس وجہ سے جو تکلیف پہنچی ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ وَمَا ضَعُفُوْا ، اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا ، اور نہ وہ دشمن کے سامنے دبے۔ ان لوگوں پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں مگر ان کے پاؤں میں لغزش نہ آئی اور ان سے بڑھ کر آپ کے صحابہ پر ہر طرح کی آزمائشیں آئیں مگر ان کو کوئی ایمان سے ہٹا نہ سکا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ ہوئی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں مسیلمہ کذاب کا قبیلہ بنو حنیفہ اور بنو ثقیف اور ہوازن عرب کی جنگجو قومیں تھیں یہ قبیلے لڑائی میں بڑے مشہور تھے مسیلمہ کے خلاف یمامہ کی جنگ چودہ سو مسلمان شہید ہوئے جن میں سات سو حافظ قرآن تھے اور کچھ گرفتار ہوئے انصار کے ایک خوبصورت نوجوان حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ ایک موقعہ پر گرفتار ہوئے ۲۵۔۲۶ سال عمر تھی ان کو ملزم کے طور پر مسیلمہ کذاب کے پاس لایا گیا مسیلمہ کذاب نے سوال کیا کہ تیرا کیا نام ہے؟ کس قبیلے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے؟ پھر پوچھا کہ لڑنے کیلئے کیوں آئے ہو؟ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے کہا اس واسطے کہ تو نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوۃ کا دعویٰ کیا ہے۔ اور آپ کے بعد نبوۃ کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور ہم نے کافر کے ساتھ لڑنا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے کہا کہ میں تو کلمہ پڑھتا ہوں۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ اور یاد رکھنا مسیلمہ کذاب کلمہ بھی پڑھتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوۃ کا منکر تو نہیں ہوں۔ مجھے تو نبوۃ ملی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے

اور طفیل سے۔ جس طرح یہ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ظلی بروزی نبی ہے۔ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم" ۔ مسیلمہ کذاب نے کہا اے نوجوان !، اپنی جوانی پر ترس کھا اور باز آ جا مجھے نبی تسلیم کر ورنہ "اُقَطِّعُکَ اَرْبًا، اَرْبًا" ۔ میں تیرا ایک ایک جوڑ الگ کر دوں گا۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے۔ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اَنْتَ وَذَاکَ" ۔ جو تیرے دل میں آئے کر لے۔ اس نے جلاد کو بلایا اور تیز ٹوکا اس کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ دے، اس نے کاٹ دیا۔ پھر ان سے سوال کیا انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور تو کذاب ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اب کہنی سے کاٹ۔ ایک ایک جوڑ سے کٹوا تا گیا اور سوال کرتا گیا اور وہ وہی جواب دیتے رہے۔ دونوں بازؤں کے بعد پاؤں کو ایک ایک بند سے کاٹا اور انہوں نے وہی جواب دیا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ اور تو کذاب ہے۔ پھر انہوں نے سینے پر برچھا مار کر شہید کر دیا۔ جان دے دی۔ مگر ایمان نہیں چھوڑا۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں سخت امتحان میں نہیں ڈالا۔ اور ہم اس کے قابل بھی نہیں ہیں۔ بالکل نہیں ہیں۔ ان کے ایمان بڑے مضبوط تھے اس واسطے امتحان بھی سخت تھے۔ ہمارے ایمان کمزور ہیں ہم ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ آج ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم عدم جارحیت کی پیشکش کرتے ہیں کہ ہم نہیں لڑیں گے۔ اور یہ قرآن پاک کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ۔ "وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا" ۔ اور اگر وہ صلح کی پیشکش کریں تو آپ ان سے صلح کر لیں۔ یعنی اگر کافر پیشکش کریں نہ لڑنے کی تو تم سوچ سمجھ کر پیشکش کو قبول کر لو۔ آج حالت یہ ہے کہ وہ ہر مورچے پر ہمارے جوان شہید کر رہے ہیں۔

آبادیوں پر بم پھینک رہے ہیں۔ اور ہمارے حکمران امریکہ کو خوش کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم بھارت کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ کرتے ہیں۔ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"۔ وہ تمہاری پیشکش کو سمجھیں گے کہ یہ کمزور ہیں۔ امتحان کا وقت آجائے تو تکلیفوں پر صبر کرو۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ☆، اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے صبر کرنے والوں سے۔ صبر بھی کرو اور اللہ تعالیٰ سے مانگو بھی۔ پہلوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ فرمایا وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ، اور نہیں تھی بات ان کی۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا، مگر یہ کہ کہا انہوں نے اے ہمارے رب ہمیں بخش دے، ہمارے گناہ۔ وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا، اور جو ہم نے زیادتیاں کی ہیں، زندگی میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں۔ اپنے معاملے میں (ان کو بھی معاف فرما دے)۔ اور اے پروردگار! وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ دشمن کے مقابلے میں۔ مسلمان کا جب ایمان مضبوط ہو۔ اور صبر کا دامن نہ چھوڑے اور زبان پر اللہ تعالیٰ سے نصرۃ کی دعاء ہو تو مسلمانوں کی تھوڑی تعداد بھی کافروں پر غالب آتی ہے۔ دوسرے پارے کے آخر میں آپ حضرت طالوت رحمہ اللہ کا واقعہ سن چکے ہیں کہ یہ کل تین سو تیرہ/۳۱۳ تھے۔ بمع حضرت طالوت علیہ السلام کے۔ اور مقابلہ میں کافروں کا جرنیل جالوت ایک لاکھ فوج کے ساتھ تھا۔ کیا نسبت ہے تین سو تیرہ کو ایک لاکھ کے ساتھ۔ لیکن قرآن پاک میں آتا ہے۔ "كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" O کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب آجاتی ہیں۔ بہت ساری جماعتوں پر اللہ کے حکم کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین سو تیرہ کو ایک لاکھ پر فتح عطاء فرمائی۔ قرآن پاک میں ہے۔ "فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ"۔ پس ان مومنوں نے

شکست دی ان کافروں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔تو قلت، کثرت کا سوال نہیں ہے۔اصل بات ایمان کی ہے۔پوری دنیا میں دو جگہوں پر ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی ہوئی ہے۔ایک ہٹلر کے دور میں "غالمِین" کے مقام پر۔اور دوسرے ہمارے ہاں چونڈہ ضلع سیالکوٹ کے مقام پر۔اس محاذ پر بڑا پختہ مسلمان کیپٹن ایس اے زبیری تھا۔اس کے پاس تین ٹینک اور ایک سو نو جوان تھے۔مقابلہ میں ایک ہزار ٹینک اور ہزاروں کی تعداد میں فوجی تھے۔مرد مومن کیپٹن ایس اے زبیری نے اپنے مرکز سے رابطہ قائم کیا۔اور صورتِ حال سے آگاہ کیا۔کہ میرے پاس تین ٹینک اور ایک سو جوان ہیں اور مقابلہ میں ایک ہزار ٹینک اور ہزاروں کی تعداد میں فوجی ہیں۔مجھے کیا حکم ہے؟۔مرکز نے کہا کہ جوانوں کو نہ مرواؤ، واپس آجاؤ۔مجاہد زبیری نے کہا قرآن پاک میں آتا ہے کہ۔"کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ" لہٰذا تم مجھے صرف چوبیس گھنٹوں کی اجازت دے دو۔مرکز نے اجازت دے دی۔ایک سو آدمیوں نے تین ٹینکوں کے ساتھ چھ ہزار کا مقابلہ کیا۔اور ایک ہزار ٹینک کے پرخچے اڑا دیئے۔اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی اور غالب آئے۔تو قلت کثرت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اصل بات ہے ایمان کی یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کی تعداد نوے کروڑ ہے اور ہم پاکستانی چودہ کروڑ ہیں۔مگر وہ ہم سے ڈرتے ہیں۔کاش کہ ہمارے شرابی حکمران خدا سے ڈریں تو بات ہی اور ہو جائے۔اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطاء فرمائے۔اگر ہمارے حکمران صحیح معنی میں مسلمان بن جائیں۔تو ہم ہندوؤں کو اس طرح چیر پھاڑ دیں جس طرح چیتا بھیڑوں کو چیرتا پھاڑتا ہے۔

فرمایا، وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝، اور ہماری مدد فرما کافر قوم کے مقابلے میں۔فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا، پس دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بدلہ۔کہ مالِ غنیمت اتنا دیا کہ اٹھا نہیں سکتے

تھے۔ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ، اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کے کام کرنے والوں سے۔ جو اچھے کام کرے گا اللہ تعالیٰ کا محبوب قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطاء فرمائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اِنْ تُطِيْعُوا ، اگر تم اطاعت کرو گے۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، ان لوگوں کی جو کافر ہیں۔ يَرُدُّوْكُمْ ، تمہیں وہ لوٹا دیں۔ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ، تمہاری ایڑیوں کے بل۔ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ. O پس تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ، بلکہ اللہ ہی تمہارا آقا ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ O ، اور وہ تمام مدد کرنے والوں میں بہتر مدد کرنے والا ہے۔ سَنُلْقِيْ ، عنقریب ہم ڈالیں گے۔ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ، ان لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رعب۔ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ ، اس

وجہ سے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کے ساتھ۔ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ، ان چیزوں کو نہیں نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل۔ وَمَأْوٰهُمُ النَّارُ ، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ O اور برا ٹھکانہ ہے ظالموں کا۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ، اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا اللہ نے تمہارے ساتھ۔ وَعْدَهٗٓ ، اپنا وعدہ۔ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ، جب تم ان کو قتل کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ ، یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کا اظہار کیا۔ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ ، اور تم نے جھگڑا کیا اس معاملے میں۔ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ ، اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے۔ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ، اللہ نے تمہیں دکھائی وہ چیز جس کو تم پسند کرتے تھے۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا ، تم میں سے وہ بھی تھے جو دنیا کا ارادہ کرتے تھے۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ، اور تم میں سے وہ بھی تھے جو آخرت کا ارادہ کرتے تھے۔ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ ، پھر پھیر دیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ ، تا کہ اللہ تمہیں امتحان میں ڈالے۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ، اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ O ، اللہ تعالیٰ فضل والا ہے ایمان والوں پر۔

پہلے سے غزوۂ احد کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس غزوہ میں مشرکین مکہ بڑی تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ کیونکہ غزوہ بدر میں ان کا بڑا نقصان ہوا تھا۔ کہ ان کے ستر سردار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے باقیوں کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا۔ اس کا ان کو بڑا صدمہ تھا۔ کہ ہم تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ہمارے پاس اسلحہ بھی وافر مقدار میں تھا اور ضروریات زندگی بھی ہمارے پاس کافی تھیں۔ مگر تھوڑے سے آدمیوں نے آٹھ تلواروں کے ساتھ ہمارے سر کاٹ دیئے۔ اس وجہ سے ان کے جذبات کافی بھڑکے ہوئے تھے۔ چنانچہ مشرکین مکہ ہجرت کے تیسرے سال تین ہزار کا مسلح

لشکر لے کر چلے اور اس چلنے کو انہوں نے خفیہ رکھا کہ اچانک جا کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔
اور خفیہ طور پر یہودی بھی ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اور یہودیوں کی طاقت بھی کافی تھی۔
جب مدینہ طیبہ کے بالکل قریب آ گئے تو معلوم ہوا کہ دشمن کا بہت بڑا لشکر جنگ کے لئے آ گیا
ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ کہ حضرت دشمن کا بہت بڑا لشکر ڈھول بجاتے
ہوئے بھنگڑا ڈالتے ہوئے اور اچھلتے کودتے ہوئے قریب آ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے حکم دیا کہ فوراً میدانِ جنگ میں پہنچو۔ مسلمان جب چلنے لگے تو منافقوں نے ان کی
ہمتیں پست کرنے کے لئے خاصا پروپیگنڈہ کیا کہ پچھلے سال ان کو شکست ہوئی تھی اور ان کا بڑا
نقصان ہوا تھا۔ انہوں نے خوب بدلہ لینا ہے وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے، لہٰذا نہ جاؤ۔ لیکن
مسلمانوں نے ان کے اس پروپیگنڈے کا کچھ اثر نہ لیا۔ اور چل پڑے۔ بادلِ ناخواستہ
منافقوں کو بھی ساتھ جانا پڑا۔ لیکن خفیہ طور پر منافقوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کر
لیا تھا کہ جنگ میں شریک نہیں ہونا چنانچہ ایک ہزار کا یہ لشکر احد کے دامن میں پہنچ گیا جس میں
تین سو منافقین تھے۔ منافق کہنے لگے کہ ہم نے ہر حال میں واپس جانا ہے۔ کوئی بہانہ بناؤ۔
تاکہ ہمیں لڑنا نہ پڑے۔ اور واپس گھر چلے جائیں۔ اس بہانے کا ذکر بھی آگے آ رہا ہے۔ کہنے
لگے۔ "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنَاكُمْ" ۔ اگر ہم جانتے کوئی لڑائی تو ضرور تمہارا اتباع کرتے
چونکہ مشرک ابھی پہنچے نہیں تھے۔ اس لئے کہنے لگے۔ کہ یہاں تو لڑائی کا کوئی سماں نہیں ہے۔
پتھروں سے لڑنا ہے؟ ہم جا رہے ہیں۔ اور ایک یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ کوئی لڑائی
ہے۔ کہ ایک طرف تھوڑے سے آدمی اور دوسرے طرف اتنا بڑا لشکر یہ تو خالص موت ہے۔
لڑائی تو یہ ہوتی ہے کہ دشمن ایک گنا زیادہ ہو یا دوگنا زیادہ ہو۔ یہ تو خدا کی مخلوق چل کے آئی

ہوئی ہے۔ ان کے ساتھ لڑنا تو موت کے منہ میں جانا ہے۔ یہ بہانہ بنا کر واپس چل پڑے۔ ہر دور میں کچھ لوگ سمجھ دار ہوتے ہیں اور کچھ سادہ ہوتے ہیں۔ شریر قسم کے لوگ ان کی سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ بہانہ بنا کر چلے تو کچھ مخلص لوگ بھی اس کا شکار ہوگئے۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کہ قبیلہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ والے کہنے لگے کہ یہ واپس جار ہے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی واپس جائیں۔ پھر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے ہیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جا رہے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہیں جا رہے۔ چونکہ مخلص لوگ تھے صرف ان کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے تھے۔ ایمان کی برکت سے ان کو اللہ تعالیٰ نے استقامت عطاء فرمائی۔ کہنے لگے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہیں جا رہے تو ہم بھی نہیں جائیں گے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ منافقین کے پروپیگنڈے سے متأثر نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم اطاعت کرو گے ان لوگوں کی جو کافر ہیں۔ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ، تمہیں وہ لوٹا دیں تمہاری ایڑیوں کے بل۔ یعنی جس طرح پہلے تم کافر تھے پھر اسی طرح کافر ہو جاؤ گے۔ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ، پس تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ دین پر قائم رہو اور کافروں کی باتوں پر توجہ نہ دو اور جو منافق ہیں یہ کھلے کافروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی سزا دوزخ میں سب سے زیادہ سخت رکھی ہے۔ فرمایا! "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" ۔ (پارہ ۵)۔ بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے حصے میں ہوں گے اور نیچے والے حصے میں سب سے

زیادہ سخت سزا ہوگی۔اس لئے کہ کھلا دشمن اتنا خطرناک نہیں ہوتا۔ جتنا خفیہ یہ منافق مارِ آستین ہیں کہ بظاہر کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔نمازیں بھی بلکہ مخلص مومن مسجد میں تاخیر سے آتے تھے۔اور یہ پہلی صفوں پر بیٹھے ہوتے تھے۔مگر دلوں میں کھوٹ تھا اور بات اتنی غور سے سنتے تھے کہ آدمی سمجھتا تھا کہ میری بات ان کے دلوں پر اثر کر رہی ہے۔فرمایا ان سے بچو۔بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ، بلکہ اللہ ہی تمہارا آقا اور مددگار ہے۔وہی تمہارا خالق ہے۔بے شک کافر زیادہ ہیں لیکن وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ O ،اور وہ تمام مدد کرنے والوں میں بہتر مدد کرنے والا ہے۔قاعدے کے مطابق اگر رب تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے تو اس کے سامنے کوئی کچھ نہیں ہے۔وہ ایک لمحے میں بہت کچھ کر سکتا ہے۔دیکھو اس وقت صنعتی اعتبار سے جاپان پوری دنیا میں پہلے نمبر پر ہے۔اور آج سے چند سال پہلے وہاں صرف سترہ/۱۷ سیکنڈ زلزلہ آیا تھا۔جاپانی لیڈروں اور سائنس دانوں نے بیان جاری کیا تھا کہ اس سترہ سیکنڈ کے زلزلے سے جو نقصان ہوا ہے وہ ہم پورا زور صرف کر کے بھی کئی سالوں میں پورا نہیں کر سکتے۔حالانکہ جاپان نے صنعت میں یورپ کو بھی مات دے دی ہے اور صنعت ان کے لئے بچوں کا کھیل ہے۔تو ان کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شئی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔وہ رب ہے۔فرمایا، کافروں سے نہ ڈرو۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ،عنقریب ہم ڈالیں گے ان لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رعب۔احد کے موقع پر ایسا ہی ہوا بظاہر کافروں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سارے اکابر مسلمان شہید ہوئے مگر پھر کافر وہاں ٹھہر نہ سکے۔ایک موقع پر ابوسفیان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمان تعداد میں تھوڑے سے تو تھے ان میں سے شہید اور زخمی بھی ہوئے مگر ہم پھر بھی واپس پلٹ رہے ہیں۔ واپس جا کر ان کا کام تمام کر دینا چاہیے۔مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے

دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ انہیں دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس مکے لوٹ گئے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی صحابہ رضی اللہ عنہم نے آٹھ میل تک کفار کا تعاقب کیا اور ان پر رعب اس لئے مسلط کیا۔ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ ، اس وجہ سے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ، ان چیزوں کو کہ نہیں نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند۔ یعنی مشرکین کے پاس شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کسی نے لات کو کسی نے مناۃ کو کسی نے عزیٰ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہوا تھا کوئی کسی کو حاجت روا سمجھتا ہے۔ مگر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ ان میں خدائی اوصاف کس طرح آگئے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ○ اور برا ٹھکانہ ہے ظالموں کا۔ پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے اور صبر کی راہ پر قائم رہو گے تو یقیناً تمہیں فتح اور سربلندی حاصل ہوگی۔ چنانچہ غزوۂ احد میں ابتداءً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطاء فرمائی حالانکہ کافر تعداد میں بھی زیادہ تھے۔ اور اسلحہ بھی ان کے پاس وافر مقدار میں تھا۔ کیونکہ مسلمان ایک ہزار تھے۔ اور ان میں سے بھی تین سو منافق واپس آگئے تھے۔ اور باقی جو سات سو تھے۔ ان کے پاس بھی اسلحہ نامکمل تھا۔ جس طرح بدر میں آٹھ تلواریں تھیں اسی طرح غزوۂ احد میں بھی اکثریت تلواروں سے محروم تھی۔ اور تین ہزار مسلح افراد کے ساتھ مقابلہ تھا۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطاء فرمائی۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق کافر پگڑیاں چادریں اور اپنے ہتھیار چھوڑ کے بھاگے مگر مسلمانوں کی ایک کوتاہی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ احد کے دامن میں

ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے اس کو جبلِ رماۃ کہتے ہیں رُمَاۃ رامی کی جمع ہے۔ تیر اندازوں کی پہاڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ رُمَاۃ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے اس مورچے کو نہیں چھوڑنا۔ میدان جانے اور ہم جانیں تم دیکھو کہ ہمارے جسموں کو پرندے نوچ رہے ہیں، پھر بھی اس مورچے کو نہیں چھوڑنا۔ جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے۔ اور دشمن بھاگ نکلا ہے۔ اور میدان مالِ غنیمت سے بھرا ہوا ہے اور ہمارے ساتھیوں نے اس کو سمیٹنا شروع کر دیا ہے تو ہمیں بھی جا کر غنیمت اکٹھی کرنی چاہیے۔ اور اس میں کوئی ذاتی لالچ نہیں۔ کیونکہ جمع کرنے والا مالک نہیں بن جاتا۔ بلکہ مالِ غنیمت کے متعلق اصول یہ ہے کہ جب مالِ غنیمت جمع ہو جاتا ہے۔ تو امیرِ لشکر اس کے پانچ حصے کرتا ہے۔ پانچواں حصہ خمس کہلاتا (بیت المال کا ہوتا ہے)۔ اور باقی چار حصے امیرِ لشکر مجاہدین میں تقسیم کرتا ہے۔ بس شوقیہ طور پر کہ یہ تلوار میں لاتا ہوں کہ میرا نام ہو یہ بات ذہن میں آئی لیکن تیر اندازوں میں اختلافِ رائے پیدا ہوا ان کے قائد کی رائے یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انہیں یہیں موجود رہنا چاہیے۔ تاہم اکثریت کی رائے تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود رہنے کا حکم تاکیدی تھا۔ اور مطلب یہ تھا کہ ہماری ضرورت پڑے گی۔ اور اب جب فتح حاصل ہوگئی ہے تو اب وہیں ٹھہرنا کچھ ضروری نہیں رہا۔ اب تو میدان ہمارا ہے۔ امیرِ لشکر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کافی سمجھایا کہ ایسا نہ کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان مبارک سے نکلے ہوئے لفظوں کی قدر کرو۔ مورچہ نہ چھوڑو۔ چنانچہ جو جلد باز ساتھی تھے۔ جبلِ رُمَاۃ سے اتر کر مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اور

پہاڑی پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف دس آدمی باقی رہ گئے ادھر خالد بن ولید جو اس وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوئے تھے۔ اور جنگی امور کے بڑے ماہر تھے انہوں نے دیکھا کہ فوجی اعتبار سے جو اہم مورچہ تھا وہ کمزور ہو گیا ہے۔ وہ اپنے دستہ کے دوسو گھوڑ سواروں کے ہمراہ اس جبلِ رُماۃ پر حملہ آور ہوئے۔ جسے مسلمان تیر اندازوں کی اکثریت چھوڑ چکی تھی۔ مورچے پر موجود مجاہدین کو شہید کیا آگے بڑھے اور آواز دی۔ او قریشیو! میں خالد بن ولید ہوں میں نے پیچھے سے حملہ کر دیا ہے تم آگے سے پلٹو۔ اس طرح مسلمان کافروں کے دولشکروں کے درمیان گھر گئے۔ ان میں ایسی افراتفری پھیلی کہ خود مسلمان، مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔ حتیٰ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ستر مسلمان شہید ہو گئے۔ اور کوئی رہ گیا ہوگا جو زخمی نہ ہوا ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس زخمی ہوا نیچے کا ایک دانت مبارک شہید ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر گر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے والے دس میں سے نو شہید ہو گئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر نیزے اور تیر کے اتنے زخم آئے جس سے ہاتھ شل ہو گیا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پشت کو ڈھال بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ تو یہ سارا نقصان پیغمبر علیہ السلام کی حکم عدولی کی وجہ سے ہوا اگرچہ وہ حکم عدولی اجتہاداً ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ جب تم قاعدے کے مطابق لڑے اللہ تعالیٰ نے فتح عطاء فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ، اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ۔ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ، جب تم ان کو قتل

کررہے تھے اللہ کے حکم سے ۔ابتدائی مرحلے میں ۔حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ ، یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کا اظہار کیا۔وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ ،اور تم نے جھگڑا کیا اس معاملے میں ۔کہ کچھ نے کہا کہ ہمیں اتر کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنا چاہیے ۔کیونکہ اب یہاں ہماری ضرورت نہیں ہے ۔اور کچھ نے کہا نہیں ۔بلکہ ہمیں یہیں کھڑا رہنا چاہیے ۔کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ فتح ہو یا شکست تم نے مورچہ نہیں چھوڑنا ۔اس جھگڑے کا ذکر ہے ۔وَعَصَیْتُمْ مِّنْ ،بَعْدِ مَآ اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ،اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے اللہ نے تمہیں دکھائی وہ چیز جس کو تم پسند کرتے تھے ۔یعنی فتح کو تم پسند کرتے تھے وہ تمہیں حاصل ہو گئی مگر جب تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننے نہ ماننے کے متعلق اختلاف کیا اور مالِ غنیمت کے پیچھے پڑ گئے تو کایا پلٹ گئی ۔ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا ،تم میں سے وہ بھی تھے جو دنیا کا ارادہ کرتے تھے ۔یعنی مالِ غنیمت کا ۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ، اور تم میں سے وہ بھی تھے جو آخرت کا ارادہ کرتے تھے ۔امیرِ لشکر اور تقریباً نو دس آدمی اور جو اس کے ساتھ مورچے پر کھڑے رہے ۔اور پچھلی طرف سے خالد بن ولید نے جو اس وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوئے تھے دو سو گھوڑ سواروں کے دستے کے ہمراہ حملہ کر دیا جو مورچے پر تھے بمع امیرِ لشکر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ، وہاں شہید ہو گئے ۔حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تینوں بزرگوں کی قبریں ایک ہی جگہ پر ہیں ۔چوکونی کے اندر ۔اور باقی شہداء کی قبریں آگے ہیں ۔پہلے کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی اور اب حکومت نے اردگرد چار دیواری کھڑی کر دی ہے ۔اب دور سے جالیوں سے دیکھ سکتے ہیں ۔اسی طرح پہلے جنت البقیع میں بھی پہلے عام لوگ ہر وقت جا سکتے تھے مگر اب صرف

مخصوص وقت میں جاسکتے ہیں۔ پابندی کی وجہ یہ ہوئی کہ کسی خبیث نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ حالانکہ جنت البقیع میں جتنے لوگ مدفون ہیں ان میں سب سے زیادہ درجہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ تو اس شرارت کے نتیجہ میں سعودی حکومت نے مجبوراً چار دیواری کرادی اور پابندی لگا دی تا کہ کوئی خبیث شرارت نہ کر سکے۔ اور بزرگوں کی توہین نہ ہو۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں سڑک کے دوسرے کنارے ایک بہت بڑا ہوٹل تھا اس کو ایرانیوں نے کرایہ پر لیا۔ اس کے نیچے سے ایک سرنگ نکالی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسد مبارک کو نکال کر ایران لے جانے کے لئے۔ رات کو مٹی نکال کر دور پھینک آتے تھے۔ معلوم ہونے پر پکڑے گئے۔ ان کو کڑی سزا ملی۔ اور ہوٹل گرا کر سڑک بنادی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان شریر لوگوں سے بچائے۔ فرمایا، ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ ، پھر پھیر دیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے۔ پہلے تم غالب تھے پھر وہ غالب ہو گئے۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ، تا کہ اللہ تمہیں امتحان میں ڈالے۔ کہ کفار کا پلہ بھاری ہونے کے بعد کس حد تک ثابت قدم رہتے ہو۔ اور یہ اس غلطی کا خمیازہ تھا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کی مخالفت کی۔ لیکن، وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ، اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ جو کچھ تم سے ہوا غلط فہمی کی وجہ سے ہوا۔ بد نیتی سے نہیں ہوا۔ غلط فہمی اور چیز ہے اور بد نیتی اور چیز ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ ، اللہ تعالیٰ فضل والا ہے ایمان والوں پر۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا ۢبِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭوَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُھُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِھِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭوَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

اِذْ تُصْعِدُوْنَ ، جب تم پہاڑ پر چڑھے جارہے تھے۔ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ ، اور تم مڑ کے نہیں دیکھتے تھے کسی کو۔ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ ، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں بلاتے تھے۔ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ ، تمہاری پچھلی صفوں میں سے۔ فَاَثَابَكُمْ ، پس پہنچایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں۔ غَمًّا ۢبِغَمٍّ غم پر غم۔ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا ، تاکہ تم آئندہ نہ غم کھاؤ۔ عَلٰى مَا فَاتَكُمْ ، ان چیزوں پر جو تمہارے

ہاتھوں سے نکل گئی ہیں ۔ وَلَا مَآ اَصَابَکُم ، اور نہ اس تکلیف پر جو تمہیں پہنچی ہے ۔ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ ، اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے ان عملوں سے جو تم کرتے ہو ۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ ، پھر نازل کیا تم پر ۔ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ غم کے بعد ۔ اَمَنَةً ، امن ۔ نُّعَاسًا ، اونگھ تھی ۔ یَّغْشٰی طَآئِفَةً مِّنْکُمْ ، جو ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گروہ کو ۔ وَطَآئِفَةٌ ، اور ایک گروہ تھا ۔ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ، کہ ان کو پریشان کر دیا تھا ان کی جانوں نے ۔ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ ، خیال کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ۔ غَیْرَ الْحَقِّ ، ناحق ۔ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ ، (زمانہ) جاہلیت کے گمان کی طرح ۔ یَقُوْلُوْنَ ، وہ کہتے تھے ۔ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ، کیا ہے ہمارے لئے اس معاملے میں کچھ بھی ۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ، کہہ دیجئے ! ۔ بے شک معاملہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے ۔ یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ، یہ مخفی رکھتے ہیں اپنے دلوں میں ۔ مَا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ ، اس چیز کو جو نہیں ظاہر کرتے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے ۔ یَقُوْلُوْنَ ، کہتے ہیں ۔ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ، اگر ہوتی ہمارے لئے اس معاملے میں کوئی شے ۔ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ، ہم نہ قتل کئے جاتے یہاں ۔ قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ! اگر ہوتے تم اپنے گھروں میں ۔ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ ، البتہ نکلیں وہ لوگ ۔ کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ ، جن پر لکھا گیا ہے قتل ہونا ۔ اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ ، اپنے گرنے کی جگہوں کی طرف ۔ وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ ، اور تا کہ اللہ تعالیٰ امتحان لے ۔ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ ، اس چیز کا جو تمہارے دلوں میں ہیں ۔ وَلِیُمَحِّصَ ، اور تا کہ اللہ تعالیٰ خالص کر دے ۔ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ ، اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے ۔ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ ، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو ۔

پہلے سے غزوۂ احد کا ذکر چلا آ رہا ہے ۔ اور غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے ہوں۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کا حکم دیا ہو کہ تم فلاں جگہ پر جاؤ تو اس کو "سریہ" کہتے ہیں۔ اور جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں ہوئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا تو وہ محض جہاد کہلاتا ہے۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ طیبہ میں رہے ہیں۔ اور نو سالوں میں ستائیس غزوے ہوئے ہیں۔ یوں سمجھو کہ اوسطاً ایک سال میں تین غزوے ہوئے ہیں۔ اور ان غزووں میں طرفین سے جو آدمی مارے گئے ہیں ان کی کل تعداد ایک ہزار اڑتالیس/ ۱۰۴۸ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو جہاد ہوئے ہیں ان میں مسلمان بھی بہت شہید ہوئے ہیں۔ اور کافر بھی کافی تباہ ہوئے ہیں۔ تو غزوۂ احد ہجرت کے تیسرے سال پیش آیا جس کی خاصی تفصیل آپ سن چکے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو پیشگی اطلاع کئے بغیر اچانک، تین ہزار کا لشکر مدینہ طیبہ کے قریب آ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض باتیں محض افواہ ہوتی ہیں۔ تحقیق کرلو کہ واقعۃً دشمن حملہ آور ہو رہا ہے۔ یا کوئی مسافر قافلہ ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے پھرتیلے، کام میں چست، اور چلنے میں اتنے تیز تھے کہ جس کا کوئی حساب نہیں ہے۔ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا واقعۃً قریش بمع کچھ اور خاندانوں کے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے ہیں۔ تاکہ بدر کی ذلت کا بدلہ چکائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنگامی حالت کا اعلان فرمادیا۔ اور حکم دیا کہ فوراً احد کے میدان میں پہنچو یہ احد پہاڑ مدینہ سے دو تین میل کی مسافت پر ہے۔ اور اب تو مدینہ طیبہ کی آبادی دور دور تک چلی گئی ہے۔ تو احد پہاڑ کے دامن میں جنگ کی تیاری شروع ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے ایک ہزار آدمی آیا تھا مگر تین سو منافق حیلہ

بہانہ کر کے واپس چلے گئے۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات سو رہ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دستے بنا کر مختلف ساتھیوں کی کمان میں دے دیئے۔ کہ فلاں دستے کا کمانڈر فلاں ہوگا۔ اور فلاں دستے کا کمانڈر فلاں ہوگا۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ کس نے کس جگہ کھڑا ہونا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پروگرام بنایا تھا بڑا معقول تھا۔ ایک چھوٹے سے ٹیلے پر جس کو جبلِ رُماۃ کہتے ہیں۔ پچاس تیر انداز بٹھائے اور حکم دیا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے یہ مورچہ نہیں چھوڑنا۔ ابتدائی مرحلے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ ہوا اور کافر ہتھیار، کپڑے، پگڑیاں اور سامان چھوڑ کر بھاگے۔ اور ان کے سامان سے میدان بھر گیا۔ اور مسلمانوں نے مالِ غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔ تو وہ پچاس آدمی جو جبلِ رُماۃ پر بٹھائے گئے تھے انہوں نے کہا کہ فتح ہو گئی ہے ہم بھی چل کر مالِ غنیمت اکٹھا کریں۔ امیرِ لشکر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ فتح ہو یا شکست تم نے مورچہ نہیں چھوڑنا۔ دوسروں نے کہا کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ یہاں ہماری ضرورت پڑے گی اور اب تو تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطاء فرما دی ہے۔ اور میدان سارا ہمارے پاس ہے۔ اور کافر بھاگ گئے ہیں۔ مگر ان کی یہ سوچ غلط تھی۔ اطاعتِ امیر نہ کی۔ اور اکثر ساتھی ٹیلے سے اتر کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ادھر خالد بن ولید جو اس وقت کافر تھے۔ دو سو آدمیوں کا دستہ لے کر پچھلی طرف سے حملہ آور ہوئے۔ مورچے والوں کو یہاں شہید کیا۔ اور آواز دی کہ قریشیو! میں خالد بن ولید پچھلی طرف سے حملہ آور ہو چکا ہوں۔ تم آگے سے پلٹو۔ مسلمان اس وقت دو لشکروں کے نرغے میں آ گئے اور افراتفری پھیل گئی۔ ستر مسلمان شہید ہوئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر

مارا جس کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کے سامنے والے جو دانت ہیں ان کے ساتھ جو دائیں طرف والا دانت ہے شہید ہوگیا۔ اور ابنِ قمیصہ کافر نے تلوار ماری جس سے خود کٹا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس زخمی ہوا۔ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ اس افراتفری میں خود مسلمان جان بچانے کے لئے پہاڑ پر گئے۔ اس کا ذکر ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ ، جب تم پہاڑ پر چڑھے جارہے تھے۔ صعود کا معنیٰ بلندی پر چڑھنے کے ہیں۔ احد پہاڑ پر چڑھ کر اپنی جان بچانے کی فکر کی۔ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ ، اور تم مُڑ کے نہیں دیکھتے تھے کسی کو۔ کہ دوسروں کا کیا حال ہے؟۔ انسان جب انتہائی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو صرف اپنی جان کی فکر ہوتی ہے۔ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ ، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں بلاتے تھے۔ فِیْٓ اُخْرٰکُمْ ، تمہاری پچھلی صفوں میں سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی صفوں میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی او کلمہ پڑھنے والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟۔ کہاں بھاگ رہے ہو؟۔ فَاَثَابَکُمْ ، پس پہنچایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں۔ غَمًّا بِغَمٍّ ، غم پر غم۔ ایک غم ساتھیوں کے شہید ہونے کا اور دوسرا غم مالِ غنیمت کے ہاتھ سے نکلنے کا اور بعض مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ترجمہ کرتے ہیں۔ فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ ، پس بدلہ دیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں، غم کا بسبب غم کے۔ کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی تعمیل نہ کر کے ان کو غم پہنچایا۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں غم میں ڈال دیا۔ کہ تمہارے ساتھی بھی شہید ہوئے۔ اور مالِ غنیمت بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اور تم جیتا ہوا میدان ہار بیٹھے۔ لیکن ہر کام میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا ، تاکہ تم آئندہ نہ غم کھاؤ۔ عَلٰی مَا فَاتَکُمْ ، ان چیزوں پر جو تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی ہیں۔ یعنی اس واقعہ میں تمہیں سبق دیا گیا ہے۔ کہ

ہاتھ میں آئی ہوئی چیز اگر نکل جائے ضائع ہو جائے تو اس پر افسوس نہ کرنا پریشان اور غمگین نہ ہونا۔ بلکہ یہ سمجھنا کہ ہماری قسمت میں نہ تھی۔ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ، اور نہ اس تکلیف پر جو تمہیں پہنچی ہے۔ کہ کچھ ساتھی شہید ہوئے ہیں اور کچھ ساتھی زخمی ہوئے ہیں۔ اور آئندہ کوئی ایسی تکلیف پہنچے گی تو تم پریشان نہیں ہوگے۔ اور تمہارے ذہن میں ہوگا کہ پہلے بھی ایسا ہوا تھا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O، اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے ان عملوں سے جو تم کرتے ہو۔ پھر اچانک ایسا ہوا کہ جب ساتھیوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی حالت میں میدان میں ہیں تو فوراً اپنے گناہ سے تائب ہوئے۔ اور واپس آگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے غم اور پریشانی کو کس طرح اطمینان میں تبدیل کیا اس کا ذکر ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ، پھر نازل کیا تم پر۔ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ غم کے بعد۔ اَمَنَةً، امن۔ نُّعَاسًا، اونگھ تھی۔ یعنی کافر جب اپنا غصہ نکال چکے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب ڈال دیا۔ اور وہ بھاگ گئے اور تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ نے امن اور اطمینان کی کیفیت طاری فرما دی۔ يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ، جو ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گروہ کو۔ یعنی نیند طاری ہوگئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں تلوار تھی اور میں کھڑا تھا نیند کی وجہ سے تلوار میرے ہاتھ سے گر جاتی تھی۔ میں پھر پکڑ لیتا پھر گر جاتی۔ پھر پکڑتا پھر گر جاتی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر جہاد کے موقع پر نیند آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور اگر پڑھتے پڑھاتے وقت نیند آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ دیکھو کئی آدمی درس میں برائے نام بیٹھے رہتے ہیں۔ درس سننے میں ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ اور کئی ایسے ہوتے ہیں کہ درس میں وہ تسبیح پھیرتے رہتے ہیں۔ بھائی اگر تو نے تسبیح پھیرنی ہے تو درس سننے کا کیا معنیٰ

ہے؟۔توجہ کے ساتھ سنو تسبیح آگے پیچھے کرلو۔ درس کے موقع پر انتہائی خاموشی ہونی چاہیے۔ اور اطمینان اور توجہ کے ساتھ سننا چاہیے۔ تاکہ جتنا سنو سمجھ میں آئے۔ درس کے موقع پر تسبیح پھیرنا ناجائز ہے۔ اور اگر کسی کو نیند آجائے تو اٹھ کر باہر چلا جائے کہ اس کو دیکھ کر دوسرے بھی سونا شروع کر دیں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ گاڑیوں پر لکھا ہوتا ہے۔ فرنٹ سیٹ پر سونا منع ہے۔ اب کا مجھے علم نہیں۔ پہلے لکھا ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر فرنٹ سیٹ والے کو نیند آگئی تو اس کا اثر ڈرائیور پر ہوگا۔ اور وہ بھی سو جائے گا۔ کیونکہ خربوزہ خربوزے سے رنگ پکڑتا ہے۔ اور اگر ڈرائیور سو گیا تو سب کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ اس لئے وعظ تبلیغ کے وقت خاموشی ضروری ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ درس ہو رہا ہو نصیحت ہو رہی ہو تو سلام کرنا جو سنت ہے گناہ ہے۔ آنے والا سلام نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ آرام سے بیٹھ جائے۔ اگر سلام کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اس واسطے کہ سلام کرنا سنت ہے۔ اور جواب دینا واجب ہے۔ اور اگر وہ جواب دیں گے تو ان کی توجہ اور فکر درس و نصیحت سے ہٹ کر سلام کہنے والے کی طرف ہو جائے گی۔ اور بسا اوقات آدمی یہ بھی دیکھتا ہے کہ سلام کہنے والا کون ہے تو اس میں بے فکری ہو جائے گی۔ اور بعض مسئلے رہ جائیں گے۔ لہٰذا درس سننے والے سلام کا جواب نہ دیں۔ اور درس سننے میں مشغول رہیں۔

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ، اور ایک گروہ تھا کہ ان کو پریشان کر دیا تھا ان کی جانوں نے۔ یہ ان منافقوں کی بات ہے جو میدانِ جنگ سے واپس مدینہ طیبہ چلے گئے تھے جب انہوں نے سنا کہ بہت سارے مسلمان شہید ہو گئے ہیں۔ اور بہت سارے زخمی ہیں تو گھر میں ہوتے ہوئے بھی ان کا سانس خشک ہو رہا تھا اور ان کے اوسان خطاء ہو گئے کہ اب وہ ہمیں بھی آکر قتل کر دیں گے وہ گھروں میں بیٹھے ہوئے پریشان تھے۔ اور، يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ، خیال

کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ، (زمانہ) جاہلیت کے گمان کی طرح۔ کہ اگر ہم حق پر ہوتے تو ہمارے آدمی کیوں مارے جاتے؟۔ اور کیوں زخمی ہوتے؟۔ اور ہمیں شکست کیوں ہوتی؟۔ موقع جو مل گیا ان کو۔ يَقُولُونَ ، وہ کہتے تھے۔ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ، کیا ہے ہمارے لئے اس معاملے میں کچھ۔ یعنی ہمیں اس معاملہ میں کیا حاصل ہوا۔ آدمی بھی مروائے مالِ غنیمت بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اور میدان بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے!۔ بے شک معاملہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ دنیا میں دن بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی فتح کبھی شکست، کبھی اتار، کبھی چڑھاؤ۔ دنیا میں ایک جیسی حالت کبھی نہیں رہی۔ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ ، یہ مخفی رکھتے ہیں اپنے دلوں میں۔ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ، اس چیز کو جو نہیں ظاہر کرتے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے۔ یعنی دل کے اندر جو بغض، کینہ اور عناد ہے اور اسلام کے خلاف سازشیں اور گندے خیالات جن کو یہ چھپاتے ہیں اور تمہارے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ سے تو کوئی کچھ نہیں چھپا سکتا۔ کیونکہ ظاہر باطن نیک، بد، اور نیکی بدی سب اس کے سامنے ہے۔ ہر شئی کو وہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ یہ منافق بدبخت، اپنی منافقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ يَقُولُونَ ، کہتے ہیں۔ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ، اگر ہوتی ہمارے لئے اس معاملے میں کوئی شئے۔ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا ، ہم نہ قتل کئے جاتے یہاں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہماری بھلائی منظور ہوتی تو ہمارے اتنے آدمی شہید نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ خیال باطل ہے۔ کہ اگر جنگ میں شریک نہ ہوتے تو بچ جاتے۔ بلکہ فرمایا، قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں! اگر ہوتے تم اپنے گھروں میں۔ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ

الْقَتْلُ ، البتہ نکلیں وہ لوگ جن پر لکھا گیا ہے قتل ہونا۔ اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ، اپنے گرنے کی جگہوں کی طرف ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ کہ کس نے کہاں مرنا ہے اور کب مرنا ہے؟ لہٰذا یہ ان کی خام خیالی ہے کہ اگر گھروں میں بیٹھے رہتے تو قتل نہ ہوتے جس خداوندِ کریم نے ان کے قتل کا مقام مقرر فرما دیا وہ ان کے اس مقام پر پہنچ جانے کا انتظام بھی فرما دیتا۔ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ، اور تا کہ اللہ تعالیٰ امتحان لے اس چیز کا جو تمہارے دلوں میں ہے۔ ایسی مشکل صورتِ حال میں کھرے کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ اگر تکلیف نہ پہنچتی ستر آدمی شہید نہ ہوتے اور کئی آدمی زخمی نہ ہوتے تو مؤمن اور منافق کا امتحان نہ ہو سکتا۔ چنانچہ اس موقع پر منافقوں نے بڑی باتیں کیں جن سے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا اور مومن ثابت قدم رہے۔ اس آزمائش کی دوسری حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ، اور تا کہ اللہ تعالیٰ خالص کر دے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلوں میں جو مختلف وسوسے اور شبہات پیدا ہو رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو دور کر کے ایمان والوں کے دلوں کو ایسی اشیاء سے پاک کر دیا ہے۔ اس مقام پر آزمائش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدور کا لفظ فرمایا، کہ تمہارے سینوں میں جو بات پوشیدہ ہے اس کو آزمائے۔ اور آگے جہاں پاک صاف کرنے کا ذکر ہے وہاں قلوب کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدہ ایمان اور اخلاص کا مرکز دل ہے۔ لہٰذا اس کی پاکیزگی کی ضرورت ہے۔ تا کہ انسان کا عقیدہ اور ایمان درست ہو جائے۔ اور اس میں دین کے لئے اخلاص پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن لوگ امتحان میں پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ جب کہ روگی دل والے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آزمائش کے ذریعے ہم نے تمہارے دلوں میں موجود میل کچیل کو

صاف فرمادیا ہے۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔ اس سے تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ خواہ وہ زبان پر آئے یا نہ آئے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّی لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ لِیَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِالَی اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

اِنَّ الَّذِیۡنَ ، بے شک وہ لوگ۔ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ ، جنہوں نے پیٹھ پھیری تم میں سے۔ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ، اس دن جب آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں۔ اِنَّمَا ، پختہ بات ہے۔ اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ ، ان کو پھسلایا شیطان نے۔ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا ، ان کی بعض کمائی کی وجہ سے۔ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ، اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ان کو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ O ، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے، تحمل کرنے والا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ ، نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں کی طرح۔ كَفَرُوۡا ، جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ ، اور کہا انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں۔ اِذَا ضَرَبُوۡا

فِی الْاَرْضِ ، جب وہ چلے زمین میں ۔ اَوْ کَانُوْا غُزًّی ، یا تھے وہ غازی اور مجاہد ۔ لَوْ کَانُوْا عِنْدَنَا ، اگر ہوتے وہ ہمارے پاس ۔ مَا مَاتُوْا ، نہ مرتے ۔ وَمَا قُتِلُوْا ، اور نہ قتل کیے جاتے ۔ لِیَجْعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ ، تاکہ کردے اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کو ۔ حَسْرَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ ، افسوس کی چیز ان کے دلوں میں ۔ وَ اللّٰہُ یُحْیٖ ، اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے ۔ وَ یُمِیْتُ ، اور مارتا ہے ۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ O ، اور اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو دیکھتا ہے ۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ ، اور البتہ اگر تم قتل کر دیئے جاؤ ۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ، اللہ تعالیٰ کے راستے میں ۔ اَوْ مُتُّمْ ، یا طبعی موت مر جاؤ ۔ لَمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ ، البتہ بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۔ وَرَحْمَۃٌ ، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ۔ خَیْرٌ ، بہت ہی بہتر ہے ۔ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ O ، اس چیز سے جس کو یہ جمع کرتے ہیں ۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ ، اور اگر تم مرجاؤ ۔ اَوْ قُتِلْتُمْ ، یا مارے جاؤ ۔ لَاِ اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ O ، البتہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جمع کیے جاؤ گے ۔

آپ خاصی تفصیل کے ساتھ سن چکے ہیں کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا کہ ستر آدمی شہید ہوگئے ۔ اور بہت سارے زخمی ہوئے مال غنیمت ہاتھ سے نکل گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس زخمی ہوا اور کافروں نے طرفین سے اس طرح حملہ کیا کہ بارہ تیرہ آدمیوں کے سوا کوئی بھی میدان میں نہ ٹھہر سکا ۔ بارہ تیرہ آدمی میدان میں کھڑے رہے اور ڈٹ کر لڑتے رہے ۔ باقی سارے بھاگ گئے ۔ ان بھاگنے والوں میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے ۔ جن کو آج تک مخالف معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہ ذہن آج کی پیداوار نہیں ہے ۔ بلکہ رافضیوں کے دادا عبداللہ بن سبا یہودی یمنی کا تیار کیا ہوا ہے مصر میں اس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ذہن بنایا

عموماً اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ذہن بنایا خصوصاً چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تھے۔ اس لئے مصریوں نے ان کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا۔ بخاری شریف اور دیگر کتابوں میں روایت آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد حرام میں لوگوں کا ایک مجمع تھا۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف فرما تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں درجے کے اعتبار سے بھی بڑے تھے۔ لہٰذا کچھ لوگ تو ان سے مسائل پوچھ رہے تھے کچھ زیارت کر رہے تھے اور کچھ لوگ ان کی مجلس میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے ہوئے بیٹھتے تھے۔ (اور احادیث میں آتا ہے کہ نیک لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرتا ہے تو نیک لوگوں کی مجلس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے وہاں بیٹھنے والے بھی رحمت سے محروم نہیں ہوتے چاہے خاموش ہی بیٹھے رہیں)۔ تو اس مجمع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے۔ اور لوگ ان کے اردگرد جمع تھے۔ "جَآءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ مِصْر" ۔ ایک مصری آدمی آیا اور سوال کیا کہ یہ باباجی کون ہیں؟ جس کے اردگرد لوگ جمع ہیں؟۔ لوگوں نے بتایا کہ عبداللہ بن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ مصری بڑا منہ پھٹ تھا۔ کہنے لگا کہ نام تو میں نے سنا تھا لیکن دیکھا نہیں تھا۔ آدمیوں سے گزرتا ہوا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے جا کر بیٹھ گیا کہنے لگا میں نے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پوچھ لو۔ کہنے لگا کہ یہ بتاؤ کہ عثمان اچھا آدمی تھا یا بُرا؟ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد درجہ ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ان کے بعد درجہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کے بعد درجہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا۔ وہ بہت اچھے انسان تھے۔ وہ مصری کہنے لگا عثمان کا درجہ کس چیز کا ہے؟ مجھے یہ بتاؤ کہ عثمان

غزوۂ بدر میں شریک تھا؟ فرمایا نہیں۔ کہنے لگا تمام غزوات میں غزوۂ بدر ہی تو بڑا اہم غزوہ تھا اور اس غزوے میں وہ غیر حاضر رہا اور تم کہتے ہو کہ وہ اچھا آدمی تھا۔ دوسرا سوال یہ کیا کہ بتاؤ غزوۂ احد کے بھاگنے والوں میں عثمان بھی تھا یا نہیں؟۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، بھاگنے والوں میں وہ بھی تھا۔ کہنے لگا پھر کس طرح وہ اچھا ہوا اور درجے والا ہوا؟۔ تیسرا سوال کہنے لگا یہ بتاؤ کہ حدیبیہ کے مقام پر کیکر کے درخت کے نیچے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی تھی عثمان اس بیعت میں شریک تھا؟ فرمایا نہیں۔ خوشی کی وجہ سے اس نے نعرہ لگایا۔ "اللہ اکبر"۔ اسلام میں یہی تین مقام تو اچھے ہیں اور وہ ان تینوں موقعوں پر غیر حاضر رہا۔ پھر تم اس کی فضیلت کے گیت گاتے ہو؟۔ جب نعرہ لگا کر اٹھ کے جانے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو دامن سے پکڑ لیا اور فرمایا۔ صرف سوال نہ ذہن میں جمائے رکھ ان کے جوابات بھی سن لو۔ بدر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں، وہ بیمار تھیں۔ اور گھر میں کوئی اور آدمی نہ تھا نہ کوئی مرد نہ کوئی عورت نہ بوڑھا، نہ جوان، نہ بچہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی پانی کی کُپّی لی ستو اور کھجوروں والا تھیلا بھی پکڑا تلوار اور ضروری ہتھیار لئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان (رضی اللہ عنہ) تو نہیں جاسکتا۔ عرض کیا حضرت "اَوَّلُ غَـزْوَةٍ فِيْ الْإِسْلَامِ"۔ اس میں یہ پہلا غزوہ اور جہاد ہے۔ اور میں اس میں شریک نہیں ہوسکتا۔ فرمایا ہاں! نہیں ہوسکتا۔ حضرت کیوں؟۔ فرمایا تیری بیوی میری لختِ جگر بیٹی سخت بیمار ہے اور تیرے گھر تیرے سوا اور کوئی آدمی نہیں ہے۔ جو اس کی خبر

گیری کرے اس کو دوائی کون دے گا؟ اٹھائے گا، بٹھائے گا کون؟۔ اس کو روٹی پانی کون کھلائے پلائے گا؟۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت میں نے محلے کی عورتوں کو کہہ دیا ہے وہ آکر خدمت کریں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محلے کی عورتیں دن کو آجائیں گی (مثال کے طور پر) رات کو تو وہ اپنا گھر سنبھالیں گی۔ اپنے بچے سنبھالیں گی یا اس کا انتظام اور خدمت کریں گی؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رو پڑے کہ حضرت اسلام میں پہلا جہاد ہے میں اس سے محروم ہو جاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تیری بیوی ہے اور میری بیٹی ہے اس کا بھی تیرے اوپر حق ہے عرض کیا حضرت میں جہاد کی فضیلت سے محروم رہوں گا؟ فرمایا! نہیں۔ جتنا اجر و ثواب بدر میں لڑنے والوں کو ملے گا اتنا تجھے گھر بیٹھے ملے گا۔ اور مالِ غنیمت جتنا دوسروں کو ملے گا تجھے بھی اتنا ہی ملے گا تو گھر بیٹھے برابر کا شریک ہے۔ (اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدریوں میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بنفسِ نفیس بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکماً بدر میں شریک فرمایا۔ چنانچہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدر کی غنیمت میں سے برابر حصہ دیا گیا)۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اے مصری! اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرنا سراسر غلط ہے۔ وہ تو غزوۂ بدر میں شرکت کے لئے بے چین تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکماً فرمایا کہ تو نے گھر ٹھہرنا ہے۔ اس میں ان کا کیا قصور ہے؟۔ اور تیرا دوسرا اعتراض ہے احد سے بھاگنے کا تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ، بے شک وہ لوگ۔ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ، جنہوں نے پیٹھ پھیری تم میں سے۔ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ، اس دن جب آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں۔ اِنَّمَا، پختہ بات ہے۔

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ ، ان کو پھسلایا شیطان نے ۔ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ، ان کی بعض کمائی کی وجہ سے ۔ کل تفصیل کے ساتھ آپ سن چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تعمیل نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے شیطان نے ان کو پھسلایا اور غلطی ہوگئی ۔ مگر اب تم رب تعالیٰ کا فیصلہ سن لو ۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ، اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ان کو ۔ اب ذرا توجہ کرو اور لام بھی تاکید کا قد بھی تاکید کا اور ماضی پر داخل ہیں معنی بنے گا اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ۔ بھائی ان سے لغزش اور غلطی ہوئی ہے ۔ پھر اس کو گناہ گناہ کہتے پھرنا خود گناہ ہے اور یہ کہنے والا مجرم ہے ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے ، تحمل کرنے والا ہے ۔ باقی رہا حدیبیہ کا مسئلہ کہ بیعت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہیں تھے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ سنہ ٦ ھ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سو/١٥٠٠ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا لیکن جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوس نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ اہلِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پاتے ہی لشکر جمع کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے نکل گئے ہیں ۔ اور یہ عہد کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا ہٹ کر حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد حضرت خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہلِ مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں ۔ جنگ کے لئے نہیں آئے ۔ مکہ والوں نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا ۔ اور ارادہ کیا ان کو بھی قتل کرنے کا مگر وہ اپنی جان بچا کر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سارا واقعہ بیان فرمایا ۔ اس کے بعد مکہ والوں

کے یکے بعد دیگرے کئی نمائندے آئے مگر گرم سرد ہو کر واپس چلے جاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی، حضرت ہمیں بھی کوئی اپنا نمائندہ بھیجنا چاہیے۔ تاکہ وہ ان کے بڑوں سے گفتگو کرے شاید ان کو سمجھ آجائے۔ کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ ہم نے احرام باندھے ہوئے ہیں۔ اور ہم زبان سے "اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک"۔ کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری رائے صحیح ہے ہمیں بھی کوئی نمائندہ بھیجنا چاہیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجنا چاہیے۔ چنانچہ ان کو بلایا اور فرمایا، عمر! قریشِ مکہ کے نمائندے آتے رہے ہیں۔ اور گرمی کھا کے جاتے رہے ہیں۔ ساتھیوں کا بھی خیال ہے اور میری بھی رائے ہے کہ ہم بھی کوئی اپنا نمائندہ بھیجیں تاکہ ان کے جو سمجھدار معمر آدمی ہیں ان کے ساتھ بات چیت کرے۔ شاید وہ ہمیں عمرے کی اجازت دے دیں۔ یہاں سے مکہ اب صرف چھ میل کا سفر باقی رہ گیا ہے۔ اور اب تو مکہ حدیبیہ سے بھی آگے چلا گیا ہے۔ پھر فرمایا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ چلے جائیں؟ اور اہلِ مکہ سے بات کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت آپ کے ارشاد کی دو شقیں ہیں۔ ایک شق یہ ہے کہ ہمارا کوئی نمائندہ جانا چاہیے میں اس شق کے ساتھ تو اتفاق کرتا ہوں اور دوسری شق یہ ہے کہ میں نمائندہ بن کے جاؤں تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انکار نہیں ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ میری طبیعت میں تیزی ہے۔ خلافِ طبیعت کوئی بات میں سن نہیں سکتا۔ (اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے)۔ حضرت وہاں اگر کوئی ایسی بات ہو جائے جو تیزی کی ہو۔ اور بات بننے کی بجائے الٹی بگڑ نہ جائے۔ حضرت میری رائے ہے کہ عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بھیجو۔ وہ ٹھنڈی طبیعت کا آدمی ہے۔ سنے

گا بھی اور سنائے گا بھی۔ (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزاج ایسا تھا جیسے برف کی ڈلی ہو)۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمائندہ بنا کر بھیج دیا گیا۔ جس وقت یہ وہاں پہنچے تو کافروں نے کہا کہ تو احرام کی حالت میں ہے عمرہ کر لے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کا طواف اور سعی بین الصفا والمروہ نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔ قریشِ مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کعبۃ اللہ میں بند کر کے تالا لگا دیا۔ اور مشہور کر دیا کہ۔ ''اِنَّ عُثْمَانَ قَدْ قُتِلَ'' ۔ عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس سے وہ مسلمانوں کا ردِ عمل دیکھنا چاہتے تھے کہ اس پر مسلمانوں کا کیا ردِ عمل ہے؟۔ ورنہ وہ اتنے پاگل نہیں تھے کہ سفیر کو قتل کر دیتے۔ چنانچہ یہ خبر جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے دو پہر کا وقت تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیکر کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آؤ میرے ہاتھ پر بیعت کرو، کس بات کی بیعت؟ تو بخاری شریف میں دو لفظ آئے ہیں۔ ایک ''عَلَی الْمَوْتِ'' کا کہ ہم جانیں قربان کر دیں گے۔ اور سفیر کا بدلہ لیں گے۔ اور دوسرا لفظ آتا ہے۔ ''عَلٰی اَنْ لَّا نَفِرَّ'' ۔ کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔ پندرہ سو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ بلند فرمایا اور فرمایا! یہ کیا ہے؟۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا کہ حضرت یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور فرمایا یہ کیا ہے؟۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حضرت یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ ہے۔ فرمایا! اس بیعت کا بڑا درجہ ہے اور عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو میں

نے اپنے کام بھیجا ہے۔ وہ اس بیعت سے محروم نہ رہ جائیں فرمایا!، یہ میرا بایاں ہاتھ عثمان کا ہاتھ سمجھو۔ اس کی طرف سے بیعت لیتا ہوں۔ چنانچہ اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔ اس بیعت کا تو سبب ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور ان کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت بھی لی۔ تو وہ کس طرح محروم ہو گئے۔ معاذ اللہ تعالیٰ! تو ان وجوہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اعتراض کرنا بڑی نادانی اور حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطاء فرمائے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی ایک شرارت کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو ان سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ فرمایا، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا، نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ یعنی منافقین۔ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ، اور کہا انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں۔ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ، جب وہ چلے زمین میں۔ مدینہ منورہ سے جہاد کے لئے۔ اَوْ کَانُوْا غُزًّی، یا تھے وہ غازی اور مجاہد۔ منافقین کے ساتھ رشتہ داریاں تو نہیں تھیں کوئی کسی کا باپ تھا کسی کا چچا تھا۔ کسی کا بھائی تھا۔ تو انہوں نے یہ کہا، لَوْ کَانُوْا عِنْدَنَا، اگر ہوتے وہ ہمارے پاس۔ مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا، نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ یعنی یہ منافق کہتے ہیں کہ ہم نے جاتے وقت کہا تھا کہ نہ جاؤ لیکن ہماری بات کسی نے نہیں سنی۔ اگر ہماری بات مان لیتے تو بچ جاتے۔ فرمایا، ان کافروں کی طرح نہ ہو جانا جو یہ کہہ رہے ہیں۔ لِیَجْعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ حَسْرَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ، تاکہ کر دے اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کو افسوس کی چیز ان کے دلوں میں۔ کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے کہ جب قیامت کے دن غازیوں اور مجاہدوں کو درجے ملیں گے تو یہ منافق افسوس کریں گے اور کہیں گے کاش کہ ہمارے بدن اور

قینچیوں کے ساتھ کاٹ دیئے جاتے۔اور ہم بھی ان کی راہ پر چلتے۔مگر۔

اب پچھتائے کیا ہوت

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

وَ اللّٰہُ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ،اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ○ ،اور اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ،اور البتہ اگر تم قتل کر دیئے جاؤ اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔اَوۡ مُتُّمۡ ،یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنے کے بعد طبعی موت مر جاؤ۔لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ ،البتہ بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔وَرَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ ،اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت ہی بہتر ہے۔مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ○ ،اس چیز سے جس کو یہ جمع کرتے ہیں۔یعنی مال،دولت وغیرہ۔وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ ،اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ۔لَاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ ○ ،البتہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جمع کیے جاؤ گے۔یعنی جس حالت میں بھی کوئی مر جائے سب نے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی جانا ہے۔اور رتی رتی کا حساب ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ نیکیوں کا بدلہ دے گا اور برائی کی سزا۔یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

فَبِمَا رَحْمَةٍ، پس بسبب رحمت کے۔ مِّنَ اللّٰهِ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ لِنْتَ لَهُمْ، تو ان کے لئے نرم واقع ہوا ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا، اور اگر ہوتا سخت مزاج۔ غَلِيْظَ الْقَلْبِ، سخت دل والا۔ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، تو یہ بھاگ جاتے تیرے آس پاس سے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ، پس تو ان کو معاف کر دے۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ، اور ان کے لئے مغفرت طلب کر اللہ تعالیٰ سے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، اور ان کے ساتھ مشورہ کر معاملات میں۔ فَاِذَا عَزَمْتَ، پس جب تو ارادہ کر لے۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ، پس اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

الْمُتَوَكِّلِيْنَ O ، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں کے ساتھ۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ ، اگر تمہاری مدد کرے اللہ تعالیٰ۔ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ، پس تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ ، اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد ختم کردے۔ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ ، پس کون ہے وہ ذات۔ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ، جو تمہاری مدد کرے گی اللہ تعالیٰ کے بعد۔ وَعَلَى اللّٰهِ ، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی۔ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ O ، پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ ، اور نہیں ہے لائق کسی نبی کے۔ اَنْ يَّغُلَّ ، یہ کہ وہ خیانت کرے۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ ، اور جس نے خیانت کی۔ يَاْتِ بِمَا غَلَّ ، لائے گا اس چیز کو جو اس نے خیانت کی۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ، قیامت والے دن۔ ثُمَّ تُوَفّٰى ، پھر پورا پورا دیا جائے گا۔ كُلُّ نَفْسٍ ، ہر نفس کو۔ مَّا كَسَبَتْ ، جو اس نے کمایا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ O ، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ ، کیا پس وہ شخص جس نے پیروی کی۔ رِضْوَانَ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کی رضاء کی۔ كَمَنْۢ بَآءَ ، اس شخص کی طرح ہو جائے گا جو لوٹا۔ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر۔ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ، اور جس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ☆ ، اور برا ہے وہ ٹھکانہ۔ هُمْ دَرَجٰتٌ ، ان کے درجے ہیں۔ عِنْدَ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ، اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ بِمَا يَعْمَلُوْنَ O ، اس چیز کو جو وہ عمل کرتے ہیں۔

پہلے سے غزوۂ احد کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اور یہ بات بھی آپ قدرے تفصیل کے ساتھ سن چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمیوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں جبلِ رُماۃ کے اہم مورچے پر مقرر فرمایا تھا۔ اور ان کو بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم نے یہ مورچہ نہیں چھوڑنا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک

تاکید فرمائی کہ دشمن نے ہمیں شہید کردیا ہے اور پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں تم نے مورچہ پھر بھی نہیں چھوڑنا۔ باوجود اتنی تاکید کے ان سے غلط فہمی کی بنیاد پر غلطی ہوئی۔ بدنیتی کی وجہ سے نہیں کم فہمی کی وجہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ ستر آدمی شہید ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس زخمی ہوا جیتا ہوا میدان ہار گئے۔ بہت نقصان ہوا چاہیے تو یہ تھا کہ مورچہ چھوڑ کر نیچے اتر آئے تھے، اور زندہ بچ گئے تھے۔ ان کو کھڑا کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیروں سے اڑا دیتے کہ تم نے میدانِ جنگ میں اتنی بڑی غلطی کی ہے۔ اور تمہاری غلطی کی وجہ سے اتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔ ظاہری حالات کو دیکھا جائے تو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ اس کا ذکر ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، پس بسبب رحمت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ لِنْتَ لَهُمْ، تو ان کے لئے نرم واقع ہوا ہے۔ دیکھو کتنی بڑی غلطی تھی۔ اور اس سے کتنا بڑا نقصان ہوا لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سزا نہیں دی اور کل کے درس میں آپ سن چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی معاف فرمادیا۔ انہوں نے اپنی غلطی سے توبہ کی اور حدیث میں آتا ہے۔ "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ"۔ صحیح معنیٰ میں گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے۔ پھر رب توبہ قبول کرلے اور اعلان فرمادے کہ میں نے معاف کردیا ہے۔ تو پھر گناہ کہاں رہا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگائیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ مکرمہ سے بیس میل دور جعرانہ کے مقام پر جہاں سے بڑے عمرے کا احرام باندھا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے جو حنین سے حاصل ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اتنا مالِ غنیمت کسی اور موقع پر حاصل نہیں

23

ہوا۔ جتنا غزوۂ حنین کے موقع پر حاصل ہوا تھا۔ چالیس ہزار بکریاں چوبیس ہزار اونٹ منوں کے حساب سے سونا چاندی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مال زیادہ تر ان لوگوں کو دیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اور دیا بھی اس انداز سے کہ کسی کو سو اونٹ کسی کو پچاس اونٹ خرقوص نامی ایک آدمی تھا قبیلہ بنو تمیم کا۔ "ذُو الْخُوَیْصِرَۃُ"۔ اس کا لقب تھا۔ ایک بازو اس کا قدرتی طور پر نہیں تھا۔ اور بازو کی جگہ گوشت کا لوتھڑا تھا جو لٹکتا رہتا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ اس انداز سے تقسیم ہو رہی ہے کہ کسی کو دو سو اونٹ کسی کو سو کسی کو دس اور کسی کو کچھ نہیں دیا جا رہا۔ تو اس نے مجلس میں کہا۔ "مَا عَدَلْتَ فِیْ قِسْمَتِکَ یَا مُحَمَّدُ؟"۔ اے محمد تو نے تقسیم میں ظلم کیا ہے، عدل نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "فَمَنْ یَّعْدِلُ اِنْ لَّمْ اَعْدِلْ؟"۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی زمین پر کون انصاف کرے گا اگر میں انصاف نہیں کروں گا؟۔ اب پہلے تو اس کا طرزِ تخاطب دیکھو۔ کیا گستاخانہ ہے کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ نہیں کہا، یَا نَبِیَّ اللّٰہ نہیں کہا، یَا حَبِیْبَ اللّٰہ نہیں کہا۔ بغیر القاب کے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا۔ بے شک محمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہے۔ لیکن بغیر القاب کے خالی یا محمد کہہ کر پکارنے میں گستاخی کا پہلو نکلتا ہے۔ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ میں ادب و احترام ہے۔ مثال کے طور پر میرا نام ہے محمد سرفراز تو میرا نام لے کر میرے ساتھ وہ بات کریں گے جو میرے بے تکلف دوست ہوں گے۔ یا مجھ سے عمر میں بڑے ہوں گے۔ اور اگر چھوٹوں میں سے کوئی میرا نام لے کر بات کرے گا آپ سب اس انداز کو برا منائیں گے۔ تو یاد رکھنا اسی طرح خالی یا محمد کہنے میں بھی گستاخی کا پہلو ہے۔ پہلے تو اس نے اندازِ گفتگو غلط اختیار کیا اور پھر کہا کہ تو نے انصاف نہیں کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پاس موجود تھے کہنے لگے حضرت مجھے اجازت دو

میں اس کا سر اتار دوں اور واقعی وہ اس لائق تھا کہ اس کا سر قلم کر دیا جاتا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چھوڑ و کچھ نہ کہو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے حوصلے والے بیان کئے جاتے ہیں مگر اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ اپنے خلاف ایک جملہ بھی برداشت کرتے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی کا نتیجہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ اسی طرح قرآن پاک کے تیسویں/۲۳ پارے میں آتا ہے کہ کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور کذاب کہتے تھے کہ یہ جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم برداشت کرتے تھے اور مسکرا کر چلے جاتے تھے۔ آج ہمیں کوئی جھوٹا کہہ کہ دیکھے نا!۔ پھر دیکھے جاتا کہاں ہے۔ یاد نہیں یا ہم نہیں ہیں۔ فرمایا، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا، فَظ کا معنیٰ ہے سخت مزاج، اور اگر ہوتے آپ سخت مزاج۔ غَلِيظَ الْقَلْبِ، سخت دل والا۔ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، تو یہ بھاگ جاتے تیرے آس پاس سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ بیٹھتے۔ اور ظاہر بات ہے آدمی بد اخلاق، ضدی اور سخت دل ہو اور اپنی من مانی کرے تو اس کے قریب کون آئے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج اعلیٰ اخلاق والے ہیں۔ اسی لئے غزوۂ احد میں جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تتر بتر ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔ البتہ دل میں رنجش کا امکان باقی تھا کہ انہوں نے خلاف توقع عمل کیوں کیا ہے؟۔ اور جنگی نقطہ نظر سے بڑی غلطی کی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سفارش فرما دی کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فَاعْفُ عَنْهُمْ، پس تو ان کو معاف کر دے۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ، اور ان کے لئے مغفرت طلب کر اللہ تعالیٰ سے۔ کہ اے پروردگار ان سے جو غلطی اور گناہ ہوا ہے کم فہمی کی وجہ سے ہوا ہے۔ بدنیتی کی وجہ سے نہیں ہوا۔ پروردگار تو ان کو معاف فرما دے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ،اور ان کے ساتھ مشورہ کر معاملات میں ۔یعنی آئندہ کوئی مسئلہ پیش آجائے تو ان کو مشورے میں شریک کرتا کہ یہ محسوس نہ کریں کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہیں۔ اس لئے قریب نہیں آنے دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ یا دیگر معاملات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرلیا کرتے تھے۔ ہاں مشورہ کی ضرورت ان امور میں پیش آتی تھی جن میں وحی الٰہی کے ذریعے واضح حکم موجود نہیں ہوتا تھا۔ اور ایسے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد بھی کرتے تھے۔ اور مشورہ بھی ہوتا تھا۔ اور یاد رکھیں! ایسی چیزیں جن کے متعلق احکامات قرآن میں نہیں ہیں۔ حدیث پاک میں نہیں ہیں۔ اور اجماعِ امت سے ثابت نہیں ہیں۔ ان کے متعلق مشورہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور ہر حکومت کو حق حاصل ہے کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں یعنی قرآن پاک سے ثابت نہیں ہیں حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔ اجماع امت سے ثابت نہیں ہیں۔ ان کے متعلق آپس میں مشورہ کریں۔ حکم ہے، وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، کوئی معاملہ پیش آجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مشورہ کریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے جو لوگ فقیہ اور سمجھدار ہیں ان سے مشورہ کرو۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کا ذہن کسی طرف نہیں جاتا اور وہ بات دوسرے کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ تو اس طرح مشورے کا فائدہ ہوگا اور معاملہ خوش اسلوبی کے ساتھ طے پا جائے گا۔ اور جو مسائل منصوص ہیں۔ قرآن سے ثابت ہیں، حدیث شریف سے ثابت ہیں، اجماع امت سے ثابت ہیں۔ ان کے متعلق مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے نماز ہے روزہ ہے۔ حج ہے، زکوٰۃ ہے۔ چار عورتوں کے ساتھ نکاح کا جواز ہے۔ یا سود کا حرام ہونا ہے۔ مثلاً اب اگر کوئی مشورہ کرے کہ سود حرام ہے یا

حلال ہے تو ایسا آدمی ملحد اور زندیق ہے تو مشورہ ان چیزوں میں ہے جو منصوص نہیں ہیں۔ اور مشورے کے بعد جب معاملہ طے ہو جائے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ ، پس جب تو ارادہ کر لے۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ، پس اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔ سوچنے سمجھنے اور ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد جب کسی کام کا ارادہ کرلیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۞، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں کے ساتھ۔ کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ توکل کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پاؤں نہ پھیلائے بلکہ جو کام کرنا ہے اس کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ محنت کوشش کرے اور اس کا نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ ؎

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

اور اگر کام کے لئے ہاتھ پاؤں ہی نہیں ہلاتا محنت کوشش نہیں کرتا۔ تو شریعت میں اس کا نام "تَعَطُّلْ" ہے۔ جس کو پنجابی میں ہڈحرامی کہتے ہیں۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ ، اگر تمہاری مدد کرے اللہ تعالیٰ۔ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ، پس تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ پھر تاریخ بتاتی ہے کہ موتہ کے مقام پر تین ہزار نے ایک لاکھ پر غلبہ حاصل کیا اور یرموک کے مقام پر پینتالیس ہزار/۴۵۰۰۰ نے سات لاکھ پر غلبہ پایا۔ بے شمار ایسے جہاد ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے تھوڑے بہتوں پر غالب آئے۔ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ ، اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد ختم کر دے۔ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ ، پس کون ہے وہ ذات۔ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ، جو تمہاری مدد کرے گی اللہ تعالیٰ کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کوئی ٹھکانہ؟ ہے کوئی مددگار؟ ہے کوئی مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، کوئی دستگیر بالکل نہیں ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ☆، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی توکل

کر... یمان والے... اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالی کا ذکر تھا۔ آگے فرمایا جس طرح پیغمبر علیہ السلام کے اخلاق عالی ہیں اسی طرح وہ امین اور دیانت دار بھی ہیں۔ مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک واقعہ پیش آیا تھا بعض حضرات بدر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر احد کا معاملہ ہے۔ غزوۂ احد میں اگرچہ زیادہ تر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا مگر تھوڑا بہت مال غنیمت مسلمانوں کے پاس رہ گیا تھا۔ اور تقسیم کے وقت منافق بھی پہنچ گئے تھے کہ شاید ہمیں بھی کچھ مل جائے کسی نے کہا کہ مالِ غنیمت میں ایک عمدہ گرم کمبل تھا نظر نہیں آ رہا۔ ایک منافق بے ایمان نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا ہوگا۔ بھائی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لینا ہوتا تو سب کے سامنے اٹھا لیتے احادیث میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت تھی کہ مالِ غنیمت میں سے جو چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چیز پسند آئے اپنی مرضی سے لے سکتے ہیں۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی شئی اس طرح لی نہیں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ اور نہیں ہے لائق کسی نبی کے یہ کہ وہ خیانت کرے۔ غلول مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو کہتے ہیں۔ تو نبی کی شان نہیں ہے کہ مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز خفیہ طریقے سے لے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ مالِ غنیمت میں جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو، لے سکتے ہو۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو غلول کی کیا ضرورت ہے؟۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ فرمایا، وَمَنْ يَّغْلُلْ اور جس نے خیانت کی۔ يَاْتِ بِمَا غَلَّ، لائے گا اس چیز کو جو اس نے خیانت کی۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، قیامت والے دن اس کی گردن پر ہوگی اور اس کا اس کو حساب دینا

پڑے گا۔ وہاں تو سوئی دھاگے تک کا حساب دینا پڑے گا۔ دیکھا چوری کسی کی بھی کرنا گناہ ہے۔ لیکن ایک ہے شخصی چوری اور ایک ہے قومی اور جماعتی مال سے چوری اس میں فرق ہے۔ اگر ایک آدمی کی چوری کی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ معاف کر دے اور قومی اور جماعتی مال سے چوری جیسے چندے کی چوری ہے یہ معاملہ بڑا سخت ہے۔ کیونکہ لوگوں کے مزاج مختلف ہیں ہوسکتا ہے قیامت والے دن کوئی معاف کرے کوئی نہ کرے۔ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ ، پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو۔ مَّا كَسَبَتْ ، جو اس نے کمایا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ O ، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ وہاں رتی برابر بھی کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ فرمایا۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ ، کیا پس وہ شخص جس نے پیروی کی اللہ تعالیٰ کی رضا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر کے رب تعالیٰ کی رضا حاصل کی۔ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ ، اس شخص کی طرح ہو جائے گا جو لوٹا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر۔ ایک فرماں بردار ہے ایک نافرمان ہے ایک نیک ہے ایک بد ہے کیا یہ برابر ہو جائیں گے۔ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ، اور نافرمان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ O ، اور دوزخ برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مومنین اور مومنات کو دوزخ سے بچائے۔ هُمْ دَرَجٰتٌ ، ان کے درجے ہیں۔ عِنْدَ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ نیکوں کے درجے اور ہیں بروں کے اور ہیں۔ پھر نیکی کے بھی درجات ہیں۔ اور بدی کے بھی درجات ہیں جس قسم کا عمل ہوگا اسی قسم کی سزا ہوگی وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ، اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ بِمَا يَعْمَلُوْنَ O ، اس چیز کو جو وہ عمل کرتے ہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ ، البتہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے ۔ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ، مومنوں پر ۔ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ، جب بھیجا اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک رسول ۔ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ، ان کی جانوں میں سے ۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ، وہ تلاوت کرتا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں ۔ وَيُزَكِّيْهِمْ ، اور ان کو پاک کرتا ہے ۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ، اور تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب کی ۔ وَالْحِكْمَةَ ، اور سنت کی ۔ وَاِنْ كَانُوْا ، اور بے شک وہ تھے ۔ مِنْ قَبْلُ ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے ۔ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ، البتہ کھلی گمراہی میں ۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ، کیا جس وقت پہنچی تمہیں مصیبت ۔ قَدْ

اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ، تم پہنچا چکے تھے اس جیسی دو مصیبتیں۔ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ، تم نے کہا یہ کہاں سے آئی ہے؟۔ قُلْ ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے!۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ، وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے آئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O ، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وَمَا اَصَابَكُمْ ، اور وہ چیز جو تمہیں پہنچی۔ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ، جس دن آمنے سامنے آئیں دو جماعتیں۔ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ، پس اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ O ، اور تا کہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ مومنوں کو۔ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ ، اور تا کہ ظاہر کر دے ان لوگوں کو۔ نَافَقُوْا ، جو منافق ہیں۔ وَقِیْلَ لَهُمْ ، اور کہا گیا ان کو۔ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا ، آؤ لڑو۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ اَوِ ادْفَعُوْا ، یا دفاع کرو۔ قَالُوْا ، کہنے لگے۔ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا ، اگر ہم جانتے لڑائی۔ لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ، البتہ ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ هُمْ لِلْكُفْرِ ، وہ کفر کی طرف۔ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ ، اس دن زیادہ قریب تھے۔ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ، بہ نسبت ایمان کے۔ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ ، کہتے ہیں اپنے مونہوں سے۔ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ، وہ چیز جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ بِمَا یَكْتُمُوْنَ O ، وہ جو چھپاتے ہیں۔

پہلے سے غزوۂ احد کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اور اس سے پہلی آیات میں بیان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بلند اخلاق والے اور نرم واقع ہوئے ہیں لہٰذا اگر ساتھیوں سے کم فہمی کی بنا پر غلطی بھی ہو جائے تو درگزر فرماتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا تم پر احسان ہے کہ میں نے ایسا شان والا پیغمبر تمہاری طرف مبعوث فرمایا ہے ارشادِ ربانی ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ ، البتہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے۔ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ، مومنوں پر۔ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ، جب بھیجا اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک رسول۔ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ، ان کی جانوں میں

سے۔یعنی انہیں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کافروں پر بھی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔لیکن کافروں نے اس احسان سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور مومنوں نے صحیح معنیٰ میں اس احسان سے فائدہ اٹھایا ہے لہٰذا احسان بھی انہیں پر ہے۔جس طرح قرآن پاک سب لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔مگر چونکہ فائدہ اس سے متقی حضرات اٹھاتے ہیں۔اس لئے فرمایا۔"ھُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ" ہدایت ہے پرہیزکاروں کے لئے۔اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کل کائنات کے لئے رحمت ہے اور سب پر رب تعالیٰ کا انعام واحسان ہے۔مگر کافروں نے اس انعام اور احسان کی قدر نہیں کی۔اور مومنوں نے قدر کی ہے۔اور بھیجا بھی انہیں میں سے۔انہی میں سے کا مطلب ہے۔کہ آپ انسانوں میں سے ہیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی اور ہاشمی بھی ہیں۔مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ملائکہ میں سے ہیں،اور نہ ہی جنات میں سے ہیں۔بلکہ جنس انسانی میں سے ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ دوسری نوع اور جنس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔مثال کے طور پر حضرت جبرئیل علیہ السلام جو فرشتوں کے سردار ہیں اگر ان کو انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا جن کو نہ بھوک لگتی ہے،نہ پیاس لگتی ہے۔نہ گرمی،نہ سردی،نہ دکھ نہ تکلیف،وہ ہر چیز سے پاک ہیں۔تو ان کو انسانی ضروریات کا کیا احساس ہوتا؟۔جس کو بھوک کا احساس نہیں ہے،وہ روزے کا کیا حکم دیتا؟ کہ روزے رکھو؟ جس کو گرمی سردی کا احساس نہیں ہے،وہ کیا حکم کرے گا کہ سردیوں میں چاہے پانی ٹھنڈا ہو یا گرم،تم نے غسل بھی کرنا ہے۔اور وضو بھی۔جس کو بیماری کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہے وہ صبر کی کیا تلقین کرے گا جس کا باپ نہیں ہے بیٹا نہیں ہے، بھائی نہیں ہیں،بہنیں نہیں ہیں۔خالائیں اور پھوپھیاں نہیں ہیں۔اس کو ان کے مرنے پر دکھ

اور صدمے کا کیا احساس ہوسکتا ہے؟۔ کہ ان کے مرنے پہ انسان پہ کیا گزرتی ہے؟۔ وہ صبر کی تلقین کرے گا جب اس کو معلوم ہی نہیں ہے کہ موت کا صدمہ کیا ہوتا ہے؟۔ یہاں بشر ہی بشر کی تسلی کا سامان کرسکتا ہے۔ جس کو ان ساری چیزوں کا احساس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اٹھارہ مہینوں کے تھے دودھ پیتے تھے بیمار ہوگئے۔ اور دوسری طرف یہ ہوا کہ مدینہ منورہ سے ایک میل کی مسافت پر ایک مقام تھا ''سرار'' آج کل وہ مدینہ طیبہ کی آبادی میں شامل ہوگیا ہے۔ وہاں ایک آدمی تھا ابوالحداد لوہے کا کام کرتا تھا۔ اس کا دودھ پیتا بچہ فوت ہوگیا اور اس کی بیوی بڑی صحت مند تھی۔ دودھ اس کا وافر تھا۔ اس نے اپنے خاوند کو کہا کہ ہمارا بچہ فوت ہوگیا ہے اور دودھ ضائع جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ تو جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشکش کر کہ وہ اپنا بچہ دودھ پلانے کے لئے ہمیں دے دیں۔ چنانچہ اس کے خاوند نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کیونکہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیٹ سے تھے انہوں نے کہا حضرت بالکل ٹھیک ہے۔ چنانچہ ابوالحداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی بڑی چاہت اور شوق کے ساتھ لے گئی۔ لیکن خدا کی شان کہ کچھ مدت کے بعد وہاں ان کے پاس بیمار ہوگیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضرت بچے کی حالت بڑی نازک ہے آپ تشریف لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بچے کو اٹھایا تو '' نَفْسُهٗ يَتَقَعْقَعُ'' ۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ بے اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حضرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو رونے سے

منع فرماتے ہیں۔ اور اب خود رو رہے ہیں۔ "فَاَشَارَ اِلٰی لِسَانِهٖ" ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے جس رونے سے منع کیا ہے اس کا تعلق زبان کے ساتھ ہے۔ یعنی نوحہ بین کرنا، واویلا کرنا منع ہے۔ دل میں صدمہ ہو اور آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوں۔ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ"، آنکھ آنسو بہاتی ہے۔"وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ"، اور دل غمگین ہے۔"وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا"، مگر ہم زبان سے وہی لفظ نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو۔ "وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ لَمَحْزُوْنُوْنَ"، اور اے ابراہیم بے شک ہم تیری جدائی پر بہت دکھی ہیں۔ (بخاری جلد ا، صفحہ ۱۷۴)۔ ایسے موقع پر تسلی تو بشر ہی دے سکتا ہے۔ فرشتہ کیا تسلی دے گا؟۔ جس کا نہ کوئی رشتہ دار اور نہ قیامت سے پہلے کوئی موت، نہ سر درد، نہ پیٹ درد، نہ گھٹنوں میں درد، نہ ٹخنوں میں درد، اس کے سامنے کوئی جا کر ان چیزوں کا ذکر کرے تو اسے کیا احساس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر احسان فرمایا کہ بشر کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جس کے ساتھ یہ ساری ضرورتیں لگی ہوئی ہیں۔ گرمی بھی لگتی ہے سردی بھی محسوس ہوتی ہے۔ تکلیف کا بھی احساس ہوتا ہے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے میں ایسی تکلیف ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پیشاب نہیں کر سکتے تھے۔ کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ درد شقیقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا پریشان کیا کہ دو دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے۔ ہجرت کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پیاس لگی ہے، کہیں سے پانی تلاش کرو؟۔ تو انسانوں کی

ہدایت کا ذریعہ وہی بنے گا جس کو یہ ساری ضرورتیں پیش آئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویاں فوت ہوئی۔ پھوپھیاں فوت ہوئیں۔ بیٹے فوت ہوئے۔ تین بیٹیاں فوت ہوئیں۔تو انسانوں کے لئے وہی نمونہ بنے گا جس کو صدمات کا احساس ہو۔تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیجا کوئی جن یا فرشتہ نہیں بھیجا۔ پھر چونکہ اول مخاطبین عربی تھے اس لئے عربی بھیجا۔اگر پیغمبر عجمی ہوتا تو وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔اسی آیت کریمہ کے تحت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ جو آخری دور کے عظیم مفسر گزرے ہیں۔حوالہ نقل فرماتے ہیں اور یہ حوالہ عالمگیری، بحرالرائق، اور جتنی مستند کتابیں ہیں ان میں بھی موجود ہے۔کہ شیخ ولی الدین عراقی سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ جاننا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور عربی ہیں صحت ایمان کے لئے شرط ہے۔یا فرض کفایہ ہے تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ یہ صحت ایمان کے لئے شرط ہے۔سو اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تمام مخلوق کے لئے مانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر تھے یا فرشتہ یا جن، یا یہ کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے یا عجمی؟۔ "فَلَا شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ" ۔تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔کیونکہ اس نے قرآن پاک کی تکذیب کی ہے۔اور اس چیز کا انکار کیا ہے جس کی خلف سلف اگلے پچھلے تمام قرون اسلام میں تلقی بالقبول کرتے رہے ہیں۔روح المعانی جلد۴ صفحہ ۱۰۱۔کیونکہ اس بات کا جاننا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور عربی تھے فرض عین ہے۔یعنی ہر مسلمان پر لازم ہے۔اور فرضِ عین کو نہ جاننا کفر ہے۔اور ایک ہوتا ہے فرضِ کفایہ کہ اس کو اگر چند آدمی بھی ادا کر دیں تو باقی بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے جنازہ ہے، کہ کچھ آدمی اس فرض کو ادا کر دیں تو باقیوں پر کوئی گناہ

نہیں ہے۔ اسی طرح تبلیغِ دین فرضِ کفایہ ہے اگر کچھ افراد یہ فرض ادا کر رہے ہیں تو باقی گناہ سے فارغ ہیں۔ اور جو عبادتیں فرضِ عین ہیں ان کا سیکھنا اور ادا کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حلال حرام، یہ ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔ اور ان میں کوئی شخص بھی معذور نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈیوٹیاں بیان فرمائی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کام کون کون سے ہیں۔ فرمایا، یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ، وہ تلاوت کرتا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں۔ یعنی ان کو قرآن مجید پڑھ کے سناتا ہے۔ اور آیات کے اول مخاطبین عربی تھے۔ اور قرآن مجید بھی عربی زبان میں تھا۔ لہٰذا اکثر آیات کا مفہوم وہ خود بخود سمجھ جاتے تھے۔ اور دوسری ڈیوٹی ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ، اور ان کو پاک کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی باطنی گندگی کو دور کرتے ہیں۔ یعنی کفر، شرک، نفاق اور بداخلاقی سے پاک کر کے ایمان توحید اخلاص اور اچھے اخلاق بھر دیتے ہیں۔ حقیقۃً تزکیہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ آتا ہے۔ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ" (پارہ ۱۸)۔ اور اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تزکیہ کی نسبت مجازی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبب ہیں تزکیہ کا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تعلیم دیتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تربیت کی برکت سے ان کے دل پاک ہو جاتے ہیں۔ اور دلوں کا تزکیہ شرعاً مطلوب ہے۔ اور جو صحیح پیری مریدی ہے۔ ٹھگوں کی بات نہیں کرتا۔ ان کی بات کرتا ہوں جو صحیح معنیٰ میں اللہ والے ہیں۔ ان کی پیری مریدی اس آیتِ کریمہ کی تشریح ہے جو مرشد کامل ہیں وہ اپنے مرید کی اخلاقی تربیت کریں گے۔ ان کو سبق دیں گے۔ کہ تم یہ کام کرو اور فلاں کام چھوڑ دو۔ یہ وظیفہ پڑھو، اور فلاں وظیفہ نہ پڑھو۔ تو

اللہ تعالیٰ کے صالح لوگوں کی تعلیم اور تربیت سے انسان کفر شرک سے رسم ورواج سے تکبر بغض کینہ اور حبِّ دنیا، جیسی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ اور اصلاح ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حنظلہ بن سدلیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے تو کہنے لگے ابوبکر میں منافق ہو گیا ہوں۔ فرمایا، سبحان اللہ! تو کس طرح منافق ہو گیا ہے؟۔ کہنے لگے اس طرح کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتا ہوں تو دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب گھر یا بازار جاتا ہوں تو دل کی کیفیّت وہ نہیں رہتی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میں منافق ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس طرح کی کیفیت تو میری بھی ہے۔ لہٰذا آؤ دونوں چلتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے ہیں۔ تو انہوں نے اپنا مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں کی وہ کیفیت جو میری مجلس میں ہوتی ہے۔ وہ اس کے بعد نہیں رہ سکتی۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو رہی ہے۔ وہ دوسری جگہ تو نہیں ہے۔ اس لئے وہ کیفیت کس طرح باقی رہ سکتی ہے)۔ لہٰذا اس کیفیت کے بدلنے سے آدمی منافق نہیں ہو جاتا یہ مسلم شریف کی حدیث کا خلاصہ ہے۔ جو میں نے بیان کیا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں تھوڑی دیر بیٹھنے والے کی اتنی صفائی ہو جاتی تھی کہ ساٹھ ساٹھ سال مجاہدہ اور ریاضتیں کرنے والوں کی اتنی صفائی نہیں ہوتی۔ بزرگانِ دین نے شرعی دائرہ میں رہ کر جو چلہ کشی کی ہے اور ریاضتیں کی ہیں بعض سطحی قسم کے لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انہوں نے غلط کیا ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے چلہ کشی نہیں کی تھی۔ بھائی! ٹھیک ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نے چلہ کشی نہیں کی مگر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ضرورت ہی کیا تھی؟۔ شیشہ صاف ہو تو اس کو صاف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ صاف تو اس وقت کیا جاتا ہے جب اس پر میل کچیل ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شیشے ویسے ہی صاف تھے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے سے اتنے صیقل ہو جاتے تھے کہ ساٹھ سالہ مجاہدے سے بھی وہ کیفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو ان کو مجاہدے کی کیا ضرورت تھی؟۔ کہ وہ چلہ کشی کرتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ اس لئے دلوں کی صفائی کے لئے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ یاد رکھنا! کثرت کے ساتھ ذکر کرنے سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے۔ لہٰذا کلمے کا ورد کرو تیسرا کلمہ پڑھتے رہو۔ استغفار کرو۔ درود شریف پڑھو۔ قرآن پاک کی تلاوت کرو۔ قبر کو یاد کرو۔ آخرت کا خیال کرو۔ اپنی نظر کو محفوظ رکھو۔ اس سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے۔ اور تزکیہ نفس شریعت میں مطلوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا کام۔ فرمایا، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، اور تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب کی اور حکمت کی۔ قرآنِ پاک اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا۔ اور اس کے اولین مخاطبین بھی عربی تھے اس کے باوجود ان کو بعض دفعہ سمجھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ چنانچہ پانچویں پارے میں آتا ہے۔ "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ"۔ جو شخص برا عمل کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیتِ کریمہ سے آخرت کا بدلہ سمجھا۔ کہ قبر میں عذاب ہوگا۔ دوزخ کی سزا ہوگی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت ہم میں سے کون سا ایسا آدمی ہے کہ جس سے کوئی نہ کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ معصوم تو صرف انبیاء ہیں۔ پھر تو کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس بدلے سے

جو تو سمجھا ہے کہ آخرت کی سزا ہوگی قبر میں مار کٹائی ہوگی یہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ مومنوں کو اس کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب مومن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو دنیا میں جو تکلیفیں آتی ہیں۔ وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ (سبحان اللہ)۔ مثلاً سر درد ہے، پیٹ درد ہے۔ ناک میں تکلیف ہے، گھٹنوں میں درد ہو گیا ہے۔ ٹخنوں میں درد ہو گیا، اور کوئی تکلیف ہوگئی۔ کوئی صدمہ پیش آ گیا۔ جیب میں رقم تھی، گر گئی پھر ملی نہیں۔ یہاں تک کہ گرمی سردی بھی مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ کیونکہ ان میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ تو مسلمانوں کو دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جاتا ہے۔ یہ خلاصہ ہے ترمذی شریف کی روایت کا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت آیتِ کریمہ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی تو سمجھ آیا کہ یہ مطلب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت آپ نے فرمایا ہے۔ "مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ عُذِّبَ"، کہ جس سے صحیح معنیٰ میں حساب لیا گیا اس کی خیر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا" (پارہ ۳۰)۔ پس عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ یعنی مومنوں کا حساب آسان ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ مومنوں کا حساب سرسری اور آسان ہوگا وہ یہ ہے کہ حساب کتاب کا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا ہی عرض اور یہی حسابِ یسیر ہے۔ اور میں نے کہا کہ جس سے پوچھ لیا گیا۔ مناقشہ ہوا حساب میں۔ باریکی ہوئی تو ایسا شخص بچ نہیں سکے گا۔ آسان حساب یہ

24

ہے کہ بس حساب پیش کیا گیا کچھ تعرض نہ فرمایا جان بچ گئی۔ تو سرسری حساب اور چیز ہے، اور پورا پورا حساب اور چیز ہے۔ تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آیت سمجھنی پڑی۔ اسی طرح ساتواں پارہ سورۃ انعام میں آتا ہے۔ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْآ اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ O"۔ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمانوں کو ظلم کے ساتھ یہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہوگا۔ اور یہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں''۔ بخاری شریف میں روایت ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سوال کیا۔ "اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ؟" ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جس نے اپنی جان پر زیادتی نہیں کی؟۔ ظلم کا معنیٰ ہے زیادتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مقام پر ظلم سے مراد وہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو، کہ زبانی طور پر کسی سے زیادتی ہوگئی، یا ہاتھ سے ہوگئی، قلم کے ساتھ کسی سے زیادتی ہوگئی۔ ہیں یہ بھی زیادتیاں۔ مگر اس مقام پر ظلم سے مراد شرک ہے۔ تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہو کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمانوں کے ساتھ شرک کی ذرہ بھر ملاوٹ نہیں کی۔ ان کو امن نصیب ہوگا اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت لقمان بن باعور بن ناھور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے ساران رحمہ اللہ تعالیٰ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ "يٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (پارہ ۲)۔ ''اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بڑا ظلم ہے''۔ مطلب یہ ہے کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی کچھ آیتیں سمجھ نہیں آتی تھیں۔ باوجود عربی ہونے کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سمجھاتے تھے۔ چہ جائیکہ آج چودھویں/۱۴ اویں صدی میں کوئی دعویٰ کرے کہ مجھے قرآن پاک سمجھنے کے لئے نہ حدیث کی ضرورت ہے۔ نہ کسی صحابی کی

نہ تابعی کی نہ کسی فقیہ اور امام اور محدث کی ضرورت ہے۔ میں خود قرآن مجید کو سمجھتا ہوں۔ ایسا شخص پرلے درجے کا ملحد اور بے دین ہے۔ یاد رکھنا! قرآن پاک کی وہ تفسیر معتبر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے یا جو تفسیر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کی ہے۔ تابعین نے یا تبع تابعین نے کی ہے۔ اور ائمہ دین نے کی ہے۔ یا فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اور مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ ان بزرگوں پر اعتماد کرو۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کرو یہ جتنے باطل فرقے گمراہ ہوئے ہیں اسی وجہ سے ہوئے ہیں کہ انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کی ہے۔ غلام احمد پرویز ملحد اور بے دین آدمی تھا۔ اس نے چار جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ جس کا نام ''معارف القرآن'' رکھا ہے۔ چونکہ وہ اردو ادب کا بڑا ماہر تھا اس واسطے اردو ادب والے اس کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا! اس میں بڑا کفر بھرا ہوا ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے کہ آج تک میرے بغیر کسی نے قرآنِ کریم کو نہیں سمجھا۔ اور اس کی حیثیت یہ ہے کہ ساری زندگی انگریز کے بوٹ صاف کرتا رہا ہے۔ کیونکہ سرکاری ملازم تھا۔ اور اس کا خاص ملازم جو کافی مدت تک اس کے پاس رہا ہے اس نے مجھے خود یہ بات بتائی ہے کہ ڈاڑھی منڈواتا تھا۔ اور روزے نہیں رکھتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ آج تک جتنی تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ وہ ساری غلط ہیں، سوائے میری تفسیر کے۔ اس کی تفسیر کے زیادہ نہیں صرف ایک حوالہ پیش کرتا ہوں وہ کہتا ہے کہ ''سائنس اگر ثابت بھی کر دے کہ چند منٹوں، سیکنڈوں میں کوئی آدمی چاند پر جا بھی سکتا ہے اور واپس بھی آ سکتا ہے میں پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کو تسلیم نہیں کروں گا''۔ یہ ہے اس کی تفسیر۔ نوجوانو! یاد رکھو۔ ہر تفسیر کو تفسیر نہ سمجھو سلفِ صالحین کا دامن نہ چھوڑو۔ مودودی صاحب

نے بھی اپنی تفسیر اور دیگر کتابوں میں بہت ساری غلط باتیں لکھی ہیں۔ علماء کی ان پر تنقید بے جا نہیں ہے۔ اگر زندگی رہی تو باقی کل بیان کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

کل کے درس میں آپ نے پہلی آیتِ کریمہ کے چند جملوں کی تشریح سنی ۔ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ "البتہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب بھیجا اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک رسول ان کی جانوں میں سے ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان تمام کائنات کے لئے ہے ۔ جنات کے لئے انسانوں کے لئے عربی عجمی سب کے لئے ہے ۔ لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے فائدہ صرف مومنوں نے اٹھایا ہے ۔ اس لئے مومنوں کی تخصیص فرمائی ۔ اور بھیجا بھی انہیں میں سے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں بشر ہیں ، مگر شان اور مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عطاء فرمایا کہ مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے ۔ نہ جنوں کو نہ انسانوں کو ۔ نہ فرشتوں کو ۔ ان سب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بہت بلند ہے ۔ یہ بنیادی عقیدہ ہے اس کو یاد رکھنا بھولنا نہیں ۔ اور کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار تھے ۔ پہلا کام ،يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ، کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھ کے سناتے ہیں ، سننے والے چونکہ عربی تھے اس لئے اکثر آیتوں کا مطلب خود بخود سمجھ جاتے تھے دوسرا کام ،وَيُزَكِّيْهِمْ ، اور ان کو پاک کرتے ہیں ۔ اور یہ بات کل کے درس میں بیان ہو چکی ہے کہ حقیقتاً تزکیہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبب ہیں ۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی برکت سے اور اخلاقِ حسنہ کی برکت سے لوگون کے دلوں کی صفائی ہوتی ہے ۔ تیسرا کام ، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ، اور اللہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب کی ۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم بہت بلند کام ہے ۔ ابنِ ماجہ کی حدیث میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ ایک آدمی سو نفل پڑھتا ہے ۔ (اور سو نفل پڑھنے پر خاصا وقت لگتا ہے) ۔ اور ایک آدمی قرآن شریف کی ایک آیت پڑھتا ہے ۔ تو ایک آیت پڑھنے کا ثواب سو نفل پڑھنے سے زیادہ ہے ۔ اور دوسری

حدیث میں ہے کہ ایک آدمی ہزار نفل پڑھتا ہے (اور اگر رات لمبی ہو تو ایک ہزار نفل اکٹھے پڑھ سکے گا)۔ اور ایک آدمی قرآنِ کریم کی ایک آیت ترجمہ کے ساتھ سیکھتا ہے تو اس کا ثواب ہزار نفل پڑھنے والے سے زیادہ ہے۔ تو قرآن پاک کی تعلیم اس کو سمجھنا سمجھانا بہت بڑی عبادت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا کام، وَالْحِكْمَةَ، اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔ حکمت سے مراد ہے سنت اور حدیث اکثر محدثینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سنت اور حدیث کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ اور بعض حضرات نے سنت اور حدیث میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے فرمائی ہے وہ حدیث ہے اور جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر کیا ہے وہ سنت ہے۔ لیکن نوے فیصد محدثینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سنت اور حدیث کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ تو حکمت سے مراد سنت اور حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حدیث کے الفاظ بھی بیان فرمائے ہیں اور ان کا مطلب اور تشریح بھی بیان فرمائی۔ اس لئے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عربی ہونے کے باوجود بعض احادیث کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ سمجھانے کے لئے میں دو تین باتیں عرض کرتا ہوں۔ نمبر ایک، مسلم شریف میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ"۔ نہیں داخل ہوگا جنت میں وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ حدیث سنی تو پریشان ہو گئے اور تکبر کا معنیٰ یہ سمجھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت آپؐ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے دل میں

رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ پھر تو کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ سارے ہی تکبر کرتے ہیں ہم میں سے کون ہے جو تکبر سے بچا ہوا ہے۔ اس لئے کہ "کُنَّا نُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا"۔ ہم سب پسند کرتے ہیں کہ ہمارے کپڑے اچھے ہوں۔ "وَشَعْرُهٗ حَسَنًا"۔ اور اس کے بال اچھے ہوں۔ یعنی پٹے رکھے ہوئے ہوں اور ان پر تیل لگا ہوا ہو۔ کنگھی کی ہوئی ہو۔ اور مسندِ احمد کی روایت میں ہے۔ "اَنْ یَّکُوْنَ نَعْلُهٗ حَسَنًا"۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا جوتا اچھا ہو۔ یعنی طبعی طور پر پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو۔ وضع قطع اچھی ہو جوتا اچھا ہو اس طرح تو ہم سارے تکبر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو تم تکبر سمجھتے ہو یہ تکبر نہیں ہے۔ یہ تو "تَجَمُّلٌ" ہے خوبصورتی ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ"۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ شرعی دائرے میں رہ کر اچھا ستھرا لباس پہننا اور نفیس اور قیمتی جوتا پہننا تکبر نہیں ہے۔ بلکہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطاء فرمائی ہے کہ اس کی مالی پوزیشن اچھی ہے۔ اور وہ اپنی حیثیت کے مطابق کپڑا اور جوتا نہیں پہنتا۔ تو گنہگار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق عطاء فرمائی ہے اور یہ اپنی حیثیت کے مطابق کپڑے نہیں پہنتا۔ میلا کچیلا رہتا ہے۔ ناشکرا ہے، شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سوال کیا، حضرت پھر تکبر کسے کہتے ہیں؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ"۔ حق کی بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے۔ مثلاً چھوٹی قوم کا کوئی غریب آدمی وڈیرے کو کوئی بات کہے اور وڈیرہ کہے کہ کمی ہو کر مجھے بات سمجھاتا ہے۔ یا بیٹا باپ کو کوئی بات کہے اور وہ کہے کہ بیٹا ہو کر مجھے سمجھاتا ہے۔ یا شاگرد استاد کو کوئی کہے اور

استاذ کہے کہ شاگرد ہو کر مجھے سمجھاتا ہے۔ یہ تکبر ہے۔ یا مرید پیر کو کوئی حق بات کہے اور وہ کہے کہ مرید ہو کر مجھے سمجھاتا ہے۔ یا ویسے ہی دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ بھائی! تجھے کیا معلوم کہ اس کا قد چھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ بڑا ہو اور تیرا قد بڑا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا درجہ چھوٹا ہو۔ اسی طرح کسی کو حقیر سمجھنا تکبر ہے۔ یا گورا کالے کو حقیر سمجھے ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر اس کا رنگ کالا ہے۔ اور باطن گورا ہو اور تیرا ظاہری طور پر رنگ گورا ہے اور اندرونی طور پر کالا ہو۔ یہ تو رب تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنگ کے کالے تھے اندر روشن تھا۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ اور عبدالعزیٰ ابولہب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا اور بڑا خوبصورت تھا۔ لیکن اندر سیاہ تھا۔ دوزخ کا ایندھن بنا۔ تو جو تکبر کرے گا جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ لیکن اس میں بھی تفصیل ہے۔ اگر وہ تکبر کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کفر ہے۔ لہٰذا کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اور اگر تکبر کو حرام سمجھتا ہے۔ مگر کرتا ہے تو گناہ گار ہے۔ پھر "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ" کا مطلب ہوگا۔ کہ اس کو دخولِ اول نصیب نہیں ہوگا۔ سزا بھگتنے کے بعد کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ تو دیکھو! صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تکبر کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا تو سمجھ آیا۔ اسی طرح بخاری شریف مسلم اور دیگر صحاح ستہ کی کتابوں میں حدیث آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ اور ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حیران اور غمگین ہو کر پوچھا۔ "وَمَنْ يُطِيقُ ذٰلِكَ؟" ۔ حضرت اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟۔ کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقے ادا کرے۔ مثال کے طور پر ایک روپیہ کے سو پیسے ہیں۔ اگرچہ اب روپے کی بھی کوئی

حیثیت نہیں ہے۔ایک وقت تھا بچے کو ایک آنہ ملتا تھا تو وہ لڈی ڈالتا تھا۔کہ مجھے آنہ ملا ہے۔
اور اب اٹھنی روپیہ دو تو پھینک دیتا ہے کہ اس کا کچھ نہیں ملتا۔مگر میں سمجھانے کے لئے کہتا ہوں
کہ اگر کوئی ایک جوڑ کے بدلے ایک پیسہ بھی صدقہ کرے تو روزانہ کے تین روپے ساٹھ پیسے
بنتے ہیں۔اور غریب آدمی یہ بھی نہیں کرسکتا۔تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے
پریشان ہو کر سوال کیا کہ حضرت اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ تم صدقے کا مفہوم نہیں سمجھے۔فرمایا! صدقہ صرف گندم چنے ہی دینے کا نام نہیں ہے۔
اگرچہ یہ بھی صدقہ ہے۔فرمایا جنس کے علاوہ صدقے کی اور بڑی قسمیں ہیں۔فرمایا، تم ایک
دفعہ کہو سبحان اللہ، صدقہ ادا ہو گیا۔الحمدللہ کہو، صدقہ ادا ہو گیا۔ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کہو صدقہ ادا ہو
گیا۔اللہ اکبر کہو صدقہ ادا ہو گیا۔سلام کا جواب دیا صدقہ ادا ہو گیا۔تمہیں کوئی تکلیف پہنچی مثلاً
پاؤں میں کانٹا چبھ گیا۔ٹھڈا لگ گیا صدقہ ادا ہو گیا راستے پر پانی کی وجہ سے کیچڑ بن گیا ہے۔تم
نے مٹی ڈال کر راستہ صاف کر دیا تا کہ آنے جانے والوں کو کوئی تکلیف ہو نہ کوئی پھسلے، صدقہ
ادا ہو گیا۔درود شریف پڑھا اس کے ساتھ دس نیکیاں بھی مل گئیں اور اس کے ساتھ صدقہ بھی
ادا ہو گیا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کیا یعنی لوگوں کو نیکی کا کہا کہ بھائی! نماز
پڑھا کرو۔روزہ رکھا کرو۔لوگوں کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔اور برائی سے منع کیا۔
کہ جھوٹ نہ بولو، کسی کی غیبت نہ کرو، صدقہ ادا ہو گیا۔اسی طرح کوئی آدمی گھوڑے پر سوار ہونا
چاہتا ہے۔لیکن ہو نہیں سکتا، تم نے رکھوا دی یہ بھی صدقہ ہے۔یا سر سے نیچے اتروا دی یہ بھی
صدقہ ہے۔اور اگر کوئی آدمی چاہتا ہے کہ ایک ہی کام میں تین سو ساٹھ صدقے آجائیں تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاشت کے دو نفل پڑھ لے۔تو تین سو ساٹھ صدقے

اس میں آ گئے۔اور آج کل چاشت کا وقت تقریباً آٹھ بجے سے لے کر ساڑھے گیارہ بجے تک رہتا ہے۔اگر کوئی کچھ کرنا چاہے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھے اور پھر اپنے وقت میں دو رکعت اشراق کے پڑھے اس کو پورے حج کا ثواب ملے گا۔اور پورے عمرے کا ثواب ملے گا روایت ہے ترمذی شریف کی۔اور یاد رکھنا یہ کوئی ضروری نہیں کہ تم فجر پڑھ کر اشراق کے لئے مسجد میں ہی بیٹھے رہو۔اگر کوئی کاروباری ہے، مسجد میں نہیں بیٹھ سکتا، چلا جائے گھر جا کے پڑھ لے۔جہاں کاروبار کرتا ہے وہاں جا کر پڑھ لے۔اسی طرح اگر کوئی ملازم ہے۔اپنے دفتر میں جا کر پڑھ لے۔دوکان دار ہے، دوکان میں جا کر پڑھ لے۔اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اشراق اسی وضوء کے ساتھ پڑھے کہ جس کے ساتھ فجر پڑھی ہے۔انسان، انسان ہے۔کسی کو معدے کی تکلیف ہوتی ہے کسی کو پیشاب کی تکلیف ہوتی ہے بار بار پیشاب آتا ہے، بعض غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اشراق کے لئے مسجد میں بیٹھنا چاہیے۔اور وضوء بھی فجر والا ہو۔یاد رکھنا! یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے۔تو خیر اللہ تعالیٰ کے خزانے میں تو کوئی کمی نہیں ہے۔کمی ہمارے اندر ہے۔رب تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔تو دیکھو! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صدقے کا مفہوم نہ سمجھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ صدقہ صرف جنس کا نام نہیں ہے۔صدقے کے اور بھی بڑے طریقے ہیں۔تو آپ نے کتاب کی بھی تعلیم دی سنت کی بھی تعلیم دی۔ وَإِنْ كَانُوْا، اور بے شک وہ تھے۔ مِنْ قَبْلُ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے۔ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، البتہ کھلی گمراہی میں۔جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے۔حتیٰ کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔پوری قوم شرک کی لعنت میں گرفتار تھی۔سوائے اِکّا دُکّا کے اور اخلاقیات کی بھی یہی پوزیشن تھی، جو آج

کل ہے۔ قتل، اغوا، لوٹ کھسوٹ، بدکاری بدمعاشی آج کل کی طرح تھی۔ ہم نے امن کا زمانہ دیکھا ہے۔ حقیقت پوچھو تو لوگ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کی حکومت سے انگریز کی حکومت اچھی تھی۔ کہ کم از کم جان تو محفوظ تھی۔ آج کل تو کسی کی جان بھی محفوظ نہیں ہے۔ آج یہ لٹیرے ساری دولت کھا گئے ہیں اور عوام رو رہے ہیں اگلی آیات کا تعلق بھی غزوۂ احد کے ساتھ ہے اس جنگ میں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ ستر مسلمان شہید ہوئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس پر چوٹیں آئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی فرمایا۔ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ ، کیا جس وقت پہنچی تمہیں مصیبت۔ احد کے میدان میں کہ ستر آدمی تمہارے شہید ہوئے، اور باقی زخمی ہوئے۔ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا ، تم پہنچا چکے تھے اس جیسی دو مصیبتیں۔ بدر میں کہ ان کے ستر آدمی مارے اور ستر گرفتار کئے۔ اور اب احد میں تمہیں پہنچی ہے۔ تو قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا ، تم نے کہا یہ کہاں سے آئی ہے؟۔ قُلْ ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے!۔ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ ، وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے آئی ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمیوں کو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی امارت میں ایک اہم مورچے جبلِ رُماۃ پر بٹھایا تھا۔ اور فرمایا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے اس مورچے کو نہیں چھوڑنا۔ مگر ان سے غلطی ہوگئی کہ مورچہ چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی نافرمانی ہوئی۔ اور اس کے نتیجہ میں یہ تکلیف آئی۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O ، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وَمَا اَصَابَکُمْ ، اور وہ چیز جو تمہیں پہنچی۔ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ، جس دن آمنے سامنے آئیں دو جماعتیں۔ کہ فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ اور مالِ غنیمت بھی تمہارے ہاتھ سے نکل

گیا۔ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ ، پس اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ O ، اور تاکہ ظاہر کردے اللہ تعالیٰ مومنوں کو۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ ، اور تاکہ ظاہر کردے ان لوگوں کو۔ نَافَقُوْا ، جو منافق ہیں ایمان والوں سے۔ کیونکہ سختی نہ آئے تو جھوٹے سچے خلط ملط رہتے ہیں۔ مخلص غیر مخلص کا پتہ نہیں چلتا۔ اور سختی کے موقع پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مخلص لوگ نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا ، اور کہا گیا ان کو آؤ لڑو۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰہِ ، اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ اور اگر لڑنا نہیں چاہتے تو ، اَوِ ادْفَعُوْا ، یا دفاع کرو۔ حملہ ہو چکا ہے۔ جانیں تو بچاؤ نا۔ قَالُوْا ، کہنے لگے۔ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا ، اگر ہم جانتے لڑائی۔ یعنی ہم یہ سمجھیں کہ یہ لڑائی ہے۔ اتَّبَعْنٰكُمْ ، البتہ ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ تمہارا ساتھ دیتے۔ یہ کوئی لڑائی تھوڑی ہے۔ یہ تو سیدھا موت کے منہ میں جانا ہے۔ کہ یہ تھوڑے سے آدمی بھلا ساری دنیا کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ ، وہ کفر کی طرف اس دن زیادہ قریب تھے۔ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ، بہ نسبت ایمان کے۔ یعنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ لیکن دل کافروں کے ساتھ اور بات تو دل کی ہوتی ہے۔ زبان کا کیا ہے۔ دو تولے کی زبان جدھر چاہو پھیر لو۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ، کہتے ہیں اپنے مونہوں سے وہ چیز جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں۔ مگر دل میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ مسلمان ختم ہو جائیں۔ مسلمانوں کے ساتھ اپنے مونہوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی واہی تباہی باتیں کرتے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ O ، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ جو چھپاتے ہیں۔ ان کی ساری حقیقت رب تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَاقُتِلُوْا ۚ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

اَلَّذِيْنَ، وہ (کفر کے زیادہ قریب ہیں)۔ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ، جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں۔ وَقَعَدُوْا، اور خود جہاد سے بیٹھے رہے (کہا انہوں نے)۔ لَوْ اَطَاعُوْنَا، اگر وہ ہماری بات مان لیتے۔ مَاقُتِلُوْا، نہ قتل کیے جاتے۔ قُلْ فَادْرَءُوْا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے! پس تم ٹال دو۔ عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ، اپنی جانوں سے موت کو۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O، اگر ہو تم سچے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ، اور ہرگز نہ خیال کرنا ان لوگوں کے بارے میں۔ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، جو قتل کیے گئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ اَمْوَاتًا، مردے۔ بَلْ اَحْيَآءٌ، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ O، اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ فَرِحِيْنَ، خوش ہیں۔ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ، ان نعمتوں پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے دیں۔ مِنْ

فَضْلِہٖ ،اپنے فضل سے۔وَیَسْتَبْشِرُوْنَ،اور خوشی مناتے ہیں۔بِالَّذِیْنَ،ان لوگوں کے بارے میں۔لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ، جو ابھی تک ان کو نہیں ملے۔مِّنْ خَلْفِھِمْ ،ان کے پچھلوں سے۔اَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ ،یہ کہ نہ خوف ہوگا ان پر۔وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O،اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔یَسْتَبْشِرُوْنَ،خوشی مناتے ہیں۔بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ ،اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ۔وَفَضْلٍ ،اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ۔وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ ،اور بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا۔اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ O ایمان والوں کا اجر۔

پہلے سے غزوۂ احد کا ذکر چلا آرہا ہے۔مجاہدین اسلام جس وقت ہتھیار لے کر اپنے گھروں سے چلنے لگے تو منافقوں نے ان کو روکنے کی بڑی کوشش کی کہ موت کے منہ میں نہ جاؤ اس لئے کہ گزشتہ سال تم نے ان کے ستر مارے اور ستر قید کئے ان کو اس کا بڑا غصہ ہے۔قریشی بڑی تعداد میں لشکر لے کر آئے ہوئے ہیں۔اور ان کے ساتھ ان کے حمایتی بھی ہیں۔وہ تم سے پچھلے سال کا بدلہ لیں گے۔یہ منافق چونکہ مسلمانوں کے رشتہ دار تھے کوئی کسی کا باپ، کسی کا بھائی تھا، کوئی کسی کا سالا تھا۔کسی کا بہنوئی تھا۔اس لئے روکنے کی پوری کوشش کی۔تو ان منافقوں کا ذکر ہے۔فرمایا،اَلَّذِیْنَ، وہ (منافق کفر کے زیادہ قریب ہیں)۔قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ ،جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کو (کیونکہ وہ آپس میں رشتہ دار تھے)۔وَقَعَدُوْا،اور خود جہاد سے بیٹھے رہے (جہاد کے لئے گئے نہیں۔جو جہاد کے لئے گئے اور شہید ہو گئے ان کے متعلق کہا۔لَوْ اَطَاعُوْنَا، اگر وہ ہماری بات مان لیتے۔مَاقُتِلُوْا، نہ قتل کئے جاتے۔ہم نے تو ان کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ موت کے منہ میں نہ جاؤ لیکن انہوں نے ہماری بات نہیں کی۔ اس لئے قتل اور شہید ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، دوسروں کو موت سے بچنے والا نسخہ بتانے والو! تم خود کر لو۔

قُلْ فَادْرَءُ وْا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے! پس تم ٹال دو۔عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ ، اپنی جانوں سے موت کو۔اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ☆ ، اگر ہو تم سچے۔ حالانکہ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا" ۔ جہاں بھی تم ہو گے۔يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ" ۔ پالے گی تمہیں موت۔"وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" (پارہ ۵)۔اگر چہ ہو تم مستحکم قلعوں میں۔موت سے نہیں بچ سکتے۔مثال کے طور پر اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی ایسا مکان تیار کر لے کہ جس میں نہ روشن دان ہو نہ کھڑکیاں نہ دروازے ہوں بلکہ سوئی داخل ہونے کا بھی سوراخ نہ ہو اور اس میں چھپ کر بیٹھ جائے کہ موت سے بچ جائے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے مکان میں بھی نہیں بچ سکتا۔"وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" اگر چہ تم ایسے قلعوں میں چھپ جاؤ کہ جن میں سوئی داخل ہونے کی بھی جگہ نہیں ہے۔موت سے نہیں بچ سکتے۔موت وہاں بھی آئے گی۔ کیونکہ فرشتوں کے لئے یہ پکی دیواریں ایسی ہی ہیں جیسے پرندوں کے لئے ہوا۔جس طرح ہوا پرندوں کو نہیں روک سکتی اس طرح یہ پکی دیواریں فرشتوں کو نہیں روک سکتیں۔دیکھو بچہ جان پڑ جانے کے بعد پانچ ماہ ماں کے پیٹ میں زندہ رہتا ہے۔ظاہری طور پر نہ وہاں ہوا جا سکتی ہے۔نہ خوراک۔رب تعالیٰ کی قدرت اور نظام ہے کہ اس نے انتڑیوں کو ماں کے پیٹ سے جوڑ دیا۔اس کو خون کے ذریعے خوراک پہنچتی رہتی ہے۔اندر نہ پیشاب نہ پاخانہ مگر بچہ پلتا رہتا ہے۔ماں کے پیٹ میں نقل و حرکت بھی کرتا ہے۔ رب تعالیٰ رحمِ مادر میں سب کچھ تیار کر دیتا ہے۔اور بعض بچے رحمِ مادر میں ہی فوت ہو جاتے ہیں۔فرشتہ وہاں بھی پہنچ جاتا ہے۔جب کہ رحم میں سوئی داخل ہونے کا سوراخ بھی نہیں ہوتا۔ تو فرشتوں سے کہاں چھپو گے۔موت کا وقت مقرر ہے۔وہ ٹل نہیں سکتا۔اور آدمی نے جس جگہ

مرنا ہوتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ موت کی جگہ تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ اس کی کوئی ضرورت وہاں پیدا فرما دیتا ہے۔ وہ ضرورت اس کو وہاں لے جاتی ہے۔ تو موت سے آدمی نہیں بچ سکتا۔ ہاں شرعی دائرے میں رہ کر اسباب کو کام میں لانے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "خُذُوْا حِذْرَکُمْ" (پارہ ۵)۔ دشمن سے اپنے بچاؤ کا جتنا انتظام ہو سکتا ہے کرو اور رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے اللہ کے بندو! جب تم بیمار ہو تو علاج کراؤ۔ تو اگر علاج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کرایا جاتا ہے تو ثواب ملے گا باقی علاج سے موت نہیں ٹلتی۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں قابل سے قابل ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ تو زندگی بڑھ جائے گی۔ یا کسی حاذق حکیم کے پاس جانے سے زندگی کا کوئی دن بڑھ جائے۔ یا قیمتی سے قیمتی دوائی کھانے سے یا اعلیٰ قسم کے ٹیکے لگوانے سے سانس بڑھ جائے گا۔ (حاشا و کلا)۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ موت کا جو وقت لکھا ہوا ہے اس سے ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ باقی عالمِ اسباب میں اسباب کو کام میں لانا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب آرام فرماتے تھے تو ساتھی باقاعدہ پہرہ دیتے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔ "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" ۔ (پارہ ۶)۔ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہرہ دے رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد! اب تو چلا جا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے۔ یعنی اب اسباب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ منافقوں نے کہا تھا کہ اگر ہماری بات مان جاتے تو نہ مرتے آگے اس کا جواب دیا ہے کہ جن کو تم مردہ کہتے ہو ان کو تو حیاتِ جاوداں مل چکی ہے۔ فرمایا، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ، اور ہرگز نہ

خیال کرنا ان لوگوں کے بارے میں جو قتل کیے گئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ اَمْوَاتًا، (ان کو) مردے (نہ خیال کرنا)۔ بَلْ اَحْيَآءٌ، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ، اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ یعنی جو لوگ دین کی سربلندی کے لئے شہید ہوئے ہیں۔ اور اقامتِ دین کے لئے انہوں نے جان دی ہے۔ ان کو مردہ مت گمان کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ ختم ہو گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور ان کو رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ اور دوسرے پارے میں تم پڑھ چکے ہو۔ "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ"۔ اور نہ کہو ان لوگوں کے متعلق جو قتل کیے گئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کہ وہ مردے ہیں۔ تو یہاں پر کچھ باتیں سمجھنے والی ہیں۔ وہ یہ کہ جو حضرات کافروں کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں۔ ان میں بعض ایسے شہداء بھی ہوتے ہیں۔ یہ ظالم ان کے سر کو دھڑ سے الگ کر دیتے ہیں۔ اور اس حقیقت کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ نہ شریعت انکار کرتی ہے۔ کہ اس کے بدن سے روح نکل جاتی ہے۔ اور شہید کو باقاعدہ دفن کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مال میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ یعنی ان کا مال شرعی وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اور عدت کے بعد اس کی بیوی آگے نکاح بھی کر سکتی ہے۔ جب کہ زندہ آدمی کا نہ مال وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ نہ اس کی بیوی آگے نکاح کر سکتی ہے۔ دیکھو ایک آدمی کو سزائے موت ہو جاتی ہے۔ اور حکومت فیصلہ سنا دیتی ہے کہ یہ زندہ جیل سے نہیں جا سکتا۔ پھر اس کے باوجود نہ اس کے مال میں وراثت جاری ہوگی نہ اس کی بیوی آگے نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ زندہ ہے۔ اسی طرح ایک آدمی کو عمر قید کی سزا ہو جاتی ہے۔ اور حکومت فیصلہ سنا دیتی ہے کہ جب تک یہ مرے گا نہیں جیل سے باہر نہیں جا سکتا۔ اس کا مال بھی وارثوں میں تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس کی بیوی آگے نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ زندہ ہے۔ اگرچہ عمر قید کی سزا

ہے۔ مگر شہادت کے بعد شہید پر وہ سارے احکامات جاری ہوتے ہیں۔ جو دنیا کی زندگی ختم ہونے کے احکامات ہیں کہ دفن بھی کیا جائے گا مال میں وراثت بھی جاری ہوگی عدت کے بعد اس کی بیوی آگے نکاح بھی کرسکتی ہے۔ اوران سب احکامات کے جاری ہونے کے باوجود وہ زندہ ہے۔ کیونکہ اس کی یہ زندگی قبر کی زندگی ہے۔ برزخ کی زندگی ہے۔ جنت کی زندگی ہے، دنیا کی زندگی تو ختم ہوگئی۔ اور اگر دنیا کی زندگی ہو دنیا میں زندہ ہو۔ پھر اس کی وراثت نہیں تقسیم ہوسکتی۔ کیونکہ زندہ کی وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کی بیوی آگے نکاح بھی نہیں کرسکتی۔ تو شہداء اور دوسرے مردوں کی زندگی اگلے جہاں کی زندگی ہے۔ اور یہ زندگی روح کے جسم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بات صحیح متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جنازہ پڑھنے کے بعد آدمی کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کی روح کو جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ "فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ" (مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷) پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ یہ متواتر اور مشہور حدیث ہے۔ تو روح کے جسم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے وہ زندہ ہے۔ اور بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ" ۔ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے۔ "وَتَوَلّٰی وَذَهَبَ اَصْحَابُهٗ" ۔ اور اس کے ساتھی اس سے چلے جاتے ہیں۔ "حَتّٰی اَنَّهٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ" ۔ ابھی وہ جانے والوں کی جوتیوں کی کھنکھناہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے۔ "اَتَاهُ مَلَكَانِ" ۔ (الحدیث، بخاری ج ۱ ص ۱۷۸) کہ اچانک دو فرشتے آجاتے ہیں تو مردہ دفن کے بعد قبر میں قبر سے واپس ہونے والے لوگوں کی جوتیوں کی آہٹ اور آواز سنتا ہے۔ اہلِ حق کا یہی

مذہب ہے، معتزلہ، رافضیوں اور خارجیوں کے سوا اس کا کوئی منکر نہیں ہے۔ باقی اس کی زندگی کو ہم سمجھ نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" (پارہ ۲)۔ اور لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شہید کی قبر کھل جائے تو نہ وہ تمہارے ساتھ بات کرے گا اور نہ ہی اس کی کوئی نقل وحرکت ہوگی۔ مگر ہے وہ زندہ اور یہ زندگی دنیا والی نہیں ہے۔ پھر اگر وہ زندہ نہیں ہے تو اس سے سوال جواب کا کیا مطلب ہے کہ ابھی وہ دفنا کے جانے والوں کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ کہ دو فرشتے آجاتے ہیں۔ اور اس سے سوال کرتے ہیں۔ "مَنْ رَّبُّکَ؟" ۔ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب بھی دیتا ہے "رَبِّیَ اللّٰہُ" میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر سوال کرتے ہیں۔ "مَنْ نَبِیُّکَ؟" تو کس نبی کا امتی ہے؟۔ وہ جواب دیتا ہے۔ "نَبِیِّ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم" ، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں۔ پھر سوال کرتے ہیں۔ مَادِیْنُکَ؟" تو کس دین پر ہے؟۔ وہ کہتا ہے۔ "دِیْنِیَ الْاِسْلَام" ۔ میرا دین اسلام ہے۔ جب وہ امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے تو جہنم کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے۔ وہ گھبرا جاتا ہے۔ کہ میں نے تو سوالوں کے جواب بھی صحیح دیئے ہیں پھر مجھے یہ آگ کیوں دکھائی گئی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ گھبرا نہیں یہ تیرا ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ تجھے صرف اس واسطے دکھایا گیا ہے کہ تجھے معلوم ہو کہ ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تجھے کیسی سخت جگہ سے بچایا ہے۔ پھر فوراً جنت کی طرف سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ اور جنت کی ہوا اور خوشبوئیں اسے نصیب ہوتی ہیں اور فرشتے کہتے ہیں کہ اب تو دلہن کی طرح بڑے سکون سے سو اور اگر کافر ہے منافق ہے بے ایمان ہے اس سے پوچھتے ہیں۔ "مَنْ رَّبُّکَ؟" ۔ تیرا رب کون ہے؟۔ وہ کہتا ہے "ھا، ھا لَاۤ اَدْرِیْ" میں نہیں جانتا۔ "مَنْ نَبِیُّکَ"؟ کہتا ہے "ھا، ھا لَاۤ اَدْرِیْ" میں نہیں

جانتا۔"مَادِیْنُکَ"؟ میں نہیں جانتا۔ پھر اسے فرشتے مارتے ہیں حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس پر ایسا فرشتہ مسلط کیا جاتا ہے۔"اَعْمٰی وَاَصَمُّ" جو اندھا اور بہرہ ہوتا ہے۔ اور اس کو ایسے زور سے ہتھوڑے مارے جاتے ہیں کہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر ماریں جائیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور اس کی خوب پٹائی ہوتی ہے۔ اب دیکھو وہ فرشتوں کے سوالوں کو سمجھتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔ اور اس کے جوابوں کا اعتبار بھی ہے کہ اس پر جزاء سزا ہے۔ اگر نیک ہے تو اس کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دیا جاتا ہے۔ اور اگر بد ہے تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنا دیا جاتا ہے۔ اگر زندگی نہیں ہے تو ان چیزوں کی کیا حیثیت زندگی کے بغیر وہ عذاب ثواب کس طرح محسوس کرتا ہے۔ اس لئے یاد رکھنا قبر کی زندگی حق ہے۔ اور یہ زندگی روح کے جسم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہے۔ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عقائد کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ "الفقہ الاکبر" اس میں انہوں نے جہاں یہ مسئلے بیان فرمائے ہیں کہ جنت حق ہے دوزخ حق ہے۔ حساب کے لئے ترازو حق ہے۔ حشر نشر حق ہے۔ پل صراط حق ہے۔ وہاں یہ بھی بیان فرمایا کہ۔ "وَاِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلَى الْعَبْدِ فِىْ قَبْرِهٖ حَقٌّ"۔ قبر میں روح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔ تو اہلِ حق شہداء کی برزخی زندگی کے بھی قائل ہیں۔ اور عام مردوں کی زندگی کے بھی قائل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی زندگی تو سب سے اعلیٰ ہے۔ صحیح حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَاءٌ فِىْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ" حضرت انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ زندہ ہیں تو روضہ اقدس پر پڑھا جانے والا درود شریف سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ "مَنْ صَلّٰی عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ" ۔جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں ۔ "وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ بَعِیْدٍ اُعْلِمْتُہٗ" ۔اور جس نے مجھ پر دور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے بواسطہ فرشتوں کے بتلایا جاتا ہے۔اور ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ میں سلام کا جواب بھی دوں گا۔ یادرکھنا یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے۔قرآن حدیث کا بڑا مضبوط اور پختہ مسئلہ ہے۔دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی جناب مفتی مہدی حسن خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے عقیدے والے آدمی کے پیچھے جو قبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا قائل نہیں ہے نماز مکروہ ہے۔ اور اسی فتوے کی تائید کی ہے۔استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب مغفور ومرحوم نے۔اور مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مرحوم ومغفور نے بھی فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبر کا قائل نہیں ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ قرآن پاک کے خلاف ہے۔لہٰذا اپنی نمازیں ضائع نہ کرنا۔معتزلہ وغیرہ باطل فرقے کہتے ہیں کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف روح کی زندگی ہے۔ یہ بھی غلط کہتے ہیں کیونکہ روح کے جسم کے ساتھ تعلق پر صحیح حدیث موجود ہے۔جو آپ پہلے سن چکے ہیں۔پھر اگر زندگی نہیں ہے تو قبر میں جزا سزا کیسی ہے۔اور کس کو ہو رہی ہے؟۔دیکھنا آج کل ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے۔مماتی ممکن ہے کہ وہ تمہیں دھوکہ دیں کہ قبر میں جو زندگی ہے وہ روح کی ہے۔جسم کی نہیں ہے۔اور عام طور پر وہ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ قبر کی زندگی تو ہے مگر جسدِ عنصری کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔لیکن قرآن پاک ان کے اس نظریے کی تردید کرتا ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔ "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا" ۔اور ہرگز نہ گمان کرنا ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے گئے

کہ وہ مردہ ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ قتل روح ہوئی ہے یا جسم۔جس کو قتل کیا گیا ہے وہی زندہ ہے۔اور دوسرے پارے میں ہے۔"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ"۔اور جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردہ نہ کہو۔"بَلْ اَحْیَآءٌ"۔بلکہ وہ زندہ ہیں۔تو جو قتل کیا گیا ہے۔وہی زندہ ہے۔قتل جسم ہوتا ہے۔روح تو نہیں ہوتی۔لہٰذا زندہ بھی جسم ہے۔اسی طرح بعض لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ سزا اور جزاء جسم مثالی کو ہوتی ہے۔یہ بھی غلط کہتے ہیں۔پہلے تم جسدِ مثالی کا مطلب سمجھو۔وہ اس طرح کہ تم رات کو خوابیں دیکھتے ہو۔کسی کو خوابیں زیادہ آتی ہیں۔کسی کو کم۔سوداوی اور تبخیری مزاج والے کو زیادہ آتی ہیں۔اور دوسروں کو کم مگر آتی سب کو ہیں۔خواب سے خالی کوئی آدمی نہیں ہے۔تو خواب میں دوسروں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ایک دوسرے کو کھلاتے پلاتے بھی ہو۔باتیں بھی ہوتی ہیں۔دشمنوں سے بھی ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔کبھی تم ان کو مارتے ہو کبھی خود مار کھاتے ہو۔صبح کو تم ان سے پوچھو کہ رات میری تیرے ساتھ ملاقات ہوئی ہے اور میں نے تیری یہ خدمت کی ہے۔تو وہ انکار کرے گا۔کہ مجھے تو کوئی علم نہیں ہے۔کیونکہ رات کو جس سے ملاقات ہوئی ہے وہ جسمِ مثالی تھا۔اصل نہیں تھا۔اصل کو معلوم ہی نہیں ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے بدکاری کی دعوت دی تو یعقوب علیہ السلام سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔انگلی منہ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ کام نہیں کرنا۔تو یہ یعقوب علیہ السلام کا جسدِ مثالی تھا۔خود حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا۔کیونکہ اگر ان کو علم ہوتا کہ میرا بیٹا یوسف مصر کے بادشاہ کے گھر ہے تو رو رو کر اپنی بینائی نہ ضائع کرتے۔حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکتوب میں اس پر خاصی بحث فرمائی ہے۔اسی طرح ان کے فرزند خواجہ محمد معصوم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوبات معصومیہ میں بھی

اس موضوع پر خاصی بحث فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے نیک لوگوں کے اجسادِ مثالیہ کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے۔ اور اجسادِ مثالیہ بعینہ اصل کی طرح ہوتے ہیں۔ جس نے ملاقات کی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ سے ملاقات کی ہے۔ حالانکہ اس بزرگ کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ملاقات جسدِ مثالی سے ہوئی ہے۔ اسی طرح بسا اوقات آدمی کہیں پھنس جاتا ہے۔ تو اجسادِ مثالیہ آ کر راہنمائی کرتے ہیں۔ اصل کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جزا سزا مثالی کو ہوتی ہے۔ وہ بھی غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ گرمی سردی کی تکلیف تو برداشت کرے جسدِ عنصری ٹھنڈے پانی کے ساتھ وضوء اور غسل تو کرے جسدِ عنصری اور مزے اڑائے جسدِ مثالی۔ اسی طرح گناہ تو کرے جسدِ عنصری اور سزا بھگتے جسدِ مثالی۔ یہ کون سا انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل تو ہو جسدِ عنصری اور زندگی ملے جسدِ مثالی کو۔ یہ عجیب منطق ہے۔ لہٰذا صحیح عقیدہ اور نظریہ یہی ہے۔ کہ حیاتِ برزخیہ فی القبر روح کے تعلق کے ساتھ جسدِ عنصری کو حاصل ہے۔ عام مردے اور شہداء جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ، خوش ہیں ان نعمتوں پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے دیں۔ مِنْ فَضْلِهٖ، اپنے فضل سے۔ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ، اور خوشی مناتے ہیں۔ بِالَّذِيْنَ، ان لوگوں کے بارے میں۔ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ، جو ابھی تک ان کو نہیں ملے۔ مِّنْ خَلْفِهِمْ، ان کے پچھلوں سے۔ یعنی پچھلوں کے متعلق کہتے ہیں کہ خدا کرے وہ بھی شہید ہو کر آئیں۔ اور ہمارے جیسے درجے پائیں۔ اَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، یہ کہ نہ خوف ہوگا ان پر۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ آئندہ کسی چیز کا خطرہ ہو تو اس کو خوف کہتے ہیں۔ اور جنت میں ان کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اور گزشتہ کسی چیز کے ضائع ہونے پر افسوس کرنے

کو حزن کہتے ہیں۔ کہ کاش ہم اس طرح کرتے، اور اس طرح کرتے۔ اور وہ چونکہ ساری نیکیاں کر چکے ہیں۔ اس واسطے ان کو گزشتہ پر بھی افسوس نہیں ہوگا۔ یَسْتَبْشِرُوْنَ، خوشی مناتے ہیں۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ۔ وَفَضْلٍ، اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ، اور بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا۔ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ O ایمان والوں کا اجر۔ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ مومنوں کو اجر ضرور دے گا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا ، وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا۔ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ، اللہ تعالیٰ کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ مِنْ ، بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ ، بعد اس کے کہ ان کو پہنچا۔ الْقَرْحُ ، زخم۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا ، ان لوگوں کے لئے جنہوں نے نیکی کی۔ مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا ، ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔ اَجْرٌ عَظِیْمٌ O ، اجر ہے بڑا۔ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ ، وہ لوگ ہیں کہا ان کو۔ النَّاسُ ، لوگوں نے۔ اِنَّ النَّاسَ ، بے شک لوگوں نے۔ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ، تحقیق جمع کئے ہیں لشکر تمہارے لئے۔ فَاخْشَوْهُمْ ، پس تم ان سے ڈرو۔ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ، پس زیادہ کر دیا اس بات نے ان

کے ایمان کو ۔ وَ قَالُوْا ، اور کہا انہوں نے ۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ ، ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے ۔ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ ، اور اچھا ہے کارساز ۔ فَانْقَلَبُوْا ، پس وہ لوٹے ۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ، اللہ تعالیٰ کی نعمت لے کر اور اللہ تعالیٰ کا فضل لے کر ۔ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ، نہ پہنچی ان کو کوئی تکلیف ۔ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ، اور انہوں نے پیروی کی اللہ تعالیٰ کی رضاء کی ۔ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○ ، اور اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی کرنے والا ہے ۔ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ ، پختہ بات ہے (وہ جو تمہیں ڈراتا تھا) وہ شیطان ہے ۔ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ، وہ ڈراتا ہے اپنے ساتھیوں سے ۔ فَلَا تَخَافُوْهُمْ ، پس تم ان سے خوف نہ کرو ۔ وَ خَافُوْنِ ، اور مجھ سے خوف کرو ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ، اگر ہو تم مومن ۔ وَلَا يَحْزُنْكَ ، اور تجھے غم میں نہ ڈالیں ۔ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ ، وہ لوگ جو دوڑ کے جاتے ہیں ۔ فِي الْكُفْرِ ، کفر میں ۔ اِنَّهُمْ ، بے شک وہ ۔ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ، ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی ۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ ، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ۔ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ ، اس چیز کا کہ نہ کرے ان کے واسطے ۔ حَظًّا ، حصہ ۔ فِي الْاٰخِرَةِ ، آخرت میں ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ، اور ان کے لئے عذاب ہوگا بڑا ۔

پہلے سے غزوہ احد کا ذکر چلا آرہا ہے ۔ جو آپ تفصیل کے ساتھ سن چکے ہیں کہ مسلمانوں کو پہلے فتح ہوئی ۔ پھر بعض صحابہ کی غلطی کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہوگئی ۔ میدان کافروں کے ہاتھ چلا گیا ۔ اور مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا ۔ ستر ساتھی شہید ہوئے اور باقی زخمی فتح حاصل کرنے کے باوجود بغیر کسی ظاہری سبب کے کافر میدان چھوڑ کر چلے گئے ۔ بس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ۔ مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام پر جب پہنچے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ بھائی جب ہماری فتح ہوگئی تھی تو ان کا صفایا کیے بغیر ہم

کیوں آگئے؟ ۔یعنی جو مسلمان بچ گئے تھے ان کا بھی صفایا ہو جانا چاہیے تھا۔ ایک نے کہا میں نے تجھے آتے دیکھا میں بھی چل پڑا دوسرے نے کہا میں نے تجھے آتے دیکھا میں بھی چل پڑا۔ تو ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کہنے لگے اب بھی پلٹ کر ان کا صفایا کر دینا چاہیے۔ چنانچہ وہ حمراء الاسد کے مقام پر کافی دن ٹھہرے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ وہ حمراء الاسد کے مقام پر اکٹھے ہو رہے ہیں اور تازہ دم ہو کر دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ماندہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جو زخموں سے چور تھے۔ جمع فرمایا، کہ پہلے اس سے کہ مشرکین پلٹ کر ہم پر حملہ کریں کیوں نہ ہم ان کا تعاقب کر کے ان کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اگرچہ تھکے ماندے اور زخموں سے چور چور تھے۔ پھر لڑنے کی حامی بھر لی۔ اور تیار ہو گئے۔ اگرچہ ایسے موقع پر دوبارہ لڑنے کی حامی بھرنی مشکل ہوتی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے ان تکلیفوں کو برداشت کرتے تھے۔ اس کا ذکر ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا ، وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا۔ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ، اللہ تعالیٰ کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ، بعد اس کے کہ ان کو پہنچا زخم۔ احد کے موقع پر ان کو کافی جانی نقصان برداشت کرنا پڑا کہ ستر ساتھی شہید ہو چکے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت بہت سے ساتھی زخمی تھے۔ کسی نے بازو پر پٹی باندھی ہوئی ہے۔ کسی نے سر پر کسی نے ٹانگ پر، لیکن اس کے باوجود حمراء الاسد کے مقام پر جا پہنچے کافروں نے جب سنا مسلمان زخمی حالت میں بھی حملے کے لئے ہماری طرف آ رہے ہیں۔ تو گھبرا گئے کہنے لگے زخمی شیر کا حملہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔ اس موقع پر معبد خزاعی جس کا تعلق قبیلہ بنو خزاعہ سے تھا ابھی تک

مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مگر دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرف دار تھا۔ بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے۔ اور قبیلہ بنو خزاعہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ کافر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھل کر مخالفت نہیں کی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہی کرتے رہے ہیں۔ تو معبد خزاعی مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ جس وقت وہاں پہنچا جہاں کافروں نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ کافروں نے ان سے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے زخمیوں کو دیکھا ہے؟۔ اس نے کہا کہ وہ تو تازہ دم ہو کر آئے ہوئے ہیں اور پہلے سے زیادہ مستعد ہیں۔ اور آدمی بھی کافی ہیں۔ (تاکہ یہ سمجھیں کہ اور آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں)۔ لہٰذا تم یہاں نہ ٹھہرو۔ اس بات نے بھی ان کے دلوں میں رعب ڈالا۔ تو وہ وہاں سے بھاگ گئے۔ کہ یہ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے اور وہاں تین دن قیام فرمایا۔ سترہ /١٧ اٹھارہ /١٨، انیس /١٩ شوال بروز سوموار منگل بدھ۔ تین دن کے انتظار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا، ان لوگوں کے لئے جنہوں نے نیکی کی۔ مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا، ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝، اجر ہے بڑا۔ اس موقع پر قبیلہ عبدالقیس کے تاجروں کا ایک قافلہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف آ رہا تھا۔ اس قافلہ کا ایک شخص تھا "نعیم بن مسعود اشجعی" جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ کافروں نے ان کو لالچ دیا کہ تجھے دس اونٹ دیں گے اور چمک دکھائی کہ تو جا کر مسلمانوں پر ہمارا رعب ڈال اور کہہ کہ مکے والوں نے بڑے قبیلے اکٹھے کئے ہیں وہ تمہارا صفایا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کہنے لگا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ابوجہل کے مرنے

کے بعد اب قریشیوں کی کمان ابوسفیان کے پاس ہے۔ اور وہ قبیلہ کتنا مضبوط اور جنگجو ہے؟۔ (اور یہ بات حقیقت ہے ابوسفیان جب کافر تھے تو کفر میں بڑے بہادر اور مضبوط تھے۔ ۸ھ تک اس نے کافروں کے لشکر کی کمان کی ہے۔ ۸ھ میں مسلمان ہوگئے مسلمان ہونے کے بعد اسلام میں بھی اسی طرح بہادر اور مضبوط تھے۔ اور ان کے خاندان نے دین کے لئے بہت خدمات سرانجام دی ہیں)۔ تو نعیم بن عبداللہ نے کافی ڈرانے کی کوشش کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سنا تو بیک زبان ہو کر کہا۔ ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ، ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے''۔ اس کا ذکر فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ، (پیغمبر کے ساتھی) وہ لوگ ہیں کہا ان کو لوگوں نے۔ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ، بے شک لوگوں نے تحقیق جمع کئے ہیں لشکر تمہارے لئے۔ فَاخْشَوْهُمْ، پس تم ان سے ڈرو۔ ان کا مقابلہ نہ کرنا، یہ بات جب ان کے ایجنٹوں نے کہی۔ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا، پس زیادہ کردیا اس بات نے ان کے ایمان کو۔ وَّ قَالُوْا، اور کہا انہوں نے۔ ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ☆ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اچھا ہے کارساز۔ یعنی کام بنانے والا وہی رب تعالیٰ ہی ہے۔ تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں موجود ہے کہ جب نمرود بن کنعان نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کا حکم دیا تو اس کے لئے آگ کا بہت بڑا بھٹہ تیار کیا گیا۔ اس میں لکڑیاں ڈال کر ان کو آگ لگائی گئی۔ آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق (آلے) کے ذریعے آگ کے بھٹہ میں ڈالا گیا۔ یہ آلہ اس وقت کے انجینئر ''ہیزن'' نامی آدمی نے تیار کیا تھا۔ جس کے ذریعے وہ بڑے بڑے پتھر قلعوں پر ڈالتے تھے۔ دارمی شریف کی روایت میں ہے۔ ''جُرِّدَ عَنِ الثِّيَابِ''۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے

وقت ننگا کر دیا گیا۔ اسی لئے بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ لوگ جب قبروں سے نکلیں گے تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ فرمایا، اس کے بعد مجھے لباس پہنایا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے لباس پہنانے کی یہی وجہ ہے۔ کہ ان کو ننگا کر کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ کر منجنیق آلے کے ذریعے آگ کے بھٹے میں پھینکا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب منجنیق میں رکھا گیا تو مخالفین نے نمرود زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کئے اور اس خوشی میں بھنگڑا ڈال رہے تھے کہ ابھی اس کا سر پھٹے گا ٹھاہ ہوگی اور ہمارے کلیجے ٹھنڈے ہوں گے۔ اور ہم بت توڑنے کا انتقام لیں گے۔ اس حالت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ "حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل" مجھے میرا رب کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ مجھے تیری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ گھروں میں چھپکلی ہوتی ہے اس کو عربی میں ''وزغ'' کہتے ہیں اس نے پھونکیں مارنی شروع کیں کہ آگ تیز ہو۔ اگرچہ اس کی پھونکوں سے کچھ نہیں بنتا تھا۔ مگر اس نے اپنا خبثِ باطن تو ظاہر کر دیا کہ میں کیا ہوں اور ایک سیاہ رنگ کا پرندہ ہوتا ہے اس کو ''کالی کات'' کہتے ہیں۔ وہ بڑی دور سے اپنی چونچ میں پانی لے کر بلندی سے پھینکتا تھا۔ اس کو پرندوں نے کہا کہ کیا تیرے اس پانی کے قطرے سے آگ بجھ جائے گی؟ اس نے کہا کہ آگ کا بجھانا میرا فریضہ نہیں ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے خلیل کی مدد کے لئے اپنی توفیق کے مطابق چونچ استعمال کرنی ہے۔ کاش کہ ہم بھی اسلام کی مدد کے لئے اپنی چونچ استعمال کریں۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے

جتنی توفیق عطاء فرمائی ہے۔ اتنی خدمت کرے۔ کیونکہ "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا۔ اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ اسلام مِٹ جائے گا یاد رکھنا کافر جتنا زور لگالیں اسلام کو نہیں مٹا سکتے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ باقی ہمیں اپنی ہمت کے مطابق محنت کرنی چاہیے۔ تا کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہو جائے۔ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ، پس وہ لوٹے اللہ تعالیٰ کی نعمت لے کر اور اللہ تعالیٰ کا فضل لے کر۔ عبدِ قیس قبیلے کے تاجروں کا جو قافلہ آرہا تھا۔ اس سے سامان خریدا۔ چونکہ تاجر لوگ تھے۔ تھوک کے حساب سے ان کو سامان سستا مل گیا۔ جس کا ان کو بڑا فائدہ ہوا۔ اس کا ذکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور نعمت لے کر لوٹے۔ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ، نہ پہنچی ان کو کوئی تکلیف۔ کیونکہ لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی۔ کافر ویسے ہی بھاگ گئے۔ رب بھی راضی ہو گیا۔ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ، اور انہوں نے پیروی کی اللہ تعالیٰ کی رضاء کی۔ اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی ، باوجود زخمی ہونے کے حالانکہ وہ کہہ سکتے تھے کہ حضرت ابھی تو ہمارے زخم ٹھیک نہیں ہوئے جب زخم ٹھیک ہو جائیں گے تو پھر چلیں گے۔ لیکن صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کوئی قیل وقال نہیں کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تسلیم کیا۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ O ، اور اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ مشرکوں کے ایجنٹ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ جس نے ڈرایا تھا کہ قریشیوں نے بڑی فوجیں جمع کی ہیں۔ اور تمہارے مقابلہ کے لئے آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ ، پختہ بات ہے (وہ جو تمہیں ڈراتا تھا) وہ شیطان ہے۔ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ، وہ ڈراتا ہے اپنے ساتھیوں سے۔ چونکہ کافر تھا اور طبعی طور پر آدمی اپنے

نظریئے کا حامی ہوتا ہے۔ فَلَا تَخَافُوْهُمْ ، پس تم ان سے خوف نہ کرو۔اے مومنو! تم ان سے نہ ڈرنا۔ وَخَافُوْنِ ،اور مجھ سے خوف کرو۔یعنی میری مخالفت سے ڈرنا کافر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O ،اگر ہوتم مومن۔یعنی اگر تم سچے مومن ہوتو مجھ سے ڈرو کہ کہیں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔اور مومن جب مومن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصرۃ اور مدد ساتھ ہوتی ہے پھر کافر چاہے کتنے زیادہ کیوں نہ ہوں فتح ایمان والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑوں کو بہتوں پر فتح عطاء فرمائی۔دوسرے پارے میں تم پڑھ چکے ہو۔"كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً . بِاِذْنِ اللّٰهِ" ۔کتنی ہی تھوڑی جماعتیں غالب آجاتی ہیں بہت ساری جماعتوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ حضرت طالوت رحمہ اللہ تعالیٰ کے لشکر میں بمع ان کے تین سو تیرہ آدمی تھے۔اور مقابلہ میں جالوت کا لشکر ایک لاکھ کا تھا۔تو کیا نسبت ہے؟ تین سو تیرہ کی ایک لاکھ کے ساتھ مگر قرآن پاک میں آتا ہے۔"فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ" پس مومنوں نے شکست دی کافروں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔اسی طرح موتہ کے مقام پر تین ہزار نے ایک لاکھ کا مقابلہ کیا۔اور ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شکست دی۔اور یرموک کے مقام پر پینتیس/۳۵ ہزار کا ذکر بھی آتا ہے۔اور چھیالیس/۴۶ ہزار کا ذکر بھی آتا ہے۔اور مقابلے میں رومیوں کی سات لاکھ فوج تھی۔ مسلمانوں نے سات لاکھ فوج کو شکستِ فاش دی سب سے بڑی قوۃ ایمان اور عملِ صالح ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے ہتھیار چاہے معمولی بھی ہوں اللہ تعالیٰ کی نصرۃ ہوگی۔خالی ہتھیاروں پر بھروسہ ہوتو پھر کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔سب سے بڑی قوۃ ایمان ہے۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (پارہ ۴)۔اور غالب تم ہی ہوگے بشرطیکہ تم مومن

ثابت ہو۔ پھر وہ منافق جو الگ ہو گئے تھے۔ ان کی علیحدگی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی طور پر صدمہ تھا۔ کیونکہ ایک آدمی ساتھ مل کر پھر الگ ہو جائے اور دشمنوں کا ساتھ دے تو صدمہ تو ہوتا ہے۔ اور یہ منافق بھی ایسے ہی تھے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلَا يَحْزُنْكَ ، اور تجھے غم میں نہ ڈالیں۔ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ ، وہ لوگ جو دوڑ کے جاتے ہیں۔ فِي الْكُفْرِ ، کفر میں۔ یہ منافق جو کافروں کی طرف دوڑ کے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ مراسم قائم کرتے ہیں اور تمہارے لئے گردشوں کے منتظر ہیں۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکرمند نہ ہوں۔ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللهَ شَيْئًا ، بے شک وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی۔ تو جب وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ اور رب، رب ہے۔ ایک آن میں دنیا کو آباد کر سکتا ہے۔ اور ایک آن میں تباہ کر سکتا ہے۔ يُرِيدُ اللهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ ، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اس چیز کا کہ نہ کرے ان کے واسطے۔ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ، حصہ آخرت میں۔ کیونکہ انہوں نے ایمان کا دعویٰ کر کے کفر کی طرف رجوع کیا ہے۔ زبانی طور پر کلمہ پڑھتے ہیں اور اندرونی طور پر کافروں کے ساتھ ہیں لہٰذا جب وہ خود ایمان کی طرف نہیں آنا چاہتے تو رب تعالیٰ زبردستی کسی کو ایمان نہیں دیتا۔ ایمان لانے میں اور کفر اختیار کرنے میں انسان کو اختیار ہے۔ پندرھویں پارے میں آتا ہے۔ "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" ۔ پس جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ تو جب وہ کفر کی طرف مائل ہیں تو آخرت میں حصہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۞ ، اور ان کے لئے عذاب ہوگا بڑا۔ کہ "إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" ۔ بے شک منافق جہنم کے سب سے نیچے والے طبقے میں

2

ہوں گے جہاں سب سے سخت عذاب ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں کافروں کی آخرت میں ناکامی کا ذکر تھا اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بھی ناکام ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ بے شک وہ لوگ جنہوں نے خریدا کفر کو ایمان کے بدلے کفر خریدا ایمان سے مراد فطرت سلیمہ ہے جس پر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کافروں نے وہ فطرت ضائع کردی اور کفر اختیار کرلیا۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سمجھ حواس ظاہری اور باطنی جیسی قوتیں عطا فرمائیں ہیں ان سے ایمان اور نیکی خریدیں جو تمہیں جنت تک ساتھ لے جائیں گی لیکن کافروں نے اس پونجی کو ضائع کیا اور ایمان کے بدلے کفر خریدا۔ فرمایا یاد رکھو لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا نقصان نہیں کر سکتے اور نہ اس کے دین کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا دین حق اور صداقت پر مبنی ہے۔ اس کو اختیار کرنے والے لوگ ہمیشہ قائم رہیں گے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ اور جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا ہے ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

۱۸
۸
۹

وَلَا يَحْسَبَنَّ ، اور ہرگز نہ خیال کریں۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ، وہ لوگ جو کافر ہیں۔ اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ ، کہ بے شک جو ہم ان کو مہلت دیتے ہیں۔ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ، بہتر ہے ان کی جانوں کے لئے۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ ، پختہ بات ہے ہم ان کو مہلت دیتے ہیں۔ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ، تاکہ اور زیادہ گناہ کمالیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ O ، ان کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ ، نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا۔ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، کہ چھوڑ دے مومنوں کو۔ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ، اس حالت پر جس حالت پر تم ہو۔ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ ، یہاں تک کہ الگ کر دے ناپاک۔ مِنَ

الطَّیِّبِ ، پاک سے ۔ وَمَا کَانَ اللّٰهُ ، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا ۔ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ ، کہ تمہیں اطلاع دے غیب پر ۔ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ ، اور لیکن اللہ تعالیٰ چنتا ہے ۔ مِنْ رُّسُلِهٖ ، اپنے رسولوں میں سے ۔ مَنْ یَّشَآءُ ، جس کو چاہے ۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ، پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا ، اور اگر تم ایمان لاؤ ۔ وَتَتَّقُوْا ، اور ڈرتے رہو ۔ فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ ، پس تمہارے واسطے ہے اجر بڑا ۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ ، اور ہرگز نہ خیال کریں وہ لوگ ۔ یَبْخَلُوْنَ ، جو بخل کرتے ہیں ۔ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ ، اس مال میں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ۔ مِنْ فَضْلِهٖ ، اپنے فضل سے ۔ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ، کہ وہ ان کے لئے بہتر ہے ۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ، بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے ۔ سَیُطَوَّقُوْنَ ، عنقریب ان کو طوق پہنایا جائے گا اُس مال کا ۔ مَا بَخِلُوْا بِهٖ ، جس مال کے ساتھ انہوں نے بخل کیا ۔ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ، قیامت والے دن ۔ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ ، اور اللہ تعالیٰ کے واسطے ہی ہے میراث ۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، آسمانوں کی اور زمین کی ۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو ۔

جنگِ بدر میں بھی مسلمان اسلحہ اور مالی اعتبار سے کمزور تھے اور یہی حالت جنگِ احد میں تھی ۔ تو بعض کافروں نے سادہ قسم کے مسلمانوں کو کہا کہ اے مومنو! تم دعویٰ کرتے ہو کہ رب ہم سے راضی ہے اور ہمیں کہتے ہو کہ اے کافرو تم سے رب ناراض ہے ۔ اور حقیقت بھی یہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے ۔ "لَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ" (پارہ ۲۳) ۔ وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا ۔ اور ایمان والوں سے راضی ہے ۔ "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ" (پارہ ۲۶) ۔ تو یہ دونوں باتیں قرآن پاک میں موجود ہیں کہ مومنوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور کافروں سے ناراض ہے ۔ لیکن کافر سادہ قسم کے مسلمانوں کو مغالطہ دیتے تھے کہ دیکھو

مال ہمارے پاس زیادہ ہے یا تمہارے پاس اولاد ہماری زیادہ ہے یا تمہاری؟ بھوکے ننگے ہم رہتے ہیں یا تم رہتے ہو؟۔ (کیونکہ بعض مسلمان ایسے تھے کہ دو، دو دن تین، تین دن بھوکے رہتے تھے اور ایسے بہت تھے جن کے پاس جوتا نہیں تھا۔ ننگے پاؤں چلتے تھے)۔ پھر کہتے دیکھو لوگ تمہیں مارتے ہیں یا ہمیں مارتے ہیں؟ اے مسلمانو! اگر رب تم سے راضی ہوتا تو سارے خزانے تمہیں دے دیتا۔ اور ہم سے اگر ناراض ہوتا تو ہم سے سب کچھ چھین لیتا۔ اور سطحی قسم کے آدمی اس مغالطے کا شکار ہو جاتے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس شبہے کا جواب دیا فرمایا۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا ، اور ہرگز نہ خیال کریں وہ لوگ جو کافر ہیں۔ اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ، کہ بے شک جو ہم ان کو مہلت دیتے ہیں بہتر ہے ان کی جانوں کے لئے۔ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ ، پختہ بات ہے ہم ان کو مہلت دیتے ہیں۔ لِيَزْدَادُوٓا اِثْمًا ، تاکہ اور زیادہ گناہ کمالیں۔ یہ مال و دولت اور دنیا کی ترقی اس لئے نہیں ہے کہ ہم ان سے راضی ہیں بلکہ یہ تو ہم نے ان کو ڈھیل دی ہوئی ہے کہ گناہ زیادہ کرلیں۔ اور پھر یکبارگی ہماری گرفت میں آجائیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُمْلِىْ الظَّالِمَ حَتّٰى اِذَآ اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ"۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کی رسی ڈھیلی کر دیتا ہے کہ جتنا ظلم کرسکتا ہے کر لے پھر جب پکڑتا ہے تو اس کو مہلت نہیں دیتا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ، ان کے لئے عذاب ہے ذلیل اور رسوا کرنے والا۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو خاصی پریشانی اٹھانی پڑی تو بعض حضرات کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ ہمیں یہ تکلیف کیوں آئی ہے؟۔ اس کا ایک جواب تو آپ سن چکے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے تکلیف آئی۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کی یہ تو اس کا ظاہری سبب تھا۔ اور ایک سبب اس کا تکوینی تھا وہ یہ ہے مَا كَانَ اللّٰهُ نہیں

ہے اللہ تعالیٰ ایسا۔ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ ، کہ چھوڑ دے مومنوں کو۔ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ، اس حالت پر جس حالت پر تم ہو۔ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ، یہاں تک کہ الگ کر دے ناپاک کو پاک سے۔ کیونکہ جب تک پریشانیاں نہ آئیں تکلیف اور سختی نہ آئے تو ہر آدمی اپنے آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہلاتا ہے۔ جب تکلیف اور پریشانی آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مجنوں کون ہے، اور چوری کھانے والا کون۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو منافق تھے حیلے بہانے کر کے چلے گئے اور جو مخلص مومن تھے انہوں نے تکلیفیں برداشت کیں یہ پاک لوگ تھے اور جو حیلے بہانے کر کے چلے گئے وہ ناپاک منافق تھے۔ پھر پاک لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب کافر حمراء الاسد کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان کا پیچھا کرنا ہے۔ تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے باوجود زخمی ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور پلید پھر پیچھے رہ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ امتحان کے ذریعے پاک کو پلید سے الگ کر دیتا ہے۔ ہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا یہ ضروری تھا کہ امتحان کے ذریعے ہی خبیثوں کو طیب لوگوں سے الگ کرتا۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ وحی کے ذریعے بھی منافقوں کی نشاندہی کرنے پر قادر تھا کہ مومنوں کو بتا دیتا کہ فلاں، فلاں منافق ہے۔ اس کا جواب دیا، فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ ، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا۔ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ ، کہ تمہیں اطلاع دے غیب پر۔ اور ہر ایک کو دوسرے کے حال سے آگاہ کر دے کہ فلاں مومن ہے۔ فلاں منافق ہے فلاں موحد ہے اور فلاں مشرک ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ، اور لیکن اللہ تعالیٰ چنتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ یعنی غیب کی خبر اللہ تعالیٰ رسولوں کو دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ عام

لوگوں کو غیب کے علم پر اطلاع دے ہاں اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ اور ان کو بھی غیب کا علم نہیں دیتا بلکہ ''لِيُطْلِعَكُمْ'' غیب کی اطلاع دیتا ہے۔ غیب پر مطلع کرتا ہے۔ کہ فلاں، فلاں مومن ہیں اور فلاں، فلاں کافر اور منافق ہیں۔ اس آیتِ کریمہ سے اہلِ بدعت نے غلط استدلال کیا ہے۔ اور نبیوں کے لئے علم غیب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کو سمجھ لیں۔ بریلوی حضرات کے امام ہیں ''احمد رضا خان صاحب''۔ بریلوی ان کے نام پر کانفرنسیں بھی منعقد کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس مسئلے پر خاصی بحث کی ہے۔ ان کی کتابیں ہیں ''خالص الاعتقاد، نفی الفئ، الامن والعلی'' ان ساری کتابوں میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر جنت دوزخ میں داخل ہونے تک کی ساری خبریں اور مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے لے کر جنوب تک عرش سے لے کر فرش تک۔ اس درمیان میں کوئی ذرہ اور قطرہ ایسا نہیں ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیا ہو۔ علم ''ماکان ومایکون'' جو کچھ ہوا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، سب کا علم اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا ہے۔ اس دعوے پر وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک دلیل یہ ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ تمہیں اطلاع دے غیب پر اور لیکن اللہ تعالیٰ چنتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں بلکہ تمام رسولوں کے امام ہیں۔ اور مجتبیٰ بھی ہیں۔ کہ تمام رسولوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور اس سے کسی مسلمان کو انکار بھی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی انکار کر سکتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

سب کچھ بتادیا ہے۔ یہ ہے ان کا استدلال۔ جواب سے پہلے ایک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ قرآن مجید میں جہاں سورۃ کا نام لکھا ہوا ہے شروع میں ایک ہندسہ اس سے پہلے لکھا ہوا ہے اور ایک ہندسہ بعد میں۔ مثلاً یہ دیکھیں لکھا ہوا ہے۔ ''سورۃ آلِ عمران مدنیۃ'' اس سے پہلے تین کا ہندسہ ہے۔ اور بعد میں نواسی/ ۸۹ کا ہندسہ ہے۔ یہ تین والا ہندسہ یہ بتارہا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے اعتبار سے یہ تیسری سورۃ ہے۔ اور بعد میں جو نواسی/ ۸۹ کا ہندسہ ہے وہ یہ بتارہا ہے کہ نزول کے اعتبار سے اس کا نواسی/ ۸۹ نمبر ہے۔ اور قرآن پاک میں کل سورتیں ایک سو چودہ/ ۱۱۴ ہیں۔ اب جواب سمجھیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر اس آیتِ کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی عطاء فرمادیا ہے۔ تو اس کے بعد ایک حرف بھی قرآن کریم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہ ہوتا۔ حالانکہ دیگر احکام کے علاوہ قرآن کریم کی پچیس/ ۲۵ سورتیں اس آیتِ کریمہ کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ موٹی سی بات ہے کہ قرآن غیب میں شامل ہے یا نہیں؟ اور یقیناً جواب یہی ہے کہ قرآن غیب میں شامل ہے۔ تو جو سورتیں بعد میں نازل ہوئی ہیں وہ بھی تو غیب کا حصہ ہیں۔ وہ کیوں نازل ہوئی ہیں اور ان میں سورۃ مائدہ اور توبہ، نساء جیسی لمبی لمبی سورتیں بھی شامل ہیں اگر سارا غیب عطاء کر دیا گیا ہے تو ان کے بعد میں نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقعی اس سے علمِ غیب ثابت ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ بتادیا گیا ہے تو پھر اس کے بعد جو سورتیں نازل کی گئی ہیں ان میں نفی کیوں آئی ہے؟۔ مثلاً سورۃ النساء میں مذکور ہے۔ ''وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ''۔ اور کتنے ہی رسول ہم نے بھیجے جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے قبل سنا

دیئے اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتائے اسی طرح سورۃ توبہ بھی بعد میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں ارشادِ ربانی ہے۔ "وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَاتَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ" ۔ اور بعض مدینے والے اڑے رہے ہیں نفاق پر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہیں جانتے صرف ہم ہی ان کو جانتے ہیں یہ آیتِ کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دور نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں اور معمولی منافقوں کو ہی نہیں بلکہ ان منافقوں کو جن کا نفاق حدِ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اور جو نفاق پر اڑے ہوئے اور بضد تھے۔ ان کو بھی جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے ان کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب اور "جمیع ما کان و مایکونُ" کا علم حاصل ہوتا تو لامحالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقوں کے حالات معلوم ہوتے اور اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہیں جانتے، صرف ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔ یہ موٹی سی بات ہے۔ سمجھ آئی ہے کہ نہیں؟ کہ اس آیتِ کریمہ سے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ غیب کلی ثابت ہوتا ہے تو بعد والی سورتوں میں اس کی نفی کیوں کی گئی ہے باقی رہی بات غیب کی خبروں کی تو وہ حق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ" (پارہ ۳)۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بارھویں پارے میں فرمایا "تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ" یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں۔ ہم وحی کے ذریعے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بے شمار غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی ہیں۔ پہلی قوموں کی بھی اور قیامت کی نشانیاں بھی آنے والے حالات بھی بتائے قبر برزخ میں جو کچھ ہوگا غرضیکہ بہت کچھ بتایا ہے۔

وہ دینے والا جانے اور لینے والا جانے۔ اس کی حد بندی ہم نہیں کر سکتے۔ مگر اتنی بات قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ غیب صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ" (پارہ ۱۲)۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے غیب آسمانوں کا اور زمینوں کا۔ اور اسی کی طرف لوٹتے ہیں سب کام تو آسمانوں اور زمینوں کے غیوب صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر بعض چیزیں ایسی ہی کہ وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ سورۃ یٰسین میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" اور ہم نے ان (یعنی جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر نہیں سکھایا اور یہ ان کے لائق بھی نہیں ہے۔ اس نصِ قطعی سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم عطاء ہی نہیں کیا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اور رفیع شان کے لائق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کے ترجمان ہیں۔ مگر شاعریت کا حسن وکمال اکثر کذب اور مبالغے پر مبنی ہوتا ہے۔ اور شاعر لوگ تصور وخیال کی باتیں کہتے رہتے ہیں۔ اور شاعری میں جتنا جھوٹ زیادہ ہوگا اتنا مزہ آئے گا۔ اس دور کے شاعروں میں علامہ اقبال مرحوم بڑے بلند پائے کے شاعر تھے۔ مگر ان کو بھی کہنا پڑا۔

گفتار کا غازی بن تو گیا
کردار کا غازی بن نہ سکا

کیونکہ جس طرح کی اس کی شاعری ہے اگر کردار بھی اسی طرح کا ہوتا تو علامہ اقبال مرحوم بہت بڑا ولی اللہ ہوتا۔ شاعر کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔ علامہ اقبال نے جب بانگ درا لکھی جو اس فن میں بڑی بلند کتاب ہے تو گجرات کا ایک مخبوط الحواس شاعر تھا" امام دین" یہ قادیانی تھا۔

اس نے بانگ درا کے مقابلہ میں بانگ دھل لکھی اس نے اس میں لکھا ہے ۔

اگر ہو تجھے کچھ قبض کی شکایت تو کھا مولیاں اور مٹرامام دینا

جنت کی سیٹیں تو پُر ہو چکی ہیں جہنم میں بے خوف وَڑامام دینا

چونکہ قادیانی تھا جہنم میں پہنچ گیا ہوگا۔ اس کے سوا اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا ایک شعر ہے ۔

حکومت کو کہہ دو جہازوں کو روکے

یہ راتوں کو اُڑ کر میرا تراہ کاھڈتے ہیں

تو شاعروں کا کیا ہے کبھی کچھ کہتے ہیں، کبھی کچھ کہتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ علم نہیں عطاء فرمایا، یہ علم کی بات ہے اور غیب اور چیز ہے اور غیب کی خبریں اور چیز ہیں۔ ان میں فرق ہے۔ اگر تفصیل کی ضرورت ہو تو میری کتاب "ازالۃُ الرَّیب عَنْ عَقِیْدَۃ عِلم الْغَیب" پڑھ لیں۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ، پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا، اور اگر تم ایمان لاؤ۔ وَتَتَّقُوْا، اور ڈرتے رہو۔ فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ☆، پس تمہارے لئے اجر ہوگا بڑا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے بخل کرنے والوں کی حالت بیان فرمائی ہے جو مال ہوتے ہوئے بخل سے کام لیتے ہیں زکوٰۃ عشر، فطرانہ ادا نہیں کرتے اور مال ہوتے ہوئے حج نہیں کرتے فرمایا، وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ، اور ہرگز نہ خیال کریں وہ لوگ۔ یَبْخَلُوْنَ، جو بخل کرتے ہیں۔ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ، اس مال میں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ مِنْ فَضْلِہٖ، اپنے فضل سے۔ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ، کہ وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ، بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔ سَیُطَوَّقُوْنَ، عنقریب ان کو طوق پہنایا جائے گا اس مال کا۔ مَا بَخِلُوْا بِہٖ

جس مال کے ساتھ انہوں نے بخل کیا۔ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ، قیامت والے دن۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایسا سونا چاندی جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی اور جو حق ہیں فطرانہ قربانی وغیرہ ادا نہیں کئے تو اس کو دو مونہوں والا گنجا سانپ بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا۔ (جیسے مفلر ہوتا ہے)۔ وہ دونوں رخساروں پر ڈنگ مارے گا۔ اور کہے گا "اَنَا مَالُکَ، اَنَا کَنۡزُکَ" ۔ میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں اور فرمایا اتنی بات سارے سمجھ لو کہ جس کے پاس جتنا مال ہے ساتھ کسی نے نہیں لے جانا۔ یہ کسی کی ذاتی میراث نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ، اور اللہ تعالیٰ کے واسطے ہی ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی۔ آدمی کا اپنا وہی ہے جو اس نے کھا لیا، پی لیا، پہن لیا۔ باقی یا تو وارثوں کا ہے یا دوسرے لوگوں کا ہے۔ لہٰذا تم مال میں بخل نہ کرو۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ○ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ سب اس کے علم میں ہے۔ کسی کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو رب تعالیٰ کے علم سے باہر ہو۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ م سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ، البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے سن لی ہے۔ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ، ان لوگوں کی جنہوں نے کہا۔ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ ، بے شک اللہ تعالیٰ محتاج ہے۔ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ، اور ہم مالدار ہیں۔ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ، بتاکید ہم لکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا ہے۔ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ ، اور ان کا اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کرنا۔ بِغَيْرِ حَقٍّ ، ناحق۔ وَّنَقُوْلُ ، اور ہم کہیں گے۔ ذُوْقُوْا عَذَابَ

الْحَرِیْقِ ☆ ، چکھو جلانے والی آگ کا عذاب ۔ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ ، یہ بسبب اس کے جو بھیجا آگے تمہارے ہاتھوں نے ۔ وَاَنَّ اللّٰہَ ، اور بے شک اللہ تعالیٰ ۔ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ O نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر ۔ اَلَّذِیْنَ قَالُوْآ ، وہ لوگ جنہوں نے کہا ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ ، بے شک اللہ تعالیٰ نے عہد کیا ہے ہمارے ساتھ ۔ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ ، یہ کہ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر ۔ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ ، یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے پاس ایسی قربانی ۔ تَاْکُلُہُ النَّارُ ، کہ کھا جائے اس کو آگ ۔ قُلْ قَدْ جَآءَ کُمْ رُسُلٌ ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں! کہ تحقیق آئے تمہارے پاس رسول ۔ مِّنْ قَبْلِیْ ، مجھ سے پہلے ۔ بِالْبَیِّنٰتِ ، واضح دلیلوں کے ساتھ ۔ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ ، اور وہ چیز بھی جو تم نے کہی ہے ۔ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ ، پس تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ ۔ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O ، اگر ہو تم سچے ۔ فَاِنْ کَذَّبُوْکَ ، پس اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھٹلائیں ۔ فَقَدْ کُذِّبَ ، پس تحقیق جھٹلائے گئے ۔ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ ، کئی رسول آپ سے پہلے ۔ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ ، لائے وہ واضح دلائل ۔ وَالزُّبُرِ ، اور صحیفے ۔ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ O ، اور ایسی کتابیں جو روشنی پہنچانے والی تھیں ۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ، ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے ۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ ، اور پختہ بات ہے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا ۔ اُجُوْرَکُمْ ، تمہارا اجر ۔ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ، قیامت والے دن ۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ ، پس وہ شخص جو دور رکھا گیا دوزخ کی آگ سے ۔ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ ، اور داخل کیا گیا جنت میں ۔ فَقَدْ فَازَ ، پس تحقیق وہ کامیاب ہو گیا ۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ ، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی ۔ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ O مگر دھوکے کا سامان ۔

اس سے پہلے درس میں بخل کی مذمت بیان کی گئی ہے ۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلہ میں ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر یہودِ بنو قینقاع کی طرف بھیجا۔ اس دعوت نامے کا عنوان اس طرح کہ "اِتَّقُوا اللّٰہَ" اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور ایمان لے آؤ۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ اور اس بات کی گواہی خود تمہاری کتابوں میں موجود ہے۔ اور نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ "وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا"۔ اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خط لے کر بنو قینقاع پہنچے۔ اس وقت یہودیوں کا بڑا عالم فخاص بن عازورا بیت المدراس میں تعلیم دے رہا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک پڑھ کر کہنے لگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اس لئے تو ہم سے قرضہ مانگتا ہے۔ (العیاذ باللہ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر برداشت نہ کر سکے۔ اور اس یہودی عالم کو تھپڑ مارا اور فرمایا، کہ اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ حائل نہ ہوتا تو میں تلوار سے تیرا کام تمام کر دیتا۔ فخاص بن عازورا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس گستاخی کا جواب دیا ہے۔ قرضِ حسنہ کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا"۔ کون ہے تم میں سے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے۔ قرضِ حسنہ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی ایسے شخص کو جو قرض لینے کا حقدار ہے اپنے حلال اور طیب مال میں سے دے۔ اور قرض کی وصولی میں اسے تنگ نہ کرے اور احسان بھی نہ جتلائے۔ قرضِ حسنہ کا سترہ/ ۱۷ گنا ثواب ملتا ہے۔ ظاہری طور پر

دیکھا جائے تو بات سمجھ میں نہیں آتی ۔ کیونکہ صدقے میں تو پیسے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں ۔ اور واپس دنیا میں نہیں ملتے ۔ اس کا ثواب ہے دس گنا ۔ اور قرضِ حسنہ جو واپس ملنا ہے ۔ اس کا ثواب ہے سترہ/ ۱۷ گنا ۔ تو ظاہری طور پر یہ بات عقل میں نہیں آتی ۔ مگر حقیقت اسی طرح ہے ۔ کیونکہ جو شخص صدقہ دیتا ہے وہ اپنا فائدہ تلاش کرتا ہے کہ مصیبت ٹلے گی اور ثواب ملے گا اور قرضِ حسنہ دینے والا دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے ۔ اور اس کی مجبوری کو سامنے رکھتا ہے ۔ اس لئے اس کے سات نمبر زیادہ ہیں ۔ مگر اس زمانے میں قرضِ حسنہ دینے اور لینے والے بہت کم ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دینے میں تشبیہ ہے ۔ اور تشبیہ اس طرح کہ جس طرح تم کسی کو قرض دیتے ہو تو تمہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم مجھے ملے گی اسی طرح یہاں سمجھو کہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے گا یعنی اسی کی مرضی کے مطابق رقم خرچ کرے گا وہ ضائع نہیں ہوگی بلکہ اس کا بدلہ ضرور ملے گا ۔ کیونکہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی ۔ بلکہ من وجہ ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر بہادر آدمی کو کہتے کہ یہ شیر ہے ۔ تو اس کی تشبیہ صرف بہادری میں ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ شیر ہے تو اس کی چار ٹانگیں دکھاؤ، دم دکھاؤ، گردن پر بال دکھاؤ ۔ کیونکہ تشبیہ صرف بہادری میں ہے ۔ کہ جس طرح خشکی کے جانوروں میں شیر سب سے بہادر ہے ۔ یہ بھی شیر کی طرح بہادر ہے ۔ یا کوئی آدمی کند ذہن ہے بات نہیں سمجھتا ۔ تو اسے کہا جائے کہ گدھا ہے ۔ تو یہاں تشبیہ صرف بے سمجھی میں ہے ۔ یہ نہیں کہ اس کی چار ٹانگیں ہیں اور کان ہیں اور چوڑی پیٹھ ہے ۔ یا بخیل آدمی کے بارے میں کہا جائے کہ بھائی وہ تو لوہے کا تھن ہے ۔ یعنی جس طرح لوہے کے تھن سے دودھ نہیں نکلتا ۔ اسی طرح اس آدمی سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا ۔ اور کوئی آدمی زبان کا بڑا میٹھا ہو ۔ اور اندر سے چھری ہو تو اس کو کہا جائے کہ وہ سونے کی چھری ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ کو قرض دینے

میں یہ تنبیہ ہے کہ تم جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے اس کا صلہ ضرور ملے گا۔ اور اس بات کو یہودی بھی سمجھتے تھے۔ مگر شریر تھے۔ اس واسطے کہا کہ مسلمانوں کا خدا فقیر ہو گیا ہے۔ اور ہم مالدار ہیں اس لئے ہم سے قرضہ مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ، البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے سن لی ہے بات ان لوگوں کی جنہوں نے کہا۔ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ ، بے شک اللہ تعالیٰ محتاج ہے۔ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ، اور ہم مالدار ہیں۔ لہٰذا رب ہم سے قرض مانگتا ہے۔ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ، بتاکید ہم لکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا ہے۔ یعنی ہم لکھنے کا حکم دیں گے کیونکہ رب تعالیٰ خود نہیں لکھتا۔ اس کے فرشتے کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔ یہ بات جو انہوں نے کہی ہے۔ یہ تو درج ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہمارے پاس لکھی ہوئی ہے۔ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ، اور ان کا اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حق کہتے تھے۔ وہ ان کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس لئے ان کے خلاف ہو گئے اور ان کو قتل کر دیا۔ جیسے شَعْيَا عَلَيْهِ السَّلَام کو شہید کیا۔ یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ اور کافی پیغمبر شہید کیے۔ اور ناحق شہید کیے۔ کیونکہ شریعت میں قتلِ حق کی تین صورتیں ہیں۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مرتد ہو جائے العیاذ باللہ تعالیٰ! تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ تاکہ وہ اپنے شکوک وشبہات دور کر لے۔ اگر تین دن میں اس نے شکوک وشبہات دور کر کے توبہ نہ کی تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور پیغمبروں کے متعلق تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی دیدہ دانستہ طور پر آلۂ قتل کے ساتھ کسی بے گناہ کو قتل کر دے۔ تو اس قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ اور پیغمبر کسی کو ارادتاً ناحق قتل نہیں کرتے۔ اور تیسری صورت یہ

27

ہے کہ شادی شدہ مرد عورت زنا کریں تو ان کو سزا کے طور پر رجم کیا جائے گا۔ اور پیغمبروں کے متعلق اس کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جتنے پیغمبر بھی شہید کئے گئے ناحق شہید کئے گئے۔ وَنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ O، اور ہم کہیں گے چکھو جلانے والی آگ کا عذاب۔ تم نے دنیا میں رب تعالیٰ کو فقیر کہا اور اس کے پیغمبروں کو شہید کیا۔ حق کا مقابلہ کیا اب اس کا مزا چکھو۔ اور ہم کہیں گے۔ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ ، یہ بسبب اس کے جو بھیجا آگے تمہارے ہاتھوں نے۔ یعنی تمہارے ہاتھوں کے کرتوت ہیں۔ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ O، اور بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے ظلم حرام کیا ہوا ہے۔ اپنی ذات کے لئے بھی اور مخلوق کے لئے بھی کسی نے قاعدے کے مطابق نیکی کی ہے تو اس کو اجر ملے گا اور اگر کسی نے ذرہ برابر بھی بدی کی ہے تو اس کی سزا پائے گا۔ "اِلَّا مَنْ رَّحِمَہُ اللّٰہ"۔ اَلَّذِیْنَ قَالُوْآ ، وہ لوگ جنہوں نے کہا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَھِدَ اِلَیْنَآ ، بے شک اللہ تعالیٰ نے عہد کیا ہے ہمارے ساتھ۔ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ ، یہ کہ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر۔ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ ، یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے پاس ایسی قربانی۔ تَاْکُلُہُ النَّارُ ، کہ کھا جائے اس کو آگ۔ اس آیتِ کریمہ میں یہودیوں کی ایک شرارت کا ذکر ہے۔ وہ اس طرح کہ یہودیوں کے جو بڑے لوگ تھے۔ تعلیم یافتہ، سیاسی اور مذہبی پیشوا ان کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور کہنے لگے کہ توراۃ میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ کسی نبی کو اس وقت تک نہ مانو جب تک وہ قربانی کر کے میدان میں نہ رکھے اور آگ آ کر اس کو جلا نہ دے۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیرِ کبیر میں نقل فرماتے ہیں کہ وہ حکم اس طرح تھا کہ دو پیغمبروں کے علاوہ جو بھی تمہارے سامنے نبوۃ کا دعویٰ کرے اس سے یہ معجزہ طلب کرو اور کہو کہ ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں

لائیں گے جب تک تم قربانی کر کے میدان میں نہ رکھو اور آگ اس کو جلا نہ دے۔ کیونکہ اس زمانے میں بھی جھوٹی نبوۃ کا دعویٰ کرنے والے موجود تھے۔ تو جھوٹے اور سچے کو پرکھنے کا یہ معیار مقرر کیا گیا۔ مگر دو پیغمبروں کے علاوہ ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ایک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ان کے متعلق حکم تھا کہ ان کو ہر حال میں ماننا ہے۔ تسلیم کرنا ہے۔ یہ نشانی ان کے ہاتھ پر ظاہر نہ ہوگی۔ یہ بات بھی توراۃ میں لکھی ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے آدھی بات بیان کی اور آدھی بات چھپائی۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ" پڑھے اور "وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی" نہ پڑھے۔ اور کہے کہ میں تو نماز اس لئے نہیں پڑھتا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نماز کے قریب نہ جاؤ۔ تو اس کو کہا جائے گا بھائی! اس آیتِ کریمہ کا سیاق وسباق دیکھ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے نماز کے اوقات کے علاوہ شراب حلال تھی اور حکم تھا۔ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی" نہ قریب جاؤ نماز کے اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو۔ "حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" (پارہ ۵) جب تک کہ تم نہ سمجھو جو تم کہتے ہو۔ یعنی آدمی جو کچھ نماز میں پڑھتا ہے اس کے مفہوم کا اس کو علم ہونا چاہیے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ کیا کہہ رہا ہے۔ اور یاد رکھنا ہم پر شراب کا نشہ تو نہیں ہے۔ مگر جہالت کا نشہ ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کیا پڑھتے ہیں۔ اس کا مفہوم کیا ہے۔ پرانے نمازیوں سے پوچھ لیں کہ وتروں کی نماز میں جو دعا قنوت ہے اس میں ایک جملہ ہے۔ "نَحْفِدُ" تو اس "نَحْفِدُ" کا کیا معنیٰ ہے۔ نہیں بتا سکتے سو میں سے دو چار ہی بتائیں گے۔ اور بس حالانکہ قرآن کا حکم ہے۔ "حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ تو جب تک سمجھو گے نہیں

تمہاری نماز نہیں ہوگی۔اور ہم نے طوطے کی طرح الفاظ رٹے ہوئے ہیں حالانکہ نماز کے الفاظ کا ترجمہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ نصِ قطعی ہے۔ "حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔تو خیر یہودیوں نے آگے پیچھے سے کاٹ کر تورٰۃ کا حکم سنایا کہ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ تم اس پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ جو قربانی کر کے میدان میں رکھے اور آسمان سے آگ آ کر اس کو جلا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب ،قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ ،آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں! کہ تحقیق آئے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے واضح دلیلوں کے ساتھ۔یعنی اللہ تعالیٰ کے کئی پیغمبر ایسے تشریف لائے جنہوں نے قربانی والا معجزہ تو نہیں دکھایا لیکن اس کے علاوہ کئی اور معجزے اور دلائل لائے۔مگر تم نے ان کو تسلیم نہیں کیا۔کیونکہ ایسے پیغمبر بھی تھے جن کے لئے قربانی والی نشانی نہیں تھی۔ دوسرے معجزے اور دلائل تھے۔ کیونکہ پیغمبر کے لئے تو نشانی چاہیے۔دوسرا الزامی جواب ہے۔ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ ،اور وہ نشانی بھی لائے جو تم کہتے ہو۔فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ ،پس تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ ۔اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ،اگر ہو تم سچے۔آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور ان کے متبعین کو تسلی دی ہے۔فَاِنْ كَذَّبُوْكَ ،پس اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھٹلائیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کریں۔فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ،پس تحقیق جھٹلائے گئے کئی رسول آپ سے پہلے۔جَآءُوْا بِالْبَیِّنٰتِ ،لائے وہ واضح دلائل اور معجزات۔وَالزُّبُرِ ،زبور کی جمع ہے،صحیفے۔اور صحیفے لے کر آئے۔وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝ ،اور ایسی کتابیں جو روشنی پہنچانے والی تھیں۔یعنی دلوں کو روشن کرنے والی تھی۔ان لوگوں نے ان کو بھی جھٹلایا کیونکہ ان کا وطیرہ ہے۔نہ ماننا۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام

کرتے جائیں۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ، ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ رب تعالیٰ کی ذات کے سوا موت سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" (پارہ ۲۷) اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو صاحب جلال اور عظمت ہے۔ فرشتے ہزار ہا سال سے زندہ چلے آ رہے ہیں۔ مگر ایک وقت آئے گا ان سب پر فنا آئے گی۔ حتیٰ کہ ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی موت سے نہیں بچ سکتے۔ موت بہت زور آور چیز ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس پر تعجب ہے جس کے ہوش و حواس قائم ہوں اور مرتے وقت موت کی کیفیت بیان نہ کر سکے۔ جب ان کی موت کا وقت آیا تو ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ابا جی "صِفْ لَنَا الْمَوْتَ"۔ ابا جی آپ فرمایا کرتے تھے کہ بندے کے ہوش و حواس ٹھکانے ہوں اور مرتے وقت موت کی کیفیت نہ بیان کرے۔ مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے لہٰذا اب آپ موت کی کیفیت بیان فرمائیں، کیا حال ہے۔ فرمایا نہ پوچھو۔ میری یہ کیفیت ہے جس طرح سوئی کے ناکے سے میری جان نکالی جا رہی ہے۔ اور کسی نے رضوی پہاڑ اٹھا کر میری گردن پر رکھ دیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں احد پہاڑ کے بعد سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ ، اور پختہ بات ہے تمہیں پورا، پورا دیا جائے گا تمہارا اجر۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ، قیامت والے دن۔ بعض نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ مال اور اولاد کی صورت میں کاروبار کی ترقی کی صورت میں۔ مگر پورا، پورا بدلہ قیامت کو ملے گا۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ ، پس وہ شخص جو دور رکھا گیا یعنی بچا لیا گیا دوزخ کی آگ سے۔ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ ، اور داخل کیا گیا جنت میں۔ فَقَدْ فَازَ ، پس تحقیق وہ کامیاب ہو گیا۔ فرمایا اچھی طرح

سمجھلو۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ O، اورنہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان ۔ یہ دھوکہ دیتی ہے ۔ اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ۔ اب معلوم نہیں تھوڑی دیر بعد ہے کہ نہیں ۔ صبح ہے، شام کا علم نہیں ہے ۔ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے ۔ لہٰذا اس زندگی کو عارضی اور فانی سمجھو ۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ ز فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُہُوْرِہِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّہُمْ بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

لَتُبْلَوُنَّ ،البتہ ضرور تمہارا امتحان لیا جائے گا۔فِیٓ اَمْوَالِکُمْ ،تمہارے مالوں میں۔وَاَنْفُسِکُمْ ،اور تمہاری جانوں میں۔وَلَتَسْمَعُنَّ ،اور البتہ تم ضرور سنو گے۔مِنَ الَّذِیْنَ ،ان لوگوں سے۔اُوْتُوا الْکِتٰبَ ،جن کو کتاب دی گئی۔مِنْ قَبْلِکُمْ ،تم سے پہلے۔وَمِنَ الَّذِیْنَ ،اور ان لوگوں سے۔اَشْرَکُوْٓا ،جنہوں نے شرک کیا۔اَذًی کَثِیْرًا ،اذیت بہت ساری۔وَاِنْ تَصْبِرُوْا ،اور اگر تم صبر کرو گے۔وَتَتَّقُوْا ،اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے۔فَاِنَّ ذٰلِکَ ،پس بے شک یہ چیز۔مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ ،پختہ کاموں میں سے ہے۔وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ ،اور جس وقت لیا

اللہ تعالیٰ نے وعدہ۔ اَلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ ،ان لوگوں سے جن کو دی گئی کتاب۔ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ ،البتہ ضرور تم بیان کروگے اس کتاب کو لوگوں کے لئے۔ وَلَا تَکۡتُمُوۡنَهٗ ،اور نہ اس کو چھپاؤ گے۔ فَنَبَذُوۡهُ، پس انہوں نے پھینک دیا اس وعدے کو۔ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ ،اپنی پیٹھوں کے پیچھے۔ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ،اور خریدی انہوں نے اس کے بدلے۔ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ،تھوڑی سی قیمت۔ فَبِئۡسَ مَا یَشۡتَرُوۡنَ O ،پس بری ہے وہ چیز جو انہوں نے خریدی۔ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ، ہرگز نہ خیال کرنا ان لوگوں کے بارے میں۔ یَفۡرَحُوۡنَ، جو خوش ہوتے ہیں۔ بِمَاۤ اَتَوۡا، جو انہوں نے کی۔ وَّیُحِبُّوۡنَ ،اور وہ پسند کرتے ہیں۔ اَنۡ یُّحۡمَدُوۡا ،یہ کہ ان کی تعریف کی جائے۔ بِمَا لَمۡ یَفۡعَلُوۡا ،ان چیزوں پر جو انہوں نے نہیں کیں۔ فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ ،پس ہرگز نہ خیال کرنا تم ان کے بارے میں۔ بِمَفَازَةٍ، کہ وہ کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ مِّنَ الۡعَذَابِ، عذاب سے۔ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ O ،اور ان کے واسطے عذاب ہوگا دردناک۔ وَلِلّٰهِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ ،اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے آسمانوں کا ملک۔ وَالۡاَرۡضِ ،اور زمین۔ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ O ،اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔

اس سے پہلی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو تسلی دی گئی تھی اور آج کی آیتوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو تسلی دی گئی ہے۔ فرمایا، لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ،البتہ ضرور تمہارا امتحان لیا جائے گا تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں بھی۔ مالی امتحان کی ابتداء اس طرح ہوگی کہ یہ بتلاؤ کہ مال تم نے کس طرح حاصل کیا اور کمایا کس طرح آیا وہ از روئے شرع جائز تھا یا ناجائز۔ صحیح تھا یا غلط تھا۔ پھر سوال ہوگا کہ مال کو تم نے خرچ کس جگہ کیا آیا جہاں تم نے خرچ کیا

وہاں خرچ کرنے کا رب نے حکم دیا تھا یا اپنی مرضی کی۔ اس مال کے ذریعے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے یا نہیں۔ اور جن جگہوں پر تم نے خرچ کیا وہاں خرچ کرنا جائز تھا یا ناجائز۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ "لَاتُسْرِفُوْا"۔ اسراف نہ کرو۔ اور دوسرا فرمایا تبذیر نہ کرو۔ اسراف کا مطلب ہے کہ ایک ایسا مقام ہے جہاں تمہیں رقم خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہو تو اسراف ہوگا وہ اس طرح کہ پانچ روپے سے ضرورت پوری ہوتی ہے۔ اور تم چھ روپے خرچ کرتے ہو تو یہ چھٹا روپیہ اسراف ہوگا۔ اور تبذیر کہتے ہیں ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں خرچ کرنے کی اجازت ہی نہیں ہے۔ جس طرح لوگ شادی بیاہ کے موقع پر بجلی کی مرچیں لگا کر چراغاں کرتے ہیں۔ ڈھول باجے اور دھماکے شرلیاں پٹاخوں پر خرچ کرتے ہیں۔ آتش بازی ہوتی ہے۔ یہ سب کے سب تبذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ" (پارہ ۱۵)۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ تو جو بے جا خرچ کرتے ہیں وہ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ دیکھو آج اگر کسی کو کہو کہ تو شیطان کا بھائی ہے تو وہ لڑ پڑے گا اور پروردگار نے فرمایا ہے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ "وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا" (پارہ ۱۵)۔ اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے۔ تو تم اس کے بھائی کیوں بنتے ہو۔ تو یہ مالی امتحانات ہیں کہ کمایا کس طرح خرچ کیسے کیا۔ کہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے یا نہیں کئے۔ اور مالی امتحان اس طرح بھی ہوتا ہے کہ کبھی مال ضائع ہو جاتا ہے تو اس موقع پر تم صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اور جانی امتحان یہ ہے کہ یہ بدن تمہیں رب تعالیٰ نے دیا ہے یہ اس کی امانت ہے۔ اس کو تم رب کی عبادت میں لگاتے ہو یا اس کے ذریعے نافرمانیاں کرتے

ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ تم نماز پڑھتے ہو روزے رکھتے ہو۔ استطاعت ہے تو حج کرتے ہو اس کے ساتھ اچھے کام کرتے ہو۔ یا یہ بدن شیطانی کاموں کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔ اور بدنی امتحان اس طرح بھی ہوتا ہے کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو اس بیماری میں رب تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے یا نہیں۔ اور اس حالت میں بھی رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ یا نہیں۔ اور اس حالت میں بھی رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے یا نہں عام لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ تندرستی کی حالت میں تو عبادت کرتے ہیں اور بیمار ہو جائیں تو بیماری کو بہانہ بنا کر عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ بیماری کی حالت میں زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ کہ ہوسکتا ہے کہ مر جائے۔ لیکن ہم پہلی عبادت بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور رب تعالیٰ کی مہربانی دیکھو کہ اس نے کتنی رخصتیں دی ہیں۔ کہا گر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو، رکوع سجود کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تو اشاروں کے ساتھ پڑھ لے تو یہ بدنی امتحان ہیں اسی طرح تکلیف میں صبر کرتا ہے۔ یا بے صبری کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو موت دے دے تو صبر کرتے ہو کہ نہیں یہ سب بدنی امتحان ہیں۔ اور یہ بھی امتحان ہے۔ وَلَتَسۡمَعُنَّ، اور البتہ تم ضرور سنو گے۔ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے۔ یعنی یہود و نصاریٰ سے۔ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا، اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا۔ کیا سنو گے، فرمایا۔ اَذًى كَثِيۡرًا، اذیت بہت ساری۔ دکھ تکلیف کی باتیں سنو گے یہود و نصاریٰ سے بھی اور مشرکوں سے بھی اور ایسی ایسی باتیں سنو گے کہ جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوں گی۔ وہ تمہیں ستانے کیلئے یہ باتیں کریں گے اور آج اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے مرد اور عورتیں اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ دوسروں کے بارے میں ایسی بات کریں گے کہ فرشتوں کو بھی اس

بات کا علم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطاء فرمائے آدمی سن کے حیران ہو جاتا ہے۔ کہ اس نے جو بات کہی ہے وہ میرے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ یاد رکھنا رتی رتی کا حساب ہوگا کسی کے بارے میں ایسی بات نہ کرنا جو واقعہ کے خلاف ہو یہ سنگین قسم کا جرم ہے۔ تو فرمایا، یہود و نصاریٰ سے بھی سنو گے اور مشرکوں سے بھی اور کسی نے بھی کوئی کمی نہیں کی۔ نہ یہود نے نہ نصاریٰ نے نہ مشرکوں نے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر کو لوگوں نے آپ کے سامنے مجنوں کہا کہ تو پاگل ہے۔ ساحر کہا اور کہا کہ تو جادوگر ہے۔ مسحور ہے یعنی تیرے اوپر جادو کیا گیا ہے۔ کذاب کہا کہ تو بہت بڑا جھوٹا ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور مفتری کہا کہ تو اللہ تعالیٰ پر افتریٰ باندھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نبی بنایا ہے اور اپنا کلام نازل کیا ہے اور یہ سارے الفاظ قرآن مجید میں موجود ہیں۔ داد دو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلے کو۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی لفظ کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کوئی معمولی بات ہے۔ کہ کسی نے منہ پر کذاب کہا کسی نے دیوانہ کہا۔ اس سے زیادہ اذیت کیا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ وہ جب کسی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو لوگ انہیں کہتے "کَذَّابٌ اَشِرٌ" بہت بڑا جھوٹا ہے۔ اور بڑا شرارتی ہے۔ اَشِرٌ کا معنیٰ متکبر بھی ہوتا ہے اور شرارتی بھی ہوتا ہے۔ اے ظالمو! وہ تو تمہیں بغیر کسی لالچ اور طمع کے اللہ تعالیٰ کا دین سکھاتا ہے اور تم اسے کذاب اور اشر کہتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے بھی دشمنوں سے بہت کچھ سنا اور اے مومنو! تم بھی بہت کچھ سنو گے تو پھر تمہارا کیا کام ہونا چاہیے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا، اور اگر تم صبر کرو گے۔ وَتَتَّقُوْا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے۔ فَاِنَّ ذٰلِکَ، پس بے شک یہ چیز۔ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ، پختہ کاموں میں سے ہے۔ صبر کرنا اور رب تعالیٰ سے ڈرنا مضبوط کاموں میں سے ہیں حوصلے اور

ہمت کے بغیر یہ چیزیں حاصل نہیں ہوسکتیں حوصلہ بھی بڑی چیز ہے اور بسا اوقات جب بات حد سے نکل جاتی ہے تو بندہ مجبور ہو جاتا ہے۔ پھر مجبور ہو کر بد دعا بھی کرنی پڑتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی پھر رب تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا۔ "لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ" (پارہ ۱۲) کوئی ایمان نہیں لائے گا تمہاری قوم میں سے سوا ان کے جو ایمان لا چکے ہیں۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کی کہ اے پروردگار "لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا" (پارہ ۲۹) کسی کافر کو روئے زمین پر بسا رہنے نہ دے کیونکہ جب آپ نے کہہ دیا ہے کہ آئندہ کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ تو پھر اے پروردگار ایک کافر بھی زمین پر چلتا پھرتا نظر نہ آئے۔ اسی طرح مکے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تنگ کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو بہت تنگ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بد دعاء فرمائی۔ کہ اے پروردگار! ان پر ایسے سال مسلط فرما۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط کے سال مسلط فرمائے تھے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ باہر سے اناج بند ہو گیا۔ اور جو پہلے موجود تھا وہ ختم ہو گیا۔ "حَتّٰى اَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْجُلُوْدَ وَالْعِظَامَ" ۔ یہاں تک کہ انہوں نے مردار جانوروں کے گوشت کھائے اور خشک چمڑے پانی میں بھگو کر نرم کر کے بھون کے کھائے۔ اور ہڈیاں پیس پیس کر پھکی بنا کر کھاتے تھے۔ جب بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو کر اٹھتے تو سامنے دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ تو تنگ ہو کر آدمی بد دعاء بھی کر دیتا ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ سبق میں آپ نے پڑھا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ صرف اس نبی پر ایمان لائیں کہ جس کے ہاتھ پر قربانی والا معجزہ ظاہر ہو کہ وہ قربانی کر کے میدان میں رکھے اور آسمان سے آگ آ کر اس کو جلا دے

حالانکہ اس عہد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ تھے۔ لیکن انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا۔ تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخری دو پیغمبروں کے بارے میں یہ عہد نہیں تھا مگر تم اپنی طرف سے بنا کر کہہ رہے اور جو عہد تم سے رب تعالیٰ نے حقیقتاً لیا تھا وہ تم نے کب پورا کیا ہے وہ عہد یہ تھا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ ، اور جس وقت لیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ۔ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ، ان لوگوں سے جن کو دی گئی کتاب۔ وعدہ یہ لیا تھا۔ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ ، البتہ ضرور تم بیان کرو گے اس کتاب کو لوگوں کے لئے۔ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ ، اور نہ اس کو چھپاؤ گے۔ تو توراۃ اور انجیل دونوں کتابوں میں تو یہ عہد تھا کہ جو کتاب میں نے تمہیں دی ہے اس کو لوگوں کے سامنے علی الاعلان بیان کرنا اس کے احکام کو ظاہر کرنا اور اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔ اور یاد رکھنا اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں ان کو سمجھنا اور بیان کرنا بہت بڑی عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لئے بھیجا قرآن پاک میں آتا ہے۔ "وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ" (نحل، پارہ ۱۴)۔ اور اتارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذکر تا کہ آپ بیان کر دیں لوگوں کے لئے وہ چیز جو اتاری گئی ہے ان کی طرف۔ اور تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔ اور یہ بات آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ قرآن مجید کی ایک آیتِ کریمہ بغیر ترجمہ کے سیکھنا سو رکعت نماز نفل پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے اور ایک آیتِ کریمہ ترجمے کے ساتھ سیکھنا حاصل کرنا ایک ہزار رکعات نفل نماز سے زیادہ ثواب ہے۔ رواہ ابنِ ماجہ۔ اور یہ بات بھی دماغ میں بٹھائیں کہ ترجمہ سیکھنا صرف مولویوں کے لئے نہیں ہے۔ تمام مسلمانوں پر فرض ہے چاہے مرد ہوں یا عورتیں پہلے لوگ کہتے تھے کہ عورتیں کہاں جائیں ترجمہ سیکھنے کے لئے اب الحمد للہ گکھڑ میں سات آٹھ ادارے لڑکیوں کی دینی تعلیم

کے لئے موجود ہیں۔ جہاں لڑکیاں ہی پڑھاتی ہیں اور ان تمام لڑکیوں نے ترجمہ قرآن مجید مجھ سے پڑھا ہے۔ اب کوتاہی آپ لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے۔ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے خاندان کی بڑی خدمات ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ہندوستان میں اہلِ بدعت اور رافضیت کا بڑا زور تھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء" اور یہ کتاب خلفاءِ اربعہ کی فضیلت کے سلسلہ میں بڑی علمی کتاب ہے۔ اسی طرح "قُرَّۃُ الْعَیْنَیْنِ فِیْ تَفْضِیْلِ الشَّیْخَیْنِ" یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک ابوبکر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت میں ہے۔ تو نجف خان رافضی اس وقت دہلی کا حاکم تھا۔ اس نے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کی کلائیاں اتروا دیں۔ کہ ان کے ساتھ تو نے یہ کتابیں لکھی ہیں۔ اور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تو بھانڈ قسم کے مولوی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیچھے پڑ گئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے راز ظاہر کر دیئے ہیں لہٰذا کافر ہو گیا ہے۔ پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹوں نے قرآن کی خدمت کی۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر لکھی اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اردو میں ترجمہ کیا۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اردو میں ترجمہ کیا اور وہ تمام اردو تراجم کے سردار ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ کتابیں اس لئے نازل فرمائی ہیں کہ ان کو بیان کرو۔ اور یہ راز ظاہر کرو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات لوگوں کو بتاؤ۔ لیکن یہود نے کیا کیا۔ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ، پس انہوں نے پھینک دیا اس وعدے کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے۔ اور اس کی کتابوں کو بیان کرنا وہ تو تم نے پورا نہیں کیا اور جو عہد لیا ہی نہیں ہے۔ اس کے حوالے دیتے پھرتے ہو۔ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا، اور

خریدی انہوں نے اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت۔ یعنی اس وعدے کے بدلے میں انہوں نے تھوڑی سی قیمت لی وہ دنیا کی چیزیں تھیں مثلاً تنخواہیں اور نذرانے جتنا مال بھی لیں وہ قلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیْلٌ" دنیا کا سارا سامان بھی قلیل ہے۔ اور ترمذی شریف میں حدیث آتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا و مافیھا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا۔ تو دنیا و مافیھا کے خزانوں کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ہے۔ تو کافروں کو زیادہ بھی مل جائے تو کیا ہے۔ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ، پس بری ہے وہ چیز جو انہوں نے خریدی۔ یعنی انہوں نے جو سودا خریدا ہے برا ہے۔ آگے فرمایا، لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ، ہرگز نہ خیال کرنا ان لوگوں کے بارے میں۔ یَفْرَحُوْنَ، جو خوش ہوتے ہیں۔ بِمَآ اَتَوا وَّیُحِبُّوْنَ، جو انہوں نے کی اور وہ پسند کرتے ہیں۔ یعنی برے کام اور پسند کرتے ہیں۔ اَنْ یُّحْمَدُوْا، یہ کہ ان کی تعریف کی جائے۔ بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا، ان چیزوں پر جو انہوں نے نہیں کئے۔ چاہتے ہیں کہ ان میں بھی ان کی تعریف کی جائے۔ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ، پس ہرگز نہ خیال کرنا تم ان کے بارے میں۔ بِمَفَازَةٍ، کہ وہ کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ مِنَ الْعَذَابِ، عذاب سے۔ کہ عذاب سے وہ چھٹکارہ پا جائیں گے۔ "مَفَازَة" مصدر میمی بھی بن سکتا ہے۔ تو اس وقت ترجمہ ہوگا کامیابی۔ اور ظرف مکان بھی بن سکتا ہے کامیابی کی جگہ تو معنیٰ ہوگا پس ہرگز نہ خیال کرنا تم ان کے متعلق کہ ان کو عذاب سے کامیابی کی کوئی جگہ مل جائے گی۔ دونوں معنیٰ صحیح ہیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، اور ان کے واسطے عذاب ہوگا دردناک۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے آسمانوں کا ملک اور زمینوں کا۔ وہی مالک

ہے وہی خالق ہے۔ وہی متصرف ہے، وہی مدبر ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں اس کے سوا کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے ان لوگوں کو جو عوام کو شرکیہ تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کہتے ہیں۔ ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی مختار بھی ہے۔ کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر یعنی جہان میں جو کچھ ہوتا ہے وہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کرتے ہیں "**لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**"۔ یاد رکھنا یہ شرک ہے اور اگر رتی برابر بھی کسی میں شرک ہوگا تو اس کا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوگا۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ، اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَکَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ ، بے شک آسمانوں کے پیدا کرنے میں ۔ وَالۡاَرۡضِ ، اور زمین کے پیدا کرنے میں ۔ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ ، رات اور دن کے مختلف ہونے میں ۔ لَاٰیٰتٍ ، البتہ کئی نشانیاں ہیں ۔ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ O ، عقل مندوں کے واسطے ۔ اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ ، عقل مند لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں ۔ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا ، کھڑے ہوئے اور بیٹھنے کی حالت میں ۔ وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ ، اور اپنے پہلوؤں کے بل بھی ۔ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ ، اور غور و فکر کرتے ہیں ۔ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ، آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں ۔ (کہتے ہیں) ۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ، اے ہمارے رب تو نے نہیں پیدا کیا ان چیزوں کو بے کار۔ سُبْحٰنَكَ ، پاک ہے تیری ذات۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ O ، پس بچا تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ ، اے ہمارے رب! بے شک تو۔ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ ، جس کو داخل کرے گا دوزخ میں۔ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ، پس تحقیق تو نے اس کو رسوا کر دیا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ O ، اور نہیں ہے ظالموں کے لئے کوئی مددگار۔ رَبَّنَا ، اے ہمارے پروردگار!۔ اِنَّنَآ سَمِعْنَا ، بے شک ہم نے سن لیا۔ مُنَادِيًا ، پکارنے والے کو۔ يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ ، جو پکارتا تھا ایمان کے لئے۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ ، یہ کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ فَاٰمَنَّا ، (اے ہمارے رب!) پس ہم ایمان لے آئے۔ رَبَّنَا ، اے ہمارے پروردگار!۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ، پس معاف کر دے ہمارے گناہ۔ وَكَفِّرْ عَنَّا ، اور مٹا دے ہم سے۔ سَيِّاٰتِنَا ، ہماری برائیاں۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ O ، اور ہمیں وفات دے نیک لوگوں کے ساتھ۔ رَبَّنَا ، اے ہمارے پروردگار!۔ وَاٰتِنَا ، اور دے ہمیں۔ مَا وَعَدْتَّنَا ، وہ چیز جس کا وعدہ کیا ہے تو نے ہم سے۔ عَلٰى رُسُلِكَ ، اپنے رسولوں کی زبانوں پر۔ وَلَا تُخْزِنَا ، اور نہ رسوا کرنا ہمیں۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ، قیامت والے دن۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ O ، بے شک تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

کل کے سبق کی آخری آیت میں تھا کہ تمام سلطنت اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کچھ نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ کہ ان میں ہر آدمی غور وفکر کرسکتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، بے شک آسمانوں کے پیدا کرنے میں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ،

رات اور دن کے مختلف ہونے میں۔ لَاٰیٰتٍ، البتہ کئی نشانیاں ہیں۔ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ☆، عقل مندوں کے واسطے۔ یہ پہلا آسمان تو ہمیں نظر آتا ہے۔ چلو باقی چھ ہمیں نظر نہیں آتے تو جو نظر آتا ہے اس کو دیکھو کہ اس کے نیچے کوئی کھمبا کوئی ستون کوئی دیوار اور کوئی ٹیک نہیں ہے۔ کوئی سہارا نہیں ہے۔ جبکہ انسان چھوٹی چھوٹی عمارتیں بناتا ہے۔ اس کے نیچے کتنے ستون ہوتے ہیں دیکھو۔ کہ چھوٹی سی عمارت ہے دو ستون وہ کھڑے ہیں دو ستون وہ کھڑے ہیں۔ لیکن آسمان کو دیکھو کتنا بڑا وسیع ہے اس کو بغیر سہارے کے کھڑا کرنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں آسکتی ہے۔ پھر ایک آسمان نہیں جمع کا صیغہ ہے۔ بے شک آسمانوں کے پیدا کرنے میں اسی طرح زمین کے پیدا کرنے میں غور وفکر کرو۔ زمین میں پھر و مشرق مغرب کی طرف جاؤ، شمال جنوب کی طرف جاؤ۔ میدان نظر آئیں گے پہاڑ نظر آئیں گے مختلف قسم کے درخت نظر آئیں گے جڑی بوٹیاں نظر آئیں گی زمین کے مختلف رنگ نظر آئیں گے پھر اس میں بڑے بڑے دریا اور سمندر نظر آئیں گے۔ پھر اس میں تمہیں پھل پھول اناج اور سبزیاں نظر آئیں گی۔ پھر زمین میں رہنے والی مخلوق مختلف شکلیں رنگ برنگی نظر آئیں گی۔ چینیوں کی علیحدہ روسیوں کی علیحدہ افریقیوں کی علیحدہ۔ گوروں کی شکلیں الگ، کالوں کی الگ۔ جب کہ ماں بھی ایک اور باپ بھی ایک سب کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور سب کی ماں اماں حوا علیہا السلام ہیں۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوتے ہیں کسی کا قد بڑا ہے کسی کا چھوٹا ہے کوئی گورا ہے کوئی گندمی ہے۔ کوئی نرم مزاج ہے۔ کوئی سخت مزاج ہے کوئی حوصلے والا ہے۔ کوئی جلد باز ہے۔ تو ان چیزوں پر غور وفکر کرنے سے رب تعالیٰ کی قدرت سمجھ آسکتی ہے۔ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ، اور دن رات کے مختلف ہونے میں غور وفکر

کرو۔ کہ رات تاریک اور سیاہ ہے۔ دن روشن ہے پھر کبھی رات بڑھ جاتی ہے کبھی دن بڑھ جاتا ہے۔ کبھی رات کم ہو جاتی ہے۔ کبھی دن کم ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو چوبیس دسمبر تک راتیں لمبی ہوں گی دن چھوٹے ہوتے جائیں گے۔ پھر بائیس جون تک راتیں چھوٹی ہوتی جائیں گی۔ اور دن لمبے ہوتے جائیں گے۔ اور یہ ایسی چیزیں ہیں جو ہر آدمی کی سمجھ میں آسکتی ہیں باقی کوئی بڑا پاگل ہو تو اس کی بات نہیں کرتا۔ ہوش وحواس والا آدمی ان چیزوں پر غور وفکر کر کے رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں سمجھ سکتا ہے۔ یہ نشانیاں کن لوگوں کیلئے ہیں فرمایا۔ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ ، الباب لُب کی جمع ہے۔ اور لُب کا معنیٰ عقل ہے اور اُلُوْ جمع ہے ذُوْ کی تو اولو الالباب کے معنیٰ ہوں گے عقل والے عقل مند تو یہ نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے اور ہم تو عقل مند اسے کہتے اور سمجھتے ہیں جو دنیا بڑی کمانا جانتا ہو۔ لوگوں کو ٹھگنا جانتا ہو۔ یا دنیا میں عجیب وغریب چیزیں ایجاد کرنا جانتا ہو۔ اگرچہ وہ چیزیں دنیا کی تباہی اور بربادی کا سبب بنیں۔ دیکھو! یہ کلاشنکوف بنانے والا روسی شخص ابھی تک زندہ ہے اور اس کی عمر ستتر/ ۷۷ سال ہوگئی ہے اور وہ کلاشنکوف کی ایجاد پر شرمندہ اور نادم ہے کہ کاش میں اس کی جگہ کوئی اور چیز ایجاد کرتا کیونکہ یہ تو نری انسانوں کی تباہی کا سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عقل مند کون لوگ ہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں فرمایا عقل مند وہ ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ ، عقل مند لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا ، کھڑے ہوئے اور بیٹھنے کی حالت میں۔ وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ ، اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوں۔ بیٹھے ہوں لیٹے ہوں۔ اور یہ بات بھی آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ ذکر کے لئے وضو کی پابندی نہیں وضو کے بغیر بھی ذکر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ

انسان آخرانسان ہے۔کبھی معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ ہوا خارج ہوتی ہے۔ پیشاب بھی بار بار کرنا پڑتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔کہ ذکر تم بغیر وضوء کے بھی کر سکتے ہو۔ عقل مندوں کی دوسری نشانی۔ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،اورغور وفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔کہ رب تعالیٰ نے کتنی بڑی وسیع مخلوق پیدا فرمائی ہے۔آسمان اور زمین پھر ان میں اور بہت کچھ پیدا فرمایا ہے۔ مثلاً پہاڑ ہیں دریا ہیں اور کیا کچھ ہے۔ یہ ویسے تو پیدا نہیں فرمائیں۔ان کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔مثلاً یہ مسجد کی عمارت ہے۔ یہ اس واسطے بنائی گئی ہے کہ یہاں لوگ نماز پڑھیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ قرآن شریف پڑھیں۔اور بچوں کو پڑھائیں۔ یہ دین کا مرکز اور اڈا ہے۔ یہ کوئی یادگار کے طور پر نہیں بنائی گئی۔اسی طرح لوگ مکان بناتے ہیں تو اس کا مقصد ہے کہ اس میں رہیں گے اٹھیں گے بیٹھیں گے آرام کریں گے گرمی سردی سے بچنا ہے۔غمی خوشی کے موقع پر۔دوست احباب آئیں گے تو ان کو بٹھائیں گے ہم اگر کوئی چیز بناتے ہیں۔تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان بنائے ہیں۔تو اس کا بھی کوئی مقصد ہے۔پھر یہ غور وفکر کرتے ہیں جس ذات نے اتنے بڑے زمین وآسمان بنائے ہیں خود وہ ذات کتنی بڑی ہے۔ اس کی قدرت کتنی وسیع ہے۔وہ قادر مطلق ہے دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے۔"وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (پارہ ۲۶)۔اے انسانو! تم اپنی جانوں کو نہیں دیکھتے کہ تم کیا تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں کیا بنا دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمھیں حقیر نطفے سے پیدا فرمایا ہے۔اس طرح کہ نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ٹانگیں بنائیں بازو بنایا سر بنایا۔آنکھیں بنائیں ، ناک بنایا۔غرضیکہ تمام اعضاء بنائے پھر ان پر گوشت

چڑھایا۔ پھر چار ماہ کے بعد اس ڈھانچے میں جان ڈالی پھر تقریباً پانچ ماہ ماں کے رحم میں زندہ رہا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ بچہ ماں کے رحم میں پھلتا پھولتا بھی ہے۔ ہاتھ پاؤں بھی حرکت کرتے ہیں اور سانس کے بغیر زندہ ہے۔ پیدا ہونے کے بعد بغیر سانس کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وہاں اس کو باقاعدہ خوراک بھی ملتی رہی ہے۔ مگر پیشاب پاخانہ نہیں ہے۔ اور پیدا ہونے کے بعد بچہ صرف عرق ہی پی لے تو پاخانہ آجاتا ہے۔ تو رب تعالیٰ نے فرمایا اے انسانو! اپنے وجود میں غور وفکر کرو تو قادرِ مطلق تمہیں سمجھ آجائے گا۔ اور اگر آنکھیں بند کر لو پھر دن بھی رات ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ تو عقلمند جب زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں غور کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً، اے ہمارے رب تو نے نہیں پیدا کیا ان چیزوں کو بے کار۔ سُبْحٰنَکَ، پاک ہے تیری ذات۔ تمام عیبوں سے اور اس سے بھی کہ تو کوئی بے کار فعل کر لے۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، پس بچا تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے۔ جو اس نقطے کو سمجھ جاتے ہیں وہی کامیاب ہیں کیونکہ آخرت میں تو جانا ہی ہے۔ لہٰذا جو دوزخ سے بچ گیا وہی کامیاب ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ، اے ہمارے رب! بے شک تو جس کو داخل کرے گا دوزخ میں۔ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ، پس تحقیق تو نے اس کو رسوا کر دیا۔ اس لئے کہ دوزخ میں داخل ہونے والا انتہائی رسوا ہوگا۔ دوزخیوں کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے۔ "وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا" ۔ (پارہ ۲۲، سورۃ فاطر)۔ وہ دوزخ میں چیخیں ماریں گے۔ "لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ" ۔ (پارہ ۱۲، سورۃ ھود)۔ ان کے لئے دوزخ میں آوازیں ہوں گی۔ "زَفِیْرٌ" گدھے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو ابتداء میں بڑی بلند ہوتی ہے۔ اور شہیق وہ آواز ہوتی ہے جو آخر میں نرم پڑ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدبخت لوگ دوزخ میں چیخیں گے چلائیں گے اور

گدھے کی آواز کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی ہے کیونکہ گدھے کی آواز تمام آوازوں سے بری ہوتی ہے۔ حضرت لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے سے کہا جب بات کرنی ہو تو بلا ضرورت زور سے نہ بولنا۔ کیونکہ زور سے بولنا کوئی فخر کی بات ہوتی۔ تو پھر ساری فضیلت گدھا لے جاتا۔ حالانکہ "اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ"۔ (پارہ ۲۱ لقمان) بے شک تمام آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے گھروں میں عورتوں کا بلاضرورت بلند آواز سے بات کرنا گناہ ہے۔ مرد ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے بولے گناہ ہے۔ ہم ان باتوں کو نہیں سمجھتے بلکہ ہم تو چیخنے چلانے کو ہی خوبی سمجھتے ہیں۔ چاہے کسی کی نیند ضائع ہوتی ہو۔ یا بیمار کو تکلیف ہوتی ہو۔ یا کسی کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو۔ یا کسی کے مطالعہ کرنے میں خلل واقع ہو رہا ہو۔ ہمیں کسی کی تکلیف سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم نے ضرور چیخنا ہے۔ دیکھو دین میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا طبقہ بہت محتاط طبقہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام جب نماز پڑھائے تو اتنی آواز نکالے جو مقتدی سنیں۔ یعنی جتنے مقتدی ہیں اتنی آواز نکالے امام کا ضرورت سے زیادہ آواز کا بلند کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ شریعت نے آواز پر کتنا کنٹرول کیا ہے۔ کہ امام بھی اگر ضرورت سے زیادہ آواز کو بلند کرے تو فقہاء فرماتے ہیں۔ "فَقَدْ اَسَاءَ"۔ اس نے برا کام کیا ہے۔ اسی طرح فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی جگہ پر بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جہاں کوئی سویا ہوا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو۔ یا مطالعہ کر رہا ہو۔ اور ہم نے تو سارے محلے کو بیزار کرنے میں ثواب سمجھا ہوا ہے۔ کہ شور کرو کسی کو سونے نہ دو یاد رکھنا یہ سب گناہ کی باتیں ہیں۔ احمد رضا خان صاحب بریلوی سے کسی نے سوال کیا کہ ایسی جگہ پر بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا اور ذکر کرنا کیسا ہے۔ درود شریف پڑھنا جہاں

کوئی سویا ہوا ہو۔ کہ اس کی نیند میں خلل پیدا ہوتا ہو۔ بیمار ہو تو وہ فتویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' میں لکھتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنے والا سخت گناہ گار ہے۔ پھر اس پر فقہاء کرام رحمہم اللہ کے حوالے پیش کئے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن شریف پڑھنا اور بلند آواز سے درود شریف پڑھنا ناجائز ہے۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ تو جواب دیا کہ قوۃ ہے تو ہاتھ سے روکو ورنہ زبان سے روکو۔ اور اب حالت یہ ہے کہ چیخیں بھی خان صاحب کے ماننے والے ہی مارتے ہیں ان کو کون سمجھائے؟۔ یاد رکھنا۔ ذکر اذکار بھی آہستہ کرنا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے "خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ"۔ بہترین ذکر وہ ہے جو مخفی ہو۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے کی بجائے آہستہ ذکر کرنے کا اجر ستر/۷۰ گنا زیادہ ہے۔ لہٰذا ذکر ایسے انداز سے کرو کہ اپنے کان سنیں دوسروں کے کان نہ کھاؤ۔ اور خدا رسول کی بات پر عمل کرو اور دوزخ کی رسوائی سے بچو فرمایا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝، اور نہیں ہے ظالموں کے لئے کوئی مددگار۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا، اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے سن لیا۔ مُنَادِیًا، پکارنے والے کو۔ یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ، جو پکارتا تھا ایمان کے لئے۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ، یہ کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ فَاٰمَنَّا، (اے ہمارے رب!) پس ہم ایمان لے آئے۔ منادی کون ہے؟ قرآن پاک کے نزول کے وقت سب سے بڑے منادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پھر تابعین، اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ منادی تھے۔ اور اب میں تمہارے لئے منادی ہوں میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ، یہ کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ ہر مبلغ جو لوگوں کو قرآن کریم سناتا ہے۔ اور دعوت

دیتا ہے۔ وہ منادی ہے۔ اور اس میں شامل ہے۔ قرآن خود بھی منادی ہے اس کو بیان کرنے والا بھی منادی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو عقل اور سمجھ عطاء فرمائی ہے وہ بھی منادی ہے۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا ، اے ہمارے پروردگار! پس معاف کردے ہمارے صغیرہ گناہ۔ وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا ، اور مٹادے ہمارے کبیرہ گناہ۔ یعنی چھوٹے بڑے سارے گناہ معاف فرمادے۔ کیونکہ ہم سے صغیرہ بھی ہوتے ہیں اور کبیرہ بھی ہم تو گناہوں کی پیٹیاں ہیں۔ تو معاف فرمادے۔ وَتَوَفَّنَامَعَ لْاَبْرَارِ ○ ، اور ہمیں وفات دے نیک لوگوں کے ساتھ۔ انہیں کے ساتھ ہمیں بیٹھنا نصیب ہو۔ انہی میں وفات ہو اور ان ہی میں ہمارا شمار ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے یہ دعائیں کرتے ہیں۔ رَبَّنَاوَاٰتِنَا ، اے ہمارے پروردگار! دے ہمیں۔ مَا وَعَدْتَّنَا ، وہ چیز جس کا وعدہ کیا ہے تو نے ہم سے۔ عَلٰی رُسُلِکَ ، اپنے رسولوں کی زبانوں پر۔ اور ان کے ساتھ تیرا یہ وعدہ ہے کہ جو تجھ پر ایمان لائے گا تو اسے جنت میں داخل کرے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبروں نے یہی سبق دیا ہے کہ ایمان کا صلہ جنت ہے۔ اور اگر کفر شرک اور بدی کرو گے تو جہنم میں جلو گے۔ اے پروردگار! تو سچا، تیرے پیغمبر سچے، تیرا وعدہ سچا، تو ہمیں قبر میں راحت نصیب فرما۔ وَلَاتُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ، اور نہ رسوا کرنا ہمیں قیامت والے دن۔ میدانِ حشر میں ہم ذلیل نہ ہوں پل صراط سے ہم سیدھے گزر کر جنت میں پہنچ جائیں سب سے زیادہ ذلت اور رسوائی قیامت کے دن کی ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا کی ذلت کوئی شئی نہیں ہے۔ مگر آدمی دنیا کی ذلت سے بچنے کی تو کوشش کرتا ہے مگر آخرت کی ذلت سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جب کہ دنیا کے امتحان آخرت کے مقابلے میں بچوں کے کھیل کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ اے

پروردگار! ہمیں دونوں امتحانوں میں کامیاب فرما۔اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ O، بے شک تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ نے عقلمندوں کے اوصاف اور ان کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ وہ یہ یہ کام کرتے ہیں اور یہ یہ دعائیں کرتے ہیں تو جو آدمی یہ کام نہیں کرے گا۔ اور یہ دعائیں نہیں کرے گا۔ وہ عقل مند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل مند بننے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں عقل مند بنائے...... (آمین)۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ
دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ
خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ
اِلَیْكُمْ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا
قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ
﴿۱۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

المنزل ۱ — ع ۲۰ ۱۱

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ، پس قبول کرلیں ان کی دعائیں۔رَبُّهُمْ ، ان کے رب نے۔(یہ فرماتے ہوئے)۔اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ ، بے شک میں ضائع نہیں کرتا۔عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ ،کسی کام کرنے والے کا کام تم میں سے۔مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ،مرد ہو یا عورت ہو۔بَعْضُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْضٍ ،بعض تمہارے بعض سے ہیں۔فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ، پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی۔وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ،اورنکالے گئے اپنے گھروں سے۔وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ ، اوران کو اذیت دی گئی میرے راستے میں۔وَقٰتَلُوْا،اوروہ (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) لڑے۔وَقُتِلُوْا،اورقتل کئے گئے۔لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ،البتہ ضرور مٹادوں گا میں ان سے۔سَيِّاٰتِهِمْ ، ان کی برائیاں۔وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ ،اورالبتہ میں ان کوضرورداخل کروں گا ایسے باغوں میں۔تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ، کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ، یہ بدلا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ،اوراللہ تعالیٰ کے پاس۔ حُسْنُ الثَّوَابِ ☆ ،بہت اچھا بدلہ ہے۔لَا يَغُرَّنَّكَ ، ہرگز نہ دھوکے میں ڈالے تجھے۔تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ ،ان لوگوں کا چلنا پھرنا۔كَفَرُوْا، جو کافر ہیں۔فِي الْبِلَادِ ☆ ،شہروں میں۔مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ،(ان کے لئے) فائدہ ہے بہت تھوڑا۔ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ، پھران کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔وَبِئْسَ الْمِهَادُ،اور برا ہے ٹھکانہ۔لٰكِنِ الَّذِيْنَ ،لیکن وہ لوگ۔اتَّقَوْا رَبَّهُمْ، جو اپنے رب سے ڈرتے رہے۔لَهُمْ جَنّٰتٌ ،ان کے لئے باغات ہوں گے۔تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ، ہمیشہ انہیں میں رہیں گے۔نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ،مہمانی ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ ،اوروہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ،بہتر ہے نیک لوگوں کے لئے۔وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ،اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض۔لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ، البتہ وہ ہیں

جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ، اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ ، اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ۔ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ۔ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ، وہ نہیں خریدتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بدلے میں ۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا ، تھوڑی قیمت ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ ، یہی لوگ ہیں ان کے واسطے اجر ہے ان کا ۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ، ان کے رب کے پاس ۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ☆ ، بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ اصْبِرُوْا ، صبر کرو ۔ وَصَابِرُوْا ، اور حق پر ڈٹ جاؤ ۔ وَرَابِطُوْا ، اور اپنی سرحدوں کو محفوظ رکھو ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ☆ ، تاکہ تم کامیابی حاصل کرو ۔

اس رکوع کے پہلے حصے میں عقل مندوں کا ذکر تھا کہ وہ یہ یہ کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوں بیٹھے ہوں ، لیٹے ہو ۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔ "مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" ۔ کہ ان چیزوں کو تو نے فضول اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا ۔ پھر آگے ان کی دعاؤں کا ذکر ہے کہ اے پروردگار ! ہمارے صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف فرمادے ۔ اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے ۔ اے پروردگار ! ہمارے اور دے دے ہمیں جو تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانوں پر اور نہ رسوا کر تو ہمیں قیامت والے دن بے شک تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا ۔ یعنی جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرما ۔ آج کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ، پس قبول کرلیں ان کی دعائیں ان کے رب نے ۔

(یہ فرماتے ہوئے)۔ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ ، بے شک میں ضائع نہیں کرتا کسی کام کرنے والے کا کام تم میں سے۔ نیکی کا عمل صحیح ہو یعنی قاعدے کے مطابق ہو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں فرماتے۔ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ، نیکی کرنے والا نر ہو یا مادہ ہو۔ یعنی مرد ہو یا عورت ہو۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ، بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ تم مرد عورتیں ایک دوسرے سے پیدا ہوئے ہو۔ عورتوں سے، مرد اور مردوں سے عورتیں اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک چلانا ہے۔ نہ مرد ہونے کی وجہ سے نیکی میں کمی آئے گی نہ عورت ہونے کی وجہ سے۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ، پس وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی۔ دین کی حفاظت کے لئے۔ ایمان کی حفاظت کے لئے۔ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ، اور نکالے گئے اپنے گھروں سے۔ بعض اوقات اہلِ ایمان کافروں کی ایذاءرسانیوں سے تنگ آکر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لے سکتے۔ اور کافروں کو جب بھی موقع ملا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ستانے میں کمی نہیں کی اور ان کو وہاں سے نکالا ہے۔ اس وقت برما میں مسلمانوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ اگرچہ برما میں مسلمانوں کی تعداد خاصی ہے مگر صحیح معنیٰ میں مسلمان کم ہیں بھرتی زیادہ ہے۔ وہاں بدھ مذہب کے لوگ ان کو کلمہ پڑھنے سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ مسلمان لڑکیوں کا نکاح کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کہ مسلمان ان کو اپنی لڑکیوں کا رشتہ دیں۔ نمازیں پڑھنے سے بھی روکتے ہیں۔ کچھ بے چارے بھاگ کر بنگلہ دیش چلے گئے ہیں اور کچھ وہیں مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ اور دوسرے ملکوں کے مسلمان بے غیرت بنے ہوئے ہیں۔ خصوصاً حکمران اور اپنے فرض کو ادا نہیں کر رہے۔ کیونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے۔ "اِمْرَاَةٌ سُبِيَتْ بِالْمَشْرِقِ وَجَبَ عَلٰى اَهْلِ مَغْرِبٍ اَنْ يُّخَلِّصُوْهَا" ۔ اگر

کوئی مسلمان عورت مشرق کے کونے میں کافروں کے ہاتھ قید ہو جائے تو مغرب کی طرف تمام رہنے والوں پر واجب ہے کہ اس کی مدد کریں۔ اور اس کو رہا کرائیں۔ اور آج ہمارے پڑوس کشمیر، افغانستان، بوسنیا، برما میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ مگر اس وقت مسلمانوں سے بڑا بے غیرت کوئی نہیں ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کا حکمران طبقہ جہاں کہیں بھی ہے بڑا بے غیرت ہے۔ اور اتنے بے غیرت ہیں کہ آواز تک بلند کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اپنا کوئی نقصان ہو تو چیختے چلاتے ہیں۔ اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اتنی آواز بھی نہیں نکال سکتے کہ اے ظالمو! ان مظلوموں پر ظلم نہ کرو۔ اس وقت برما میں بہت ظلم ہو رہا ہے۔ مگر کوئی ان کی خبر لینے والا نہیں ہے۔ تو فرمایا جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ، اور ان کو اذیت دی گئی میرے راستے میں۔ وَقٰتَلُوْا، اور وہ (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) لڑے۔ وَقُتِلُوْا، اور قتل کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ، البتہ ضرور مٹادوں گا میں ان سے ان کی برائیاں۔ یعنی میں ان کی خطائیں معاف کردوں گا۔ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ، اور البتہ میں ان کو ضرور داخل کروں گا ایسے باغوں میں۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، یہ بدلا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ، اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے۔ اور اس کے خزانے بڑے وسیع ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے اس وقت سے لے کر اس کے فنا ہونے تک اس میں جتنی مخلوقات آئی ہیں یا آئیں گی کیا انسان کیا جنات، کیا کیڑے مکوڑے، کیا سمندری مخلوق، اور کیا خشکی کی مخلوق اللہ تعالیٰ ان پر خرچ کر رہا ہے۔ اس کے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آئی کہ تم سوئی سمندر میں

ڈبو کے نکالو۔ جتنا پانی اس کے ساتھ لگتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے کے لئے فرمایا کہ جس طرح سوئی کے ذریعے سمندر کے پانی میں کمی نہیں آتی۔ اسی طرح رب تعالیٰ کے خزانوں میں بھی کمی نہیں آسکتی۔ اور ایک حدیث پاک میں اس طرح آتا ہے۔ "لَوْاَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَجِنَّکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ"۔ اگر تمہارے اول سے لے کر آخر تک یعنی جو مر گئے ہیں یا موجود ہیں۔ یا آئندہ آنے والے ہیں۔ کیا انسان کیا جنات یا خشکی کی مخلوق اور کیا سمندری مخلوق کیا پہاڑوں میں رہنے والے یا میدانوں اور غاروں میں رہنے والے یہ سارے ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور اپنی اپنی خواہش کے مطابق رب تعالیٰ سے مانگیں یعنی جو جس کے دل میں آتا ہے وہ مانگے، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مانگنے کے مطابق دے دے۔ تو اس کے خزانوں میں اتنی کمی نہیں آتی کہ سوئی سمندر میں ڈبو کر نکالو تو جتنا اس کے ساتھ پانی لگتا ہے تو اس کے خزانے بڑے وسیع ہیں اور اس کے پاس اچھا بدلہ ہے۔ کافر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے کہتے کہ تم کہتے ہو کہ ہم رب تعالیٰ کے پیارے ہیں اپنے کپڑے دیکھو پھٹے پرانے ہیں۔ کسی کو جوتا نصیب نہیں ہے۔ کسی کے سر پر پگڑی نہیں ہے۔ کئی کئی دن تم فاقوں میں گزارتے ہو۔ رہنے کے لئے تمہارے پاس معقول جگہ کوئی نہیں چھپروں میں گزارہ کرتے ہو۔ پھر بھی کہتے ہو کہ رب ہم پر راضی ہے کس طرح راضی ہے اگر راضی ہوتا تو تمہیں دولت دیتا۔ دنیا کی ضروریات تمہیں عطاء کرتا۔ اور ہمیں کہتے ہو کہ رب تم سے ناراض ہے۔ حالانکہ ہمارے پاس کوٹھیاں ہیں باغات ہیں، کارخانے ہیں زمینیں ہیں دولت ہے۔ اگر رب ہم سے ناراض ہوتا تو یہ چیزیں ہمیں کیوں دیتا۔ عوام کی اکثریت سطحی ہوتی ہے۔ جن کا کلمہ ایمان مضبوط نہیں ہوتا۔ وہ ! سے شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ

حقیقت یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتیں دی ہیں وہ سارے پسندیدہ لوگ نہیں ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ ، ہرگز نہ دھوکے میں ڈالے تجھے ان لوگوں
کا چلنا پھرنا۔ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ، جو کافر ہیں شہروں میں۔ یعنی کافروں کا ٹھاٹھ باٹھ سے شہروں
میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم دیکھتے ہو وہ گاڑی پر جارہے ہیں کبھی سکوٹر پر کبھی
جہاز پر فرمایا۔ اس سے بالکل دھوکے میں نہ پڑنا کیونکہ، مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ، (ان کے لئے) فائدہ ہے
بہت تھوڑا۔ کتنے دن کھا پی لیں گے۔ دس دن مہینہ سال دس سال پچاس سال۔ سو سال چند
دن کی بہار ہے۔ آخر موت ہے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے معلوم ہو جائے گا راحت کس چیز
کا نام ہے اور تکلیف کس چیز کا نام ہے۔ چند دن کی عیش کو انہوں نے رب تعالیٰ کی رضاء سمجھ لیا
ہے۔ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ، پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ ، اور برا ہے
ٹھکانہ۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات مسلمین اور مسلمات کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ ، لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے۔ چاہے ان کے کپڑے
پھٹے پرانے ہیں۔ جوتیوں سے محروم ہیں۔ ٹوپی پگڑیوں سے محروم ہیں۔ ظاہری زیبائش اور
آرائش سے محروم ہیں۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ، ان کے لئے باغات ہوں گے
بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ، ہمیشہ انہیں میں رہیں گے۔ نُزُلًا مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ، مہمانی ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ لہٰذا ان چیزوں کو دیکھ کر دھوکے میں نہ پڑو۔ اور
نہ کسی کو دھوکے میں ڈالو۔ اور یاد رکھو۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ○ ، اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے
پاس ہے بہتر ہے نیک لوگوں کے لئے۔ کیونکہ وہ پائیدار ہے۔ اور وہاں کی زندگی دنیا کی زندگی
سے بہتر ہے۔ لہٰذا تم اپنی غربت پر افسوس نہ کرو اور ناداری پر پشیمان نہ ہو۔ آخرت کو سامنے

2

رکھ کر اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑ کر رکھو۔ رب تعالیٰ کی رحمت کو نہ بھولو۔ قرآن پاک کی یہ خوبی ہے کہ اگر کسی قوم کی خرابیوں کو بیان کرتا ہے تو ان کی خوبیوں کو بھی بیان کرتا ہے اگر ان میں خوبیاں ہوں۔ چنانچہ مسلسل کئی رکوع سے یہود و نصاریٰ کی تردید ہو رہی تھی۔ لہٰذا اس سے ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ سارے اہلِ کتاب برے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ، اور بے شک اہلِ کتاب میں سے بعض۔ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ، البتہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر صحیح معنیٰ میں ایمان لاتے ہیں۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ، اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی۔ کیونکہ آخری کتاب اور آخری پیغمبر علیہ السلام کا ان کی کتابوں میں ذکر تھا۔ کہ نبی آخر الزمان آئیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالیں گے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ "اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ"۔ وہ ہیں جو پاتے ہیں اس پیغمبر کو لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں ایسے لوگ خاصی تعداد میں تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ اور ان پر ایمان لانا چاہیے۔ اور ایمان لائے بھی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت اسد، حضرت اسید، حضرت بنیامین رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سارے پہلے یہودی تھے۔ پھر مسلمان ہو گئے اور نصاریٰ میں سے حضرت عدی بن حاتم، حضرت عدی بن بدرح، حضرت سلمان فارسی، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سارے پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہو گئے اور نیک بختی اور سعادت کا ثبوت دیا۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ، اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ان کی طرف نازل کی گئی۔ جب وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تورات انجیل پر ایمان رکھتے تھے اور یہ جو ایمان لائے ہیں۔ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ، وہ اللہ

تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ، وہ نہیں خریدتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بدلے میں۔ ثَمَنًا قَلِیْلًا، تھوڑی قیمت۔ اور یاد رکھنا دنیا و مافیہا سب قلیل ہے۔ ترمذی شریف کی روایت آپ کئی مرتبہ سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا و مافیہا کی قدر مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا۔ تو یہ نہ سمجھ لینا کہ ثمن قلیل لینا تو صحیح نہیں ہے۔ اور اگر بڑا گھپلا مارلیں تو صحیح ہو جائے گا۔ تو ساری دنیا بھی ثمنِ قلیل ہے۔ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ، یہی لوگ ہیں ان کے واسطے اجر ہے ان کا۔ عِنْدَ رَبِّھِمْ، ان کے رب کے پاس۔ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝، بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اصْبِرُوْا، صبر کرو عبادات پر۔ تکالیف پر جو حق بات کہنے کے جواب میں آئیں یا ویسے آئیں۔ وَصَابِرُوْا، اور حق پر ڈٹ جاؤ۔ اور عبادت کے ادا کرنے پر ڈٹ جاؤ۔ ایسا نہیں کہ کبھی ادا کرو اور کبھی ادا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی عبادات میں کمی نہیں آنی چاہیے، ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور حق پر بھی ڈٹے رہو۔ وَرَابِطُوْا، اور اپنی سرحدوں کو محفوظ رکھو۔ ملکی سرحدوں کو بھی پختہ بناؤ۔ اور نظریاتی سرحدوں کو بھی پختہ بناؤ۔ "مُرَابَطَۃ" کا معنیٰ ہے سرحد کو پختہ بنانا۔ تو دونوں سرحدیں مراد ہیں۔ ملکی بھی کہ کافر تمہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں اور مذہبی سرحدوں کو بھی پختہ بناؤ۔ کہ جو تمہیں عقائد بتائے جاتے ہیں اور باطل فرقوں کی تردید کی جاتی ہے یہ اسی مد میں ہیں کہ اسلام کی سرحدیں سمجھ لو۔ کافر، کافر ہیں مومن، مومن ہیں۔ توحید، توحید ہے۔ اور شرک، شرک ہے۔ سنت، سنت ہے اور بدعت، بدعت ہے۔ ان ساری چیزوں کو سمجھو۔ اور اسلام کی سرحدوں کو پختہ بناؤ۔ تاکہ کوئی کافر مشرک بے دین تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ، اور

اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یہ کام کروگے تو پھر ۔لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ، تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔ تمہاری کامیابی ان چیزوں پر موقوف ہے جو رب تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر قائم رہنے کی توفیق عطاء فرمائے..........آمین !!!

آج مؤرخہ ۲۲ شوال ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو سورۃ آل عمران مکمل ہوئی۔

والحمدللہ علیٰ ذالک

(نواز بلوچ گوجرانوالہ)